قادریہ نظام تصوف و سلوک

مقالہ

جو

پی۔ ایچ۔ ڈی

کیلئے

جامعہ عثمانیہ

میں

پیش کیا گیا

از

محمد مرتضیٰ صدیقی

ایم۔ اے۔ ریسرچ سکالر

شعبۂ فلسفہ۔ جامعہ عثمانیہ

جولائی سنہ ۱۹۵۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) پیش لفظ

طبعی شعور کے بیدار ہونے سے بہت پہلے احساس تھا کہ ماں باپ اور سارا خاندان سلسلہ عظیمہ قادریہ سے متعلق ہے اور اس کو سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے خاص عقیدت ہے ۔ اسکول کی تعلیم کے بعد جامعہ عثمانیہ میں تعلیم پانے کی نوبت آئی تو مضامین اختیاری میں دینیات کو خاص طور سے دلوایا گیا اور علم وفضل کے پیکر حضرت مولانا مناظر احسن صاحب قبلہ کی شاگردی نصیب ہوئی ۔ تصوف کا میلان جو عہد ازل ہی سے قسمت کیا گیا تھا قوی ہونے لگا ۔ ایم ۔ اے کی تعلیم کے زمانہ میں ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب قبلہ کے تصوف کے درس میں حاضری شروع ہوئی اور یہ میلان قوی تر ہوگیا خوش قسمتی سے بی ۔ اے کی طرح ایم ۔ اے میں درجہ اول میں* کامیابی نصیب ہونے کی وجہ سے جامعہ عثمانیہ کے ارباب حل وعقد نے ڈاکٹریٹ کے حصول کی اجازت دی ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو نگران کار مقرر کیا اور " قادریہ نظام تصوف وسلوک " کا عنوان مقالہ کے لئے منتخب ہوا ۔ کچھ ہی

دن بعد ریسرچ فیلوشپ بھی عطا کیا گیا ۔ ارباب جامعہ

کے حق میں اس کے سوا کیا کہوں کہ

" احسنت النہا فیحفظ الله الیک "

محترم ڈاکٹر صاحب نے اب جو کام لکھنا شروع کیا تو اس

مشہور شعر کا وجدانی ذوق ملنے لگا جس کو بچپن ہی میں

مزے لے کر پڑھتا تھا

تا نگردی قطرہ دردِ اے پسر

کے توان خواندن ترا مرد اے پسر

محنت و درد کی منزلیں بالآخر طے ہوئیں اور مقالہ کی تکمیل

حق تعالی کی عنایت و اعانت سے عمل میں آئی ۔ قادریہ تصوف کے

حقائق سمجھ میں آ گئے ہیں ۔ اس کے سلوک کے مدارج کا

علم ہو گیا ہے ۔ اب تمنا ہے کہ قال سے نکل کر حال میں قدم

رکھوں اور اس میں رسوخ پیدا کروں ۔ اس تمنا کا تحقق

حق تعالی کے لئے عسیر نہیں " ان تیسیر کل عسیر علیک یسیر "

میں ارباب جامعہ عثمانیہ کا ان کی توجہات عالیہ

پر شکر گذار ہون

" شکر المنعمون من الفرائض "

اور اپنے محترم ڈاکٹر صاحب کے عواطف و احسانات کے سلسلہ

مین اسقدر کہنا کافی ہے

عمت عواطفکم وطابت بہجتی

لکنہ فی الشکر کلت مہجتی

" العجز عن الشکر تمام الشکر "

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین ۔

محمد مرتضیٰ صدیقی

شعبہ فلسفہ ۔ جامعہ عثمانیہ

جولائی سنہ ۱۹۵۹ ع

۷۸٦

فہرست

(۲) تصوف کیا ہے

حرم جویان دری را می پرستند — فقیهان دفتری را می پرستند

برافگن پرده تا معلوم گردد — که یاران دیگری را می پرستند

آج کے دن اس جوہری دور میں جب کہ انسان کے قبضہ میں جوہری اور ہائیڈروجن بم موجود ہیں جو آناً فاناً دنیا کا حشر ناگاساکی اور ہیروشیما کا سا کرسکتے ہیں اور وہ انسان جو مصنوعی سیّارے* آسمان کی طرف اس تیزی سے اڑا رہا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب ہم امریکی مصنوعی سیّارے یا روسی اسپٹنک میں بیٹھ کر چاند اور پھر مریخ وغیرہ کی سیر کریں گے۔ یہ آسمان سے باتیں کرنے والا انسان کتنا بڑا معلوم ہوتا ہے کتنا بلند معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں بظاہر یہ جتنا بلند معلوم ہوتا ہے باطن میں اسی قدر پست ہے۔ اس نے اب تک اپنے آپ کو اور انسانیت تک کو نہیں پہچانا اسی لئے علامہ اقبال نے برسوں پہلے کہا تھا :-

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اور کوئی تعجب نہیں کہ یہ انسان پھر باہم دست وگریبان ہوجائے اور دنیا سے اس کا نام ہی مٹ جائے۔ آج ہر طرف امن امن کی پکار ہے مگر دراصل امن وسکون

---

* پہلا روسی سیارہ ۴۔ اکتوبر سنہ ۱۹۵۷ء کو چھوڑا گیا تھا ۔ پھر اس کے بعد سے مسلسل امریکی اور روسی سیارے چھوڑے جا رہے ہیں —

اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ انسان میں انسانیت نہ پیدا ہو
انصاف نہ پیدا ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مادیت نے جو قوم پرستی سکھائی ہے
اس میں ہر قسم کا فریب اور دھوکا جائز ہے اور عدل و انصاف مٹتے جا رہے ہیں
اور زندگی کی قدریں بدلتی جا رہی ہیں۔ آج جب کہ سائنس نے وقت اور فاصلہ
کو ختم کر دیا ہے ضرورت ہے کہ اب عالمگیر اخوت پیدا کی جائے اور اس کی بنیاد
صرف روحانیت پر رکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر ٹوائن بی (Toynbee)
دنیا کی اکیس تہذیبوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ " اگر دنیا کو مرکز پر لانا مقصود
ہو تو موجودہ دور کے انسانوں میں روحانی جذبہ پیدا کیا جائے اور یہ روحانیت
انسان میں ایسا سکون اور ایسی شانتی پیدا کرے گی کہ اس کی ساری پریشانیاں
اس کی حرص و ہوس مٹ جائے گی ۔ اس کا قلب مطمئن ہو جائے گا اور اس کو نہ صرف
اس زندگی میں بلکہ ابدی زندگی میں بھی سکون حاصل ہوگا "۔ اور روحانیت
اور تصوف کا اصل اصول ہی یہ ہے کہ انسان اپنے اس نفس پر قابو حاصل کرے
جو اس کو مختلف برائیوں لالچ ہوس اور ظلم پر اکساتا ہے۔ نفس پر قابو حاصل
کرنے کے لئے انسان کو چاہئے کہ اس دنیا میں اس خالق کائنات کے بنائے ہوئے قوانین
اور اصول پر عمل کرے جو اس کو سیدھی راہ پر لے جاتے ہیں اور جن سے تقرب الی اللہ
حاصل ہوتا ہے۔ آج ہم نے اگر ان اصولوں پر اپنی زندگی ڈھال لی تو دنیا
بھی جنت ہو جائیگی ۔ اور آخرت میں بھی اللہ کا مرانی عطا فرمائے گا۔ اور ایک
خصوصی اسلام یہ ہوگا کہ وہاں اپنی مرضی یا خواہش نفس کے موافق عمل کی

اجازت ہوگی ۔

لکم فیہا ما تشتہی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون (الآیۃ)

کیونکہ انسان نہ تنہا روح ہے نہ تنہا فقط جسم بلکہ دونوں ہی سے مرکب ہے۔
اسلئے روحانیت اور مادیت دونوں ضروری ہیں اور دونوں میں ہم آہنگی پیدا
کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جب مادی پیشواؤں کی باتوں پر عمل کیا جاتا اور ان کو
قبول کیا جاتا ہے تو کیا وجہہ ہے کہ روحانی پیشواؤں کی باتوں کو تسلیم نہ کیا جائے۔

جس طرح فطرت کے مادی قانون نیوٹن (Newton) اسٹیونس (Stevenson)
بیکن (Bacon) نے معلوم کئے اور دنیا نے ان پر عمل کیا ۔ اور مادی اعتبار
سے آج عروج کی انتہا پر ہے۔ اس طرح فطرت کے ان روحانی قانون کو بھی ان
روحانی پیشواؤں نے پیش کیا مگر اس طرف چند لوگوں کے سوائے باقی دنیا نہ آئی
اور اسی سبب آج تباہی اور بربادی کے آثار ہیں ۔ انسان صرف مادیت کے چکر
میں مبتلا ہے روحانیت کو بھول گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ انسان کی اس عظیم پیاس
کو بجھانے کے لئے مخصوص حیثیت سے کوششیں کی جائیں اور جب دنیا ان مادی
رہنماؤں اور ان کے شاگردوں کے بتلائے ہوئے راستے پر چل کر مادی حیثیت سے
کامیاب وکامران ہورہی ہے تو کیا وجہہ ہے کہ روحانی رہنما اور رہنمائے اعظم
حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین صحابہ تابعین
تبع تابعین آئمہ اطہار محدثین اور اولیائے کبار اور صوفیائے عظام کی تعلیم
کو اپنایا نہ جائے اور اس دنیا کو روحانیت کے نور سے منور نہ کیا جائے۔ ہر دور

مین اور ہر وقت مین کچھہ ایسے لوگ گزرے ہین جنہون نے وحدانیت کو سمجھا اور سمجھایا ہے اور یہہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایسے لوگ کسی ایک خاص فرقے یا مسلک تک ہی محدود نہین رہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ مین آر بری (Arberry) نے لکھا ہے کہ چینی فلسفی تاوسٹ (Taoist) لاوٹزے (Laotze) اور چاونگ ٹزے (Chuang-tze) ہین جنہون نے اس ملک مین صوفیانہ رنگ آمیزی کی ۔ اور مولانا رومی اسلامی ممالک مین اور ڈانٹے (Dante) اور دوسرے بڑے صوفیہ نے عیسائی ملکون مین تصوف کا تواناگایا ۔[1] چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اس لحاظ سے مسٹسزم یا تصوف ایک بین قومی تحریک ہے اور جس کے باہمی اختلافات مختلف مذاہب کی روشنی مین دیکھے جاسکتے ہین اور اس روشنی مین کہاجاسکتا ہے کہ تصوف ایک عالم گیر تحریک ہے جس کا مدار محض وحدانیت پر ہے ۔[2]

بہرحال تصوف کے متعلق یہہ کہاجاسکتا ہے کہ وہ اسقدر قدیم ہے جس قدر کہ خود انسانیت قدیم ہے۔ چنانچہ پروفیسر زیہنر (Zaehner) نے لکھا ہے کہ تصوف مذہب کے اظہار کی بلند ترین شکل ہے اور یہہ ہر زمانے مین ہر جگہہ تقریباً مشابہ شکلون مین موجود ملے گی ۔ ای۔جی براون (E.G.Browne) کے حوالہ سے آگے پروفیسر صاحب لکھتے ہین کہ مشکل سے کوئی ایسی بانجھہ زمین ہوگی جہان اس کی جڑین نہ ہون ۔[3] اور اس کی ابتداء ؟ ہم کو ہر مذہب کی ابتداء؟

کے ساتھ ملتی ہے اور جہاں افلاطون کے فلسفہ میں تصوف پایا جاتا ہے وہاں سقراط کے فلسفہ میں بھی صوفیانہ رجحانات ملتے ہیں ۔ در اصل تصوف کا مفہوم اب انگریزی زبان میں (Mysticism) یعنی سریت ہے جس میں سر چھپا ہوا ہے اور مسلمانوں میں تصوف یا (Sufism) ہے ہندو مت میں یوگ یا ویدانت ازم استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ہم یہاں اس کو تصوف ہی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۔ خواہ وہ عیسائی تصوف ہو یا یونانی یا ہندی تصوف ۔ کیونکہ یہ لفظ واضح طور پر اس مقصد کو ادا کرتا ہے جو ہم یہاں پیش کر رہے ہیں —

تصوف اور یہودیت :-

جس طرح عیسائیت میں تصوف کی باقاعدہ تاریخ ملتی ہے اس طرح یہودیت میں ہمیں اس کا ذکر زیادہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ پولوس قانون اور عقیدے کے لحاظ سے تو تصوف کا سرے سے انکار ہی کر دیا گیا ہے۔ البتہ یہودیوں کی مذہبی کتاب (Zohar) سے (جس کو باطنیوں کی انجیل بھی کہا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ۱۳ ویں صدی عیسوی میں لکھی گئی ہے) معلوم ہوتا ہے کہ توریت کی اصل روح اس کے سربستہ اور مستور مطالب ہی میں پوشیدہ ہے اور انسان کا یہ خصوصی حق ہے کہ وہ ذات الہی کا عرفان حاصل کرے۔

یونانی تصوف :-

یونان میں فلسفیوں کی زیادہ کثرت رہی ہے اور صوفیاء کے نام

کم نظر آتے ہیں ۔ البتہ جہاں اس سرزمین نے سقراط افلاطون اور ارسطو جیسے انسان پیدا کیے۔ جنہوں نے زیادہ زور عقل کی تہذیب پر دیا وہاں فلاطینوس جیسے فلسفی بھی پیدا کیے جو تصوف کے میدان کے مرد ہیں ۔ اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ افلاطون کے فلسفہ میں اگر صوفیانہ رنگ زیادہ ہے تو سقراط کے فلسفہ میں بھی اس کے عناصر نظر آتے ہیں ۔ علاوہ ازیں وہ وحدت کا پرستار بھی گزرا ہے اور افلاطون کا مشہور شاگرد ارسطو ہے جس نے آگے چل کر اپنے استاد کے نظریات سے اختلاف کیا ۔ اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ صوفیانہ عناصر کا اس کے فلسفہ میں فقدان ہے۔ مگر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کچھ نہ کچھ ضرور صوفیانہ عناصر ہم کو یہاں بھی ملتے ہیں ۔ اس کے بعد جب رومیوں نے یونانیوں کو مغلوب کیا تو اس دور کا سب سے مشہور اور بڑا صوفی فلاطینوس ہے ۔ اور فلاطینوس کا فلسفہ افلاطون ہی کے فلسفہ سے ماخوذ ہے جس میں مذہبیت کے شامل ہوجانے سے تصوف کے عناصر گہرے نظر آتے ہیں ۔ اس کے فلسفہ میں ابتدا اور انتہا خدا ہی خدا ہے یعنی اول بھی وہی ہے اور آخر بھی وہی ۔

تصوف اور عیسائیت :-

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ عیسائیت کے بنیادی عناصر کی تعمیر یونانی عقلی تصوف سے ہوئی اور یہ سقراط ۔ افلاطون ۔ فلاطینوس کے فلسفوں

پروش ہے اور فلاطینوس کے متعلق یہہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے کہ آیا یہہ خالص یونانی ہے یا اس پر ہندوستانی اثرات بھی پڑے ہیں ۔ البتــــــہ عیسائی تصوف کا بھی اصل مقصد اور منتہا " تقرب الی اللہ " ہی ہے ۔ اور دوسرے مذاہب میں جس طرح صوفیا " اور درویش سلوک کا پہلا قدم یہہ سمجھتے ہیں کہ رذائل اخلاق دور ہوں ۔ اسی طرح عیسائی صوفیا بھی اس کو پہلا قدم قرار دیتے ہیں ۔ اور ان کے ہاں آخری قدم وصال حق ہے ۔

تصوف اور بدھ مت :-

بدھ مت میں خالق کائنات کی ذات کے متعلق خاموشی ہے ۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں صوفیانہ عناصر ضرور موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ اس مذہب میں مایاکرم اور نروان کی تعلیم کا پایا جانا اور پھر خدا سے بیگانگی تعجب خیــــز معلوم ہوتی ہے ۔

سنہ ۱۹۵۶ء میں جب گوتم بدھ کی دوھزار پانچسوین (۲۵۰۰) برسی بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھہ منائی جارہی تھی اس وقت اخبارات نے ان کے متعلق خاص مضامین شائع کیے تھے ۔ چنانچہ الہ آباد کے مشہور ہندو انگریزی اخبار " لیـڈر "* کی ایک اشاعت کا اقتباس جس میں ایک بدھسٹ کا مضمون چھپا تھا حسب ذیل ہے :-

" گوتم نے اپنے " بدھ " یعنی عارف باللہ ہونے کا اعلان کیا ۔ اور

---

* اخبار لیڈر مورخہ ۲۶ ۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء | منقول از ہمارا اقدام حیدرآباد مورخہ ۸ ۔ جون سنہ ۱۹۵۶ء ۔

مورتی پوجا - بہمنت - قربانی برہمنی رسوم ورواج ذات پات کی تقسیم
کو غلط بتایا۔ انسانی مساوات - سچائی - اخلاق - نیکی اور تقوی کی
تعلیم دی - اس کے بعد ھی اھل ھند نے کثرت سے بدھ مت قبول کیا
پھر بدھ مت پھیلا - چین - جاپان - تبت اور منگولیا تک پھیل گیا
اور اکثریت کا مذھب بن گیا۔ بلکہ مصر۔ ایران اورافغانستان بھی
بدھ مت کے لوگ گئے۔ گوتم بدھ نے اپنی تعلیم میں نجات کے لئے
تپسیا اورترک دنیا کو غلط بتایا اور اس امر پر زور دیا کہ دنیا
کے کاروبار کو نیکی - اخلاق اور سچائی کے اصولوں پر انجام دے کر
انسان نجات حاصل کرسکتا ھے۔ گوتم نے بتایا کہ نیک عمل کرنے سے آدمی
مکتی یعنی نجات کا مستحق ھوتا ھے اورآوا گون (تناسخ یا باربار پیدا
ھونے اور مرنے) کے چکر سے چھٹکارا پاتا ھے" -

اس کے علاوہ اسی تفصیلی مضمون میں اس اھم وصیت اور پیش بینی کا بھی ذکر
کیا گیا ھے جو گوتم نے آخری وقت کی تھی - گوتم بدھ کی سانس اکھڑرھی تھی ان کا
عزیز اور مخلص شاگرد نندا ان کے قدموں میں بیٹھا آنسو بہا رھا تھا اس نے
پوچھا " آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا " بدھ نے جواب میں کہا
" نندا میں پہلا بدھ نہیں ھوں جو زمین پر آیا۔ نہ میں آخری بدھ ھوں -
اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بدھ آئے گا جو مقدس - منورالقلب - سراپا عمل

مبارکہ ۔ عالم کائنات انسانوں کا عدیم النظیر سردار ہوگا اور جو غیر فانی حقائق میں ظاہر کرتا رہا ہوں وہ بھی ظاہر کریگا۔ وہ ایک مکمل خالص مذہبی نظام زندگی میری طرح تبلیغ کریگا"۔ نندا نے کہا " آقا ہم اس کو کسطرح پہچانینگے"۔ بدھ نے کہا " وہ میتریا" کے نام سے موسوم ہوگا" ۔

چنانچہ اس مقالہ نگار نے بتایا کہ خود گوتم نے ہی میتریا کے معنی کو خاص طور پر واضح کیا ہے اورکہا ہے" وہ جس کا نام رحمت ہے" اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ " گوتم بدھ نے دراصل رحمۃ اللعالمین کے آنے کی بشارت مشرق میں اسی طرح دی جس طرح کہ حضرت عیسی نے مغرب میں کہا تھا کہ میرے بعد ایک رسول آئیگا جس کا نام " احمد " ہوگا " ۔

اگر اس مضمون کی صداقت کو تسلیم کرلیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ گوتم نے بھی خدا کا تصور پیش کیا تھا اور آخری نبی حضور صلعم کے آنے کی بشارت بھی دی تھی۔ کیونکہ :-

ولکل قوم ھاد (پ ۱۳ ۔ ع ۷)	اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہے۔
ولکل امۃ رسول (پ ۱۱ ۔ع ۱۰)	اور ہر امت کا ایک خاص رسول ہوا ہے۔
وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (پ ۲۲ ۔ ع ۱۵)	کوئی قوم ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) گزرا ہو ۔

اسطرح سے قرآن کریم مختلف مقامات پر اس حقیقت کو واضح کررہا ہے کہ بنی نوع انسان

کے لئے پشمسر ونڈ پر مبعوث ہوئے ہیں ۔

تصوف اور ہندو مت :-

ہندو مت میں صوفیانہ عناصر بہت قدیم ہیں اور اس میں کئی مکاتب خیال ہیں ہندو تصوف کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۱) ویدوں کا دور ۔ (۲) اپنشدوں کا دور اور (۳) بھکتی دور ۔ گو ان تینوں ادوار کا اہم موضوع یہی ہے کہ روح انسانی اور کائنات کے اتحاد کے امکان کو ثابت کیا جائے اور دراصل صوفیانہ زندگی کی حقیقی تمنا یہی یہی ہے ۔[۴]

ہندو تصوف کی خاص بات یہہ ہے کہ زندگی کے ہر دور کو ایک خاص نقطہ نظر سے متعین کیا جاتا ہے ۔ گو ہندو نظام حیات اپنی گوناگوں کثرت رکھتی ہے وہ " آستکہ " بھی ہے ۔ " ناستکہ " بھی ہے ۔ لیکن جو نظام فکر " آستکہ " ہیں ۔ ان کی خصوصیت یہہ ہے کہ وہاں فلسفہ اور تصوف ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں اور ان سب کا مقصود نظر یہہ ہے کہ انسان کو نجات کا پیغام پہنچائیں ۔ گیتا میں جو پیغام دیا گیا ہے اس کے بھی کئی پہلو ہیں ۔ ایک علم کا پہلو ۔ دوسرے عمل کا پہلو ۔ تیسرے تسلیم ورضا کا پہلو ۔ آدمی سے یہہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنا فریضہ ادا کرے اور اس فرض کے نتائج سے قطع نظر اور قطع تعلق کرلے ۔ یہہ خیال ہمیں کانٹ میں بھی ملتا ہے ۔ لیکن کانٹ کے فلسفہ میں وہ مابعد الطبیعاتی مضمرات نہیں پائے جاتے جو گیتا میں پائے جاتے

ہیں۔ گیتا میں ایسی حقیقت کا تصور پیش کیا گیا ہے جو خود مختلف روپوں میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ وہی تماشا ہے اور وہی تماشائی بھی۔ وہی قاتل ہے وہی مقتول۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ علم اپنا اظہار عمل کرتا ہے۔ ہندو تصوف کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ وہ زندگی کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ خواہ ہم اس سانچے کو پسند کریں یا نہ کریں۔ ہندی تصوف آدمی کی عمر کے ہر حصے کو ایک خاص فریضے کا حامل قرار دیتا ہے اور ابتدائے حیات سے آخر تک اس کے لئے راستہ متعین کرتا ہے۔ ہندی تصوف میں شروع ہی سے اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ حقیقت قال کا نام نہیں بلکہ وہ ایک حال ہے جو تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مشہور ہے کہ قدیم زمانے کے کسی رشی سے اس کے شاگرد نے سوال کیا کہ "حقیقت کیا ہے" رشی نے سکوت اختیار کیا۔ شاگرد نے دوبارہ پوچھا۔ رشی نے پھر بھی سکوت اختیار کیا۔ آخر میں پھر شاگرد نے پوچھا تو رشی نے کہا کہ میں تو کہہ ہی رہا ہوں اور تم سمجھ نہیں رہے ہو یعنی "حقیقت خاموش ہے"۔

ع — "اے برتر از قیاس وخیال وگمان ووہم"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ گو ہندوستان میں تصوف غیر عقلی بنیادوں پر قائم ہے۔ لیکن یہ بنیادیں ایسی نہیں جن کا عقل سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بلکہ تصوف یہاں فلسفہ ہے۔ اور فلسفہ ایک زندگی ہے جس کو ہم دین ودنیا سے

حاصل نہین کرسکتے۔ پہلے آدمی کو سب کچھہ حوالے کرنا پڑتا ہے اس کے بعد ہی حقیقت کا واسطہ اس پر کہلتا ہے۔

یہی وجہہ ہے کہ ہندستان مین تصوف محض استغراق کا نام نہین بلکہ یوگ مین تو روحانی وجسمانی دونون قسم کی خیر وفلاح کے طریقے پیش کیے جاتے ہین وہ بے عملی کا نام نہین بلکہ ایک نئی تعلیم اور نئی زندگی کا نام ہے۔ گوکہ اس کا اصل منشا نجات ہے سنسار کے دکہون اور کثـــرت کے فریب ســـــے : -

نوشته اند بر ایوان جنت الماوی ــ هرآنکه عشوه دنیا خرید وای بحاو۔

ہندو تصوف کا خلاصہ بہگوت گیتا مین اٹہارہوین ادہیائے مین ملتا ہے -

" ارجن نے کہا اے قوی بازو ہری کیش اے کیش کو قتل کرنے والے مین سنیاس اور تیاگ کی حقیقت کو الگ الگ جاننا چاہتا ہون - ہری بہگوان نے کہـــــا۔ خود غرضانہ کامون کا ترک کرنا ہی داناون کے نزدیک سنیاس ہے۔ اور اپنے اعمال کے اصلی یا پہل سے بے نیاز ہونا یا دست بردار ہونا ہی تیاگ ہے۔ کچھہ غور و فکر کرنے والے انسان کہتے ہین کہ اعمال کی برائی کو سمجھہ کر چہوڑ دینا چاہئے۔ کچھہ کا خیال ہے کہ قربانی ریاضت خیرات جیسے کامون کو ترک نہین کرنا چاہئے۔ اے بہرت خاندان مین افضل تیاگ کے متعلق میرا آخری فیصلہ سن - کیونکہ اے بہادر انسان تیاگ کی تشریح تین طریقون ســـــے

کی جاسکتی ہے۔ قربانی ۔ خیرات اور ریاضت کے کاموں کو ہرگز ترک نہ کرنا
چاہئیے۔ بلکہ ان کو کرنا ہی چاہئیے۔ خیرات اور ریاضت سے انسان پاکیزہ
ہوتا ہے۔ لیکن اے پارتھ ان کاموں کو کرتے ہوئے بھی تعلق اور معاوضہ
کو ایک طرف رکھ دینا چاہئیے۔ یہی میرا یقین اور عقیدہ ہے۔ ضروری کاموں کو
ترک کرنا مناسب نہیں ۔ کیونکہ فریب کھاکر ان کاموں کو چھوڑنا جہالت کا
تیاگ ہے۔ وہ انسان جو کسی کام کو جسمانی خوف سے تکلیف دہ کہکر ترک
کردیتا ہے اس کا یہ ترک خواہشات سے بھرے ہوئے دل دماغ کا ترک ہے۔ اور
ایسا انسان اس ترک کا کوئی اصلی یا پھل نہیں پاتا ۔ اے ارجن وہ ترک
پاکیزہ اور روحانی ترک ہے جس میں انسان ضروری کاموں کو سرانجام دیتا ہوا
تعلق اور معاوضہ سے اونچا ہوکر کہتا ہو کہ اس کام کو ضرور کرنا چاہئیے
وہ تارک جس کے خیالات پاکیزہ اور صاف ہوچکے ہیں وہ فلسفہ ہے۔ اس کے
شبہات ڈھل چکے ہیں ۔ وہ ناخوشگوار کاموں سے نفرت نہیں کرتا۔ اور خوشگوار
کاموں سے رغبت بھی نہیں رکھتا ۔ جسم کا مالک کوئی بھی انسان مکمل طور
پر اعمال کو ترک نہیں کرسکتا ۔ اور حقیقت میں وہی سچا تیاگی ہے جو اپنے
اعمال کے معاوضہ کے خیال کو بھی ترک کردیتا ہے۔ اور جو انسان تارک نہیں ہے
آئندہ زندگی میں اس کے کاموں کا معاوضہ تین قسم کا ہوتا ہے (۱) اچھا
(۲) برا (۳) ملا جلا ۔ لیکن سچے تارک کے لئے کوئی معاوضہ نہیں "۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندو تصوف میں تقریباً وہ تمام اجزا موجود ہیں جو دوسرے مذاہب کے تصوف میں جزاً جزاً پائے جاتے ہیں ۔ البتہ ہندو تصوف میں سب سے زیادہ زور وحدت وجود کے مسئلہ پر دیا جاتا ہے۔ جس کے متعلق اقبال نے کہا تھا ع وحدت کی لئے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے ۔

اسلامی تصوف اور وحدت وجود کے مسئلہ پر آگے روشنی ڈالی جائیگی ۔ ہندو تصوف میں وحدت الوجود کے زمانہ حاضرہ میں پیش کرنے والوں میں سوامی ۔ ویوکہ انند اور رابندر ناتھ ٹیگور ہیں جن کے نغمات میں ہم اس تصور کو روشن پاتے ہیں ۔ اور ٹیگور کا فلسفہ جو مغرب میں مقبول ہوا اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی شاعری میں مغرب کو ایک نئی دنیا نظر آئی ۔ جو حسن سے آراستہ یہی ہے اور نئی قسم کی کیفیات سے مالا مال یہی۔ چنانچہ ٹیگور کبیر کی طرح خدا کو ایسی جگہہ دیکھتا ہے جہان آدمی کو نظر عام طور پر نہیں پڑتی ۔ گیتانجلی میں خدا مختلف روپوں میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ مزدور کی محنت میں وہ موجود ہے غریب اور بے کس آدمی کے افلاس میں ایک معصوم لڑکی کی چال میں اور اندازوں اور کبھی دلہن کے حجاب اور شرم میں چڑیوں کی چہک میں شعلہ کی لپک میں اور پھولوں کی مہک میں ۔ غرض وہ وحدت الوجودی تصور ہے جو ہندستان کے ساتھہ مخصوص ہے اور ٹیگور کی شاعری میں مختلف شکلوں میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے خدا آدمی سے دور نہیں بلکہ

هروقت اس کے ساتھہ ہی ہے۔ وہ اس کا ظاہر وباطن ہے لیکن آدمی اس کو پہچانتا نہیں ۔ ٹیگور کا خدا کی طرف وابستہ محبت اور پریم سے بھرا ہوا ہے۔ ٹیگور کے پاس محبت کے بغیر آدمی خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ خدا ایک محبوب کی شکل میں اس کے سامنے نمودار ہوتا ہے۔ ہندستان میں سری کرشن کے ساتھہ جو تصورات وابستہ ہیں ان میں بھی یہی جزکار فرما ہے۔ یہہ محبت کی پراسرار رنگ رنگی ہے جو آدمی کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور اس کو خدا کے قریب کردیتی ہے۔ اور یہی حقیقی تصوف ہے۔ چنانچہ ہندستان کی مشہور شاعرہ اور سری کرشن کی بھگت میرابائی* کی کویتا میں یہی محبت غالب ہے۔ اسکی جھلک ٹیگور میں ملتی ہے۔ ٹیگور کی شاعری میں میران اور کبیر دونوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کبیر کا مذاہب اور فرقوں کے امتیاز سے گریز اور میران کی نسوانی محبت جو اپنی ہرچیز قربان کرنے کے لئے تیار ہے ٹیگور کے کلام کے بنیادی اجزا ہیں ۔ اور ٹیگور کا تصوف بھی بے عملی نہیں وہ سراپا عمل ہے لیکن ایسا عمل جس کا محرک پریم اور جس کا مقصود خدا ہے۔ اور غالباً ٹیگور کو یہہ چیزیں اپنے باپ سے ورثہ میں ملی نہیں ۔ کیونکہ ٹیگور کے والد خود ایک مسلمان صوفی کے بے حد معتقد تھے۔ اور تصوف کے دلدادہ تھے۔ اس سے

---

* قرون وسطی کی گجراتی اور ہندی شاعرہ اور شہزادی جس نے کرشن بھگتی کی بدولت بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں ۔

ان کا ذوق ظاہر ہے کہ انہون نے وصیت کی تہی کہ مرنے کے بعد حافظ کا دیوان ان کی قبر مین رکہا جائے ۔

بہرحال تصوف ہر دور مین ہر عہد مین ہر جگہہ اور ہر وقت رہا ہے ۔ اگر مہاراشٹر مین تکارام جیسا گیانی اور صوفی شاعر گزرا ہے تو بڈاپسٹ مین گل* بابا جیسے عالم اور صوفی گزرے ہین جن کی تصوف پر تحریرین مفتاح الغیب مین پائی جاتی ہین ۔

---

* رہنمائے دکن مورخہ ١٢ ۔ ستمبر سنہ ١٩٥٨ ع مین مضمون " ہنگری مین گل بابا کا مقبرہ " سے پتہ چلتا ہے کہ یہہ مشہور مسلمان بزرگ ۔ عالم صوفی ۔ بڑے پایہ کے شاعر اور انشا پرداز تہے اور ہنگری کے دارالحکومت بڈاپسٹ مین آجبہی ان کا مزار مشہور ہے ۔ یہہ ایک پہاڑی پر جسو کوہ گلاب کہلاتی ہے ۔ ہشت پہلو عمارت ہے اور یہہ اس دور کی یاد دلاتی ہے جب کہ ہنگری پر (سنہ ١٥٩١ تا سنہ ١٦٨١) عثمانی پرچم لہرا رہا تہا ۔ یہان پر نہ صرف مسلمان ۔ عیسائی بلکہ ہر مذہب کے لوگ کثرت سے اور احترام وعقیدہ کے ساتہہ آتے ہین اور گل بابا ہنگری کے فاتح سلیمان اعظم کے رفیق مسلمان درویش تہے ۔ انہون نے بوڈا کی جنگ مین بہی حصہ لیا تہا اور جس پہاڑی پر آج ان کا مزار ہے وہین شہید کئے گئے تہے وہ دراصل مارسیوان (ایشیائے کوچک) کے رہنے والے تہے اور سلطان محمد فاتح بایزید ۔ سلیم اول اور سلیمان القانونی کے ادوار حکومت مین جتنی جنگین ہوئین ان مین شریک رہے کیونکہ فوجون کی امامت اور ان کی اخلاقی تربیت ان کے ہی سپرد تہی ۔ وہ ایک باثر واعظ تہے ۔ ان کی اکثر تحریرین ضائع ہوچکی ہین مگر نظمون پر مشتمل ایک قلمی نسخہ " گلدستہ " محفوظ ہے ۔ انہون نے اپنی تصانیف مثالی کے قلم سے تحریر کی تہین ۔

تصوف اور اسلام :۔

اب ہم غور کرینگے کہ مسلمان صوفیہ نے تصوف کے تضمنات کو کس طرح سمجھا اور بیان کیا ہے ۔ بعض کے نزدیک تصوف اس علم کا نام ہے جس پر عمل کرنے سے باطن کی وہ صفائی نصیب ہوتی ہے جس سے انسان مقبول بارگاہ اور صاحب مقام ہوتا ہے گویا تصوف نام ہے صفائی باطن کا پابندی شرع کے ساتھ ۔[5]

انسان کامل کے دو رخ ہیں ۔ ظاہر و باطن ۔ اسی طرح دین کامل کے بھی دو رخ ہیں ۔ شریعت و طریقت ۔ اور جس طرح شریعت نام ہے ظاہر یا قالب کے احکام و اعمال کا اسی طرح طریقت یا تصوف نام ہے باطن یا قلب کے اعمال و احکام کا ۔ دوسرے الفاظ میں تصوف نام ہے باطن کی فقہ کا ۔ جس کے احکام کتاب و سنت دونوں میں اسی طرح منصوص ہیں جس طرح فقہ ظاہر کے اور جس کی اہمیت قرآن و حدیث ہی کے اشارات و تصریحات سے ثابت ہے ۔ " کما قال اللہ "

یوم لا ینفع مال ولا بنون	اس دن مال اور اولاد کام نہ آئے گی
الا من اتی اللہ بقلب سلیم[6]	مگر وہ شخص جو اللہ کے پاس
(پ ١٩ ع ٩)	سلیم قلب سے آئیگا ۔

اسی طرح حدیث مین آیا ہے کہ

الایمان فی الجسد لمضغۃ اذا اصلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب ۔ (بخـــاری)

خوب سمجھہ لوکہ بدن کے اندر ایک لوتھڑا ہے اگر وہ سنور گیـا تو سارا بدن سنور گیا اور اگر وہ بگڑگیا تو سارا بدن بگڑجاتا ہے وہ قلب ہے ـــ

اور تصوف یا نفسہ باطن کا موضوع بحث اسی قلب کا بگاڑ و سنگار ہے جس کی اصلاح سارے بدن کی اصلاح پر موقوف ہـــے ـ(۷)

بعض صوفیـاء کا خیال ہے کہ صوفی صفا سے مشتق ہے اور صوفی وہ شخص ہے جو تمام دنیاوی آلائشون سے پاک وصاف ہوگیا ہے ـ(۸)

قشیری کی رائے مین زیادہ صحیح ابو نصر السراج معلوم ہوتا ہے جس کا خیال ہے کہ صوفی کا لفظ " صوف " سے (اون) مشتق ہے ۔ کیونکہ حدیثون اور روایتون سے پتہ چلتا ہے کہ انبیـاء اولیـاء اور عابدین صوف کا لبـــاس پہنا کرتے تہے ـ(۹)

ایران مین بہی زاہدون کو اکثر پشمینہ پوش کہا جاتا تہا ۔ بعض کا خیال ہے کہ انہین صوفی اسلئے کہا جاتا تہا کہ ان کے اعمال مشابہ تہـــے " اصحاب الصفہ " کے اعمال سے ـ(۱۰) ایک مرتبہ ایک صوفی سے پوچہا گیا صوفی کون ہے تو اس نے کہا صوفی وحدانی الذات ہوتا ہے نہ اس کو کوئی قبول کرتا ہے اور نہ وہ

کسی کو قبول کرتا ہے۔

ابن خلدون کا خیال تھا کہ صوفی کا لفظ صوف سے مشتق ہے۔ مگر صرف صوف پہن لینے سے کوئی صوفی نہیں کہلاتا اس کے لئے اعمال صالحہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

ابو محمد جریری نے کہا ہے کہ

التصوف الدخول فی کل خلق سنی والخروج من کل خلق دنی	یعنی تصوف ہر نیک خصلت سے مزین ہونا اور تمام بری عادتوں سے قلب کا تخلیہ کرنا ہے۔ (۱۱)

ذوالنون مصری نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جس کا قول اور فعل ایک ہے اور جس کی خاموشی اس کی حالت کی نشاندھی کرتی ہے اور جو دنیوی تعلقات سے بالاتر وبرتر ہوگیا ہے۔ (۱۲)

جنید اور تستری کا قول ہے کہ صوفیہ وہ لوگ ہیں جو قائم بحق ہیں اس طرح کہ خدا کے سوا انہیں کوئی دوسرا نہیں جانتا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ " تصوف کا اول علم ہے اوسط عمل ہے اور آخر موہبت من اللہ "۔ بعض نے تصوف کی یوں تعریف کی ہے " دل کو صاف کرنا مخلوق کی محبت اور اخلاق طبیعیہ کا چھوڑنا اور صفات بشریہ کا مٹا دینا اور نفسانی خواہشوں سے دور رہنا اور صفات روحانی اختیار کرنا۔ علوم حقیقی کو حاصل کرنا اور جو چیز ہمیشہ کے لئے اولی ہے اسکو استعمال کرنا اور تمام امت محمدی صلعم کو نصیحت کرنا اور واسطے اللہ

کے وفا کرنا اور شریعت میں رسول اللہ صلعم کا متبع ہونا ۔[13]

بعض نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جو کدورت سے پاک اور فکر سے مملو ہے۔ خلق سے کٹ گیا ہے اور حق سے متصل ہوگیا اور جس کے نزدیک سونا ڈھیلا ریشم بال سب برابر ہیں ۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں القول فی طریق الصوفیہ کے تحت لکھا ہے :۔

ثم انی فرغت من ھذا العلوم اقبلت همتی علی الطریق الصوفیہ و علمت ان طریقهم انما تتم بعلم وعمل وکان حاصل علمهم قطع عقبات النفس والتنزہ عن اخلاقها المذمومة و صفاتها الخبیثة حتی یتوصل بهما الی تخلیة القلب عن غیر اللہ تعالی وتحلیة بذکر اللہ ۔[14]

یعنی جب میں ان علوم سے فارغ ہوکر صوفیہ کے طریقے کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم وعمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کو قطع کرنا اخلاق ذمیمہ اور صفات خبیثہ سے پاک ومنزہ ہونا ہے تاکہ اس کے ذریعہ قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الہی سے آراستہ کیا جائے۔

معروف کرخی نے تصوف کی تعریف میں فرمایا ہے :۔

التصوف الاخذ بالحقائق والیاس مما فی ایدی الخلائق ۔[15]

تصوف حقائق کی گرفت اور خلق سے مایوسی ہے ۔

حسین بن منصور نے صوفی کے متعلق فرمایا :-

وحدانی الذات لا یقبلہ احداً ولا یقبل احداً -	صوفی وحدانی الذات ہوتا ہے نہ اس کو کوئی قبول کرتا ہے اور نہ وہ کسی کو قبول کرتا ہے

اس کے بصر وبصیرت مین اللہ من حیث الظاہر اور اللہ من حیث الباطن بس جاتا ہے وہ غیر اللہ سے منقطع ہوجاتا ہے (16)

حضرت شبلی نے فرمایا ہے :-

الصوفی منقطع عن الخلق ومتصل بالحق کقولہ تعالی واصطنعتک لنفسی قطعتہ عن کل غیر ثم قال لن ترانی (17)	صوفی خلق سے منقطع اورحق سے متصل ہوتا ہے جیساکہ حق تعالی نے حضرت موسی سے فرمایا تھا - مین نے تجھ سے اپنے لئے اختیار کرلیا ہے یعنی غیر سے قطعاً منقطع کردیا ہے پھرفرمایا تو مجھے ہرگز نہین دیکھ سکتا -

ابوالحسن نوری نے فرمایا کہ :-

التصوف ترک کل حظ للنفس (18)	یعنی تصوف تمام حظوظ نفسانی یعنی تمام غیر شرعی حظوظ نفسانی کا ترک کرنا -

لواقح الانوار مین شعرانی فرماتے ہین :-

تصوف ایک ایسا علم ہے کہ وہ اولیاء کے دلون مین پیدا ہوتا ہے۔ جب ان کے دل انوار عمل قرآن وحدیث سے منور ہوجاتے ہین - لہذا جو شخص قرآن وحدیث پر عمل کرتا ہے۔ اس کو وہ علوم وآداب واسرار حقائق حاصل ہوتے ہین جن سے

انسان وجنات عاجز آتے ھین۔ نظیر اس کی یہہ ھےکہ جب علمائے ظاھر نے ان جہزون پر عمل کیاتو کیسے کیسے علوم وحقائق نصیب ھوئے۔ یعنی تصوف بندے کے ان اعمال کا خلاصہ ھےجو وہ احکام شرع کےمطابق کرتا ھےاوراس کے اعمال مین غرض یا حظوظ نفسانی کو دخل نہین ھوتا۔ (۱۹)

تصوف اور صوفی کی تعریف مین اس قسم کی بہت سی باتین مروی ھین اور تمام عبارتون کا حاصل ایک ھی ھےاوروہ فنا وبقا وایثار اور ترک ماسوی ھے۔

شیخ علی رودباری نے فرمایا:-

تنازع الناس فی الصوفی واختلفوا قدیماً وظنوہ مشتقاً من الصوف لست احل ھذا الاسم غیر فتیً صافی فصوفی الی ان لقب الصوفی۔ (۲۰)

لفظ صوفی کی تحقیق مین لوگ زمانے سے جھگڑتے ھین اوراس کو (صوف) صوف سے مشتق سمجھہ لیا ھے۔ لیکن مین صوفی کا نام اس شخص کے سوا کسی اور کے لئے پسند نہین کرتا جو صاف باطن وصاف معاملہ ھو یہانتک کہ اس کا لقب صوفی ھوجائے۔

تصوف کی بیشتر تعریفات سے پتہ چلتا ھےکہ تصوف کو اخلاق حسنہ سے تعبیر کیا گیا ھے۔ مشائخ کے نزدیک تصوف کا مقصد یہہ ھےکہ انسان خود اپنے اندر اچھے صفات پیدا کرے اور دنیاوالون کو مادی نجاستون اور آلودگیون سے صاف کرے۔ چنانچہ مشائخین سلف کی نظر مین تصوف ایک اخلاقی پروگرام رھا ھے جس مین اپنے اور دوسرون کے اخلاق کی درستگی کو زندگی کا سب سے اہم فرض

سمجھا جاتا ہے (۲۱)

اس بارہ میں حضرت محمد بن باقر بن علی السجاد بن حسین بن علی بن ابیطالب کا قول ہے :-

التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف (۲۲)

تصوف خوش اخلاق کا نام ہے یعنی جو شخص خلق میں زیادہ ہوتا ہے وہ تصوف میں بھی بڑھا چڑھا ہوگا۔

شیخ ابوالحسن کا قول ہے :-

لیس التصوف رسوماً ولا علوماً ولکنہ الاخلاق (۲۳)

تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں اخلاق کا نام ہے۔

حضرت شیخ محمد بن قصاب فرماتے ہیں :-

التصوف اخلاق کریمۃ ظہرت فی زمان کریم من رجل کریم مع قوم کریم (۲۴)

تصوف اخلاق کریمہ ہیں جو بہتر زمانے میں بہتر شخص سے بہتر قوم کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔

ابوعلی قزوینی فرماتے ہیں :-

التصوف ھو الاخلاق الرضیہ

تصوف پسندیدہ اخلاق ہیں -

ابوسہل الصعلوکی نے اس کی تعریف کی ہے :-

(التصوف) الاعراض عن الاعتراض (۲۵)

یعنی اعتراض سے بچنا -

حضرت شیخ مرتعش فرماتے ھیں :-

التصوف حسن الخلق [٢٦]   تصوف نیک خلق کا نام ھے۔

ان تمام تعریفات کا خلاصہ ایک تعریف میں حضرت شیخ الاسلام زکریا

انصاری نے کہا ھے :-

التصوف ھو علم تعرف به احوال تزکیۃ النفوس وتصفیۃ الاخلاق وتعمیر الظاھر والباطن لنیل السعادۃ الابدیہ موضوعہ التزکیہ والتصفیۃ والتعمیر وغایتہ نیل السعادۃ الابدیہ [٢٧]	تصوف وہ علم ھے جس سے تزکیہ نفوس تصفیہ اخلاق ۔ تعمیر ظاھر وباطن کے احوال کا علم ھوتا ھے تاکہ سعادت ابدی حاصل کی جاسکے اس کا موضوع بھی تزکیہ وتصفیہ اخلاق و تعمیر ظاھر وباطن ھے اور اس کی غایت و مقصد سعادت ابدی کا حاصل کرنا ھے۔

جامی کا خیال ھے کہ سب سے پہلے صوفی کا لفظ کوفی ابو ھاشم نے استعمال کیا جو سفیان ثوری کے ھمعصر تھے [٢٨]

قشیری کے خیال کے مطابق یہ لفظ سنہ ٢٠٠ ھجری سے پہلے ھی زبان پر آچکا تھا [٢٩]

السراج کا خیال ھے کہ یہ لفظ بغداد کے لوگوں کی ایجاد ھے [٣٠]

بعض کی تحقیق کی رو سے پہلا شخص جس نے لفظ صوفی استعمال کیا وہ بصرے کا جاحظ ھے جو صوفیوں کا ذکر مذھبی پیشواؤں کے ساتھ کرتا ھے

اور "الصوفیا من النسکہ " کہتا ہے۔

حسن بصری کا خیال ہے کہ تصوف عجز و انکسار سے عبارت ہے۔

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ امر الہی " لا تشرک بہ شیئاً " (خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو) نے رفتہ رفتہ اس طرف رہبری کی کہ اصل زہد ہر خود غرضانہ خواہش کے مٹانے میں ہے۔ حتی کہ جنت کی خواہش کے بھی۔ اور یہ کہ اس کا اونچا مقام خدا کی بے لوث اور بے غرض محبت ہے۔ (۳۱)

محبت الہی ۔ خدمت خلق ۔ اور تعلیم اخلاق ان ہی چیزوں کے لئے صوفیاء نے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں تاکہ اصل مقصد یعنی ارتقائے روحانی حاصل ہو سکے۔ کیونکہ ان ہی چیزوں کی اصلاح کا نتیجہ ارتقائے روحانی ہے۔

ارتقائے روحانی کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں : ۔

فی الحقیقت وہ قانون ارتقاء جو لامارک ہلیمر ابن مسکویہ اور ڈارون نے دریافت کیا ہے صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے۔ وہ کچھ نہیں بتلاتا کہ ارتقاء کی یہ زنجیر ہیکل انسانی کی کڑی تک پہنچ کر کہاں چلی جاتی ہے اور پھر ارتقاء کے منازل باقی رہتے ہیں یا نہیں ۔ لیکن وہ قانون ارتقاء جسے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا وہ بتلاتا ہے کہ بلاشبہ انسانیت کے مرتبہ تک پہنچنے کے بعد ارتقاء جسمی تو ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد ارتقاء روحانی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور جسم حیوانی کو انسان

کا ہیکل اختصار کرنے کے بعد انسان بننے کے لئے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:۔

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات واللہ بما تعملون خبیر ۔ (پ ٢٨ رکوع ٢)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن لوگوں نے علم حق حاصل کیا تو اللہ ان کے مدارج کو ترقی دیتا ہے اور ارتقاء بخشتا ہے۔ اور خدا تو تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

دراصل ایمان باللہ اور محبت الہی ارتقاء روحانی کی اصل ہیں ۔

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ ۔ (پ ٢٢ رکوع ١٤)

اس کی بارگاہ تک اچھی باتیں (کلمات طیبہ) (بلند ہوکر) پہنچتی ہیں اور اچھے کام (عمل صالح) کو وہ خود بلند فرماتا ہے۔ یعنی (عمل صالح کو وہ ارتقاء عطا کرتا ہے) ۔

اس آیت میں دو چیزیں بتائی گئی ہیں ۔ کلمۃالطیب اور عمل صالح ۔ اور انہی دونوں چیزوں پر انسانیت کی تکمیل اور ارتقاء کی اساس ہے۔ کلمۃ الطیب سے مراد اللہ پر ایمان ہے اور عمل صالح سے مراد انسان کے وہ سب کام ہیں جو صحت واصلاح عدل اور حقیقت کے مطابق ہوں اور فرمایا کہ ایمان باللہ صعود کرتا ہے اور بلند ہوتا ہے اور عمل صالح کو خدا اونچے درجوں تک لے جاتا ہے۔(٣٢)

اس گفتگو کا خلاصہ یہی ہے کہ صوفیہ کرام نے محبت الہی کو اپنا

مقصد حیات قرار دیا تھا اور خدمت خلق کو انہوں نے اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا اور اس کا صلہ ان کو ارتقائے روحانی کی شکل میں ملا اور یہہ ارتقاء روحانی انسانیت کی تکمیل تھی ۔[۳۳]

تصوف کے تضمن کے مختلف پہلووں پر روشنی ڈالنے کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ دیکھیں سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس کو کس طرح سمجھا اور سمجھایا ہے آپ کی کتابوں اور مواعظ کا غور سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تصوف کو صفا سے مشتق سمجھتے ہیں ۔[۳۴] اور فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد آٹھہ خصلتوں پر ہے۔

۱۔ سخاوت ابراہیم علیہ السلام ۲۔ رضائے اسحق علیہ السلام

۳۔ صبر ایوب علیہ السلام ۴۔ مناجات زکریا علیہ السلام

۵۔ غربت یحیی علیہ السلام یعنی دوری و تنہائی وطن سے۔

۶۔ حضرت موسی علیہ السلام کی طرح پشمینہ وصوف پوشی ۔

۷۔ سیاحت حضرت عیسی علیہ السلام کہ ہمیشہ زمین میں گشت کرتے تھے اور کوئی خاص وطن نہ رکھتے تھے۔

۸۔ فقر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ۔[۳۵]

کسی اور جگہہ آپ نے صوفی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنی ناکامی کو خدائے تعالی کا مقصد قرار دیتا ہے اور مخلوق خدا کی خدمت کرتا ہے۔

ایسا شخص موت سے پہلے ہی کامیاب ہوجاتا ہے اور مورد عنایت الہی قرار پاتا ہے ۔ (۳٦)

آپ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کو خدائے تعالی نے پاک کیا ہے۔ وہ نفس کے سارے جھگڑوں سے محفوظ رہتا ہے۔ ذمائم سے بری اور فضائل سے مزین ہوتا ہے۔ حقیق خداکی ملازمت اس کا شیوہ رہتا ہے۔ خلائق کی صحبت سے اس کے دل کو چین یا آرام نہیں ملتا ۔

آپ نے یہہ بھی فرمایا کہ تصوف خداوند تعالی کے ساتھہ صدق دل سے پیش آتا ہے اور خلق خدا کے ساتھہ اپنے خلق کو نیک کرتا ہے۔ متصوف اور صوفی کے درمیان فرق یہہ ہے کہ متصوف مبتدی ہوتا ہے اور صوفی منتہی ۔ متصوف کا وصل محبوب حقیقی کے راستے میں آغاز سفر ہے اور صوفی اس راستے کی مشقت کو جھیل کر اپنی منزل مقصود پر پہنچکر جان جانان کے وصل سے شادکام ہے صوفی ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے۔ اس نے اپنے نفس کو آتش محبت خداوند تعالی میں گلا دیا ہے اور خواہش اس سے نابود ہوگئی ہے۔ چونکہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے اس لئے اس کو صوفی کہا گیا ہے ۔ (۳۷)

وجد و ذوق ومستی کے عالم میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ

" میں دوزخ کے دروازے بند کردینا چاہتا ہوں اور ساری انسانیت کے لئے جنت کے دروازے کھول دینا چاہتا ہوں ۔ "

ہیں آپ کی عظیم تمنائیں - اب آپ اس کو حضرت کا تصوف کہئیے یا
محبت کا طور طریقہ - بہرحال کچھہ بھی کہئیے مگر یہہ حقیقت ہے کہ اس
عظیم الشان انسان کا ہاتھہ کائنات انسانی کی نبض پر تھا اور وہ ہوایک
کا بھلا چاہتاتھا ۳۸)

مختصر الفاظ میں آپ صوفی کی تعریف اسطرح کرتے ہیں :-

" صوفی وہ ہے جس نے اپنا تزکیہ کرلیا ہے اور اپنے آپ کو پاک وصاف بنالیا
ہے اور اس کا قلب اس کے اور خدا کے درمیان ایک آئینہ کی طرح ہوگیا ہے " ۳۹

آپ فرماتے ہیں کہ جب متصوف ریاضت اور شدید مجاہدوں کے بعد
صوفی ہوجاتا ہے تو اس کی حالت یہہ ہوتی ہے کہ تمام جہان کی خواہش دور ہوجاتی
ہے- اس کے سامنے ہر جہت کے دروازے کھول دئیے جاتے ہیں اور وہ واصل بہ وفائے
الہی ہوجاتا ہے- اور اس کے سامنے باب القربت کھل جاتا ہے اس کے بعد اس کا
درجہ اور بلند کیاجاتا ہے اور اس کے نصیب کا ستارہ زیادہ تر چمک اور نور
حاصل کرتا ہے- یعنی اس کا گزر خلوت گاہ خاص کی طرف ہوجاتا ہے اور وہ
کرسی توحید پر جلوہ افگن ہوتا ہے پس وہ مثل بچے کے ہے کہ نہیں کھاتا
جب تک کھلایا نہ جائے اور نہیں پہن سکتا جب تک پہنایا نہ جائے یعنی وہ خودی
سے علحدہ ہوکر خداوند تعالی کی سپردگی میں ہے- جیسے خدائے تعالی ارشاد
فرماتا ہے-

وقلبھم ذات الیمین وذات الشمال (پ ۱۵ ع ۱۵)

پھراتے ہیں ہم (اصحاب کہف) کوکروٹیں دائیں اور بائیں -

وہ خلق کے ساتھ ہے لیکن آفرینش حق میں ان سے جدا ہے۔ اور کردار واعمال اور اسرار اور ظاہر وباطن اور نیتوں میں ان سے علحدہ ہے۔ پس یہی صوفی ہے پروردگار اس کا نگہبان ہوتا ہے اور خلوت وجلوت میں اس کو دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے اور شیطان اس کو گمراہ نہیں کرسکتا اور ہوائے نفس اس پر قابو نہیں پاتی ؎[۳] چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:۔

ان عبادی لیس علیھم سلطان (اے شیطان) تجھ کو میرے خاص بندوں پر غلبہ نہیں ۔
(پ ۱۵ ع ۷)

ایک مرتبہ حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے عرض کیا ۔

" پروردگارا میں تجھ کو کہاں ڈھونڈوں "

ارشاد ہوا کہ اے موسی کون ایسا گھر ہے جس میں میں سما سکوں اور کونسا ایسا مکان ہے جو مجھ کو اٹھا سکے۔ اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ میں کہاں ہوں تو جان لو کہ میں دنیا و مافیہا کے ترک کرنے والے پارسا کے دل میں ہوں ؎[۴]

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ روحانی طور پر حضرت ابوالفرح طرطاوسی سے فیضیاب ہوئے ہیں اور تمام مشائخین قادریہ کے پاس تصوف کا اصل اصول تصفیہ قلب ہے۔ چنانچہ ان حضرات کا سارا زور تصقیل اور تصفیہ باطن پر ہے۔ کیونکہ روح میں تجلی الہی اس وقت جلوہ گر ہوسکتی ہے جبکہ وہ ماسوی اللہ سے پاک ہو ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حضرت غوث اعظم کی نسبت کی بابت لمعات میں لکھا ہے کہ حضرت اویسی نسبت رکھتے تھے اور اس نسبت کے ساتھ ساتھ نسبت سکینہ کی برکات بھی ملی ہوئی تھیں ۔

طریقہ قادریہ کے مختلف اوراد واشغال بہت کچھ خانوادہ چشتیہ کے ذکر و فکر کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں ۔ ان کے ہاں بھی ذکر جہر پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن نقشبندیہ میں ذکر خفی کیا جاتا ہے۔ پیران قادریہ سالکان راہ بیعت وامامت ہیں ۔ تمام صوفیہ خانوادوں کا مقصد دوام آگاہی کا حاصل کرنا ہے۔ اگر خانوادہ چشتیہ نے دوام آگاہی حاصل کرنے کے لئے عشق ومحبت الہی پر زور دیا تو خانوادہ سہروردیہ نے معرفت پر اور خانوادہ قادریہ نے تصفیہ قلب پر ۔ اور دوام آگاہی کو حاصل کرنے کے لئے سب ہی نے اتباع سنت نبوی کو لازم قرار دیا کیونکہ سالک کی زندگی کا مقصد اپنے قلب کو عکس جمال محبوب کے لئے آراستہ کرنا ہے جو دوام آگاہی کا باعث ہے۔ اس کے لئے اس کو چار شرطوں کی تکمیل ضروری ہے۔

(۱) آئینہ قلب کو نفسانی حیوانی اور شیطانی اثرات سے پاک وصاف کرنا۔

(۲) محبوب کی ذات وصفات وکمالات کی معرفت حاصل کرنا ۔

(۳) آئینہ قلب کو جمال محبوب کے مقابل رکھنا ۔

(۴) غیر محبوب کو قلب میں جگہ نہ دینا اور اس کی احاطت پر نظر رکھنا ۔

کان اللہ بکل شئیٍ محیطاً (پ ۵ رکوع ۱۵) اور الا انہ بکل شئیٍ محیط (پ ۲۵ رکوع ۱)

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ سلسلہ قادریہ کے مشائخ کرام نے زیادہ زور آئینہ قلب کو حیوانی ونفسانی وشیطانی آلودگیوں سے پاک کرنے پر دیا ہے اور اعلائے باطن کا تصفیہ وتصقیل اور مذموم اثرات کا ازالہ ان کے پیش نظر رہا ۔ اور مشائخ قادریہ اس امر پر متفق الرائے ہیں کہ جوہر روح عالم امر سے ہے اور اس میں قابلیت پائی جاتی ہے کہ تجلیات ربانی کی شعاعیں اس میں منعکس ہوں لیکن اس انعکاس کے مانع بھی کدورتیں ہیں ۔ جس طرح کہ آئینہ کا زنگ صورت کے انطباع سے مانع ہوتا ہے اور جب آئینہ صاف ہوجاتا ہے تو خود بخود صورت مقابل آئینہ میں منعکس ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک آئینہ کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ رکھا جائے تو جو کچھ بھی پہلے آئینہ میں ہوتا ہے دوسرے آئینہ میں آجاتا ہے بالکل یہی شکل شیخ کے دل سے سالک کے دل میں نعمت کے انعکاس کی ہے۔ چنانچہ اس مفہوم کو شیخ سعدی نے یوں ادا کیا ہے:۔

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار

زنگار خوردہ کے بنماید جمال را

اسی طرح سالک رفتہ رفتہ اس نوبت پر آجاتا ہے کہ اس کی خودی

فنا ہوجاتی ہے اور وہ

* ساکن الجوارح مطمئن الجنـــــان

مشـــروح الصدر منور الوجهـــــه

عامرالبطـــــن غنیاً عن الاشیـــا'

لخالقهـــــا * ہوجاتا ہے۔[۲۲])

(۳) تصوف اور بیرونی اثرات

۱۔ تصوف اور ایران

خیال کیا جاتا ہے کہ اسلامی تصوف دراصل خود کچھ نہیں بلکہ ایرانی تصوف سے ماخوذ ہے اور یہ دراصل ردعمل ہے آریائی دماغ کا اس سامی مذہب کے خلاف جو ان پر زبردستی تھوپا گیا تھا [1]

اس نظریہ کو پیش کرنے والے اپنی رائے کی بنیاد دو واقعات پر قرار دیتے ہیں ایک عربوں اور ایرانیوں کا تعلق دوسرے یہ کہ اسلامی تصوف کے بعد کے زمانے میں بہت سے صوفی ایران سے آئے اور پیدائش کے لحاظ سے وہ ایرانی تھے۔ تاریخی اعتبار سے یہ صحیح ہوسکتا ہے کہ ایرانیوں اور عربوں میں اس زمانے میں بھی تعلقات تھے لیکن اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی تصورات اور عقائد پر ایرانیوں کے فلسفیانہ نظریوں کا کوئی اثر پڑا ہو۔ کیونکہ ایسے ایرانی اثرات کی کوئی علامتیں واضح طور پر نظر نہیں آتیں ۔ اور جیساکہ ای۔جی ۔براؤن نے بھی واضح کیا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے کے پوشیدہ خیالات کے متعلق ہمارے جہل سے اس نظریہ کی جانچ ہمارے لئے بہت مشکل ہوجاتی ہے۔ اس کی جانچ کا تو ایک ہی محفوظ طریقہ ہے اور وہ تاریخی طریقہ ہے [2]

اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ قدیم ایرانی ثقافت کا کوئی اثر اسلام سے پہلے کی عرب ثقافت پر پڑا ہو۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس

کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اسلامی تصوف ایرانی ثقافت اور تصوف سے لیا گیا ہے۔ اور یہہ بھی کہ عباسی دور میں جو ایرانی اثرات اسلامی ثقافت پر پڑے وہ بالکلیہ سابقہ اثرات سے مختلف تھے۔

اب رہا دوسرا واقعہ کہ بہت سارے صوفیا' بعد کے زمانے میں ایران سے آئے اور وہ ایرانی نژاد تھے تو اس کے جواب میں حسب ذیل نکات قابل غور ہیں:۔

یہہ ایک حقیقت ہے کہ بعض ایرانی صوفیا' نے اسلامی تصوف پر اپنا گہرا اثر چھوڑا اور اس سلسلہ میں معروف کرخی (المتوفی ۲۰۰۔۲۰۱ ھ) اور اور ابویزید البسطامی (المتوفی ۲۶۱ ھ) اور اس طرح کے دوسرے حضرات کی گرامی شخصیت اور ان کی اثر آفرینی سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ۔ لیکن یہہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ان ایرانی حضرات کے علاوہ اور بہت سے حضرات ہیں جنہوں نے اسلامی تصوف کی ترقی اور تعمیر میں بڑا اہم حصہ لیا ہے اور وہ سب شام مصر اور عراق سے تعلق رکھتے ہیں اور ان حضرات نے جو اثر قائم کیا وہ بدرجہا زیادہ تھا اس اثر سے جو ایرانی صوفیا نے قائم کیا تھا ۔ مثال کے طور پر ابوسلیمان الدارانی (المتوفی ۲۱۵ ھ) جو عراقی عرب تھے اور واسط کے رہنے والے تھے جو کوفہ اور بصرے کے درمیان واقع ہے۔[۳] اس کے علاوہ ذوالنون مصری (المتوفی ۲۴۵ ھ) جو مصر کے بلند پایہ بزرگ تھے ۔ ان کسے والدین کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ وہ نوابا سے تعلق رکھتے تھے اور بعض کا

خیال ہے کہ وہ جعلی تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی مقدس نام اس سلسلہ میں لئے جاسکتے ہیں مثلاً حارث محاسبی (بغداد وفات ۲۴۳ھ) احمد بن ابی الحواری (دمشق وفات ۲۰۳ھ) عمر بن عثمان مکی (وفات ۲۹۱ھ) شبلی (بغداد وفات ۳۳۴ھ) وغیرہم۔ لیکن تفصیل سے بچنے کے لئے یہاں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ پھر اور بہت سے صوفیائے اسلام تصوف کی تاریخ میں بہت ہی نمایاں اور قابل تصریف مقام حاصل کیا ہے۔ ایرانی اور غیرایرانی صوفیا آپس میں ایک دوسرے کے لئے تقویت کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ بہرحال ان تمام حالات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تصوف کی ابتداء ایران سے نہیں ہوئی البتہ ایرانی صوفیاء اسلامی تصوف کی نشوونما میں اور اسلام کی عرب سے باہر اشاعت میں مددگار ضرور ثابت ہوئے۔

اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ قدیم ایرانی فکر اور اسلامی تصوف کی بعض روایتوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسلامی "فقر" یا "زہد فی الدنیا" کا تصور مشابہ ہے مانی مذہب کے رہبانیت یا رھبنتہ سے اور بھی اس قسم کی چھوٹی مماثل اور مشترکہ چیزیں مل سکتی ہیں مگر ان کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اسلامی تصوف کی ابتداء ایران سے ہوئی۔

۲۔ تصوف اور ہندستان

علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اسلامی تصوف کا اصل ماخذ ہندستانی

ثقافت اور هندستان هے۔ اس نظریہ کی تائید وہ ان مظاهر تصوف سے کرتے هین جو نظری اورعملی طور پر دونون مین عیان هین ۔[۴]

دراصل اس نظریہ کو دوسرا حصہ کہاجاسکتا هےاس نظریہ کاکہ اسلامی تصوف دراصل ردعمل تھا آریائی دماغ کا ایک سامی مذهب کےخلاف جو اس کے اوپر زبردستی تھوپا گیاتھا ۔[۵]

یہان اگرهم دیکھین کہ اسلامی ممالک اور هندستان کےتعلقات اس زمانے مین کیسےتھے تو مشکل حل هوتی معلوم هوتی هے۔یہ ایک حقیقت هےکہ اسلام اپنےابتدائی قلیل عرصہ هی مین ایک طوفان اور بجلی کی طرح تقریباً هرسمت پھیلنےلگا۔ جس طرح آن واحد مین چین پہنچا اسی طرح اموی دور مین اس نےسندھ فتح کرلیا ۔ اور یہین سےمسلمانون کےدوسرے ممالک سے تجارتی تعلقات کا آغاز هوا کیونکہ دوسری صدی هجری مین مسلمانون نے دوسرے اقوام کی کتابون سے واقفیت حاصل کرنی شروع کی اور اسی زمانہ مین هندو اور بدھی علماء کی کتابین عربی مین ترجمہ کی گئین ۔ جن مین اکثر وہ کتابین بھی شامل تھین جس مین تصوف کی عملی شکلین پیش کی گئی تھین ۔ جیسے زهد ۔ ترک دنیا اور هندو اوربدھی لوگون کی قدیم عادتین اورروایتین وغیرہ۔

اس کےعلاوہ عباسی دور کےابتداء مین تو بعض هندو اور مانوی صوفیا جو تارک الدنیا تھے عراق اوردوسرے مسلم ممالک مین داخل هوئےاورجس

طرح ہم سنتے ہیں کہ عیسائی راہبوں نے پہلی صدی ہجری میں اسلامی ممالک کے سفر کیے اسی طرح دوسری صدی ہجری میں بھی بعض راہبوں نے سفر کیے جو نہ مسلمان تھے نہ عیسائی ۔ اور جن کو جاحظ نے " زندیق " کہا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہہ لوگ مانوی زاہد تھے۔ ان جوگیوں کا اور بدھ جو گیوں کا کچھہ اثر مسلمان صوفیوں پر پڑا اور انہی لوگوں کی وجہہ سے گوتم بدھ کی زندگی کے واقعات یہاں پہنچے اور انہیں لوگوں نے گوتم بدھ کو ایک بڑے زاہد کے طور پر پیش کیا ۔

دوسرا اہم نکتہ اس سلسلہ میں یہہ بھی ہے کہ اسلام سے ایک ہزار سے بھی زائد سال قبل بدھ مت بلخ (ترکستان) میں پھیل چکا تھا ۔ یہہ وہی مقام ہے جہاں مشہور صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومی پیدا ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ بدھ مت بخارا اور دریائے اوکسس کے اس پار بھی جاچکا تھا ۔ اور وہاں کئی مندر بھی قائم ہوگئے تھے۔ چنانچہ بلخ کے مندر کافی مشہور ہیں ۔ اسی قسم کے ایک مندر کا جھنڈا تقریباً ۲۰۰ میل کے فاصلہ سے دیکھا جاسکتا تھا ۔ (٦)

اسلام کے ابتدائی سالوں میں بلخ اور اوس کے قرب وجوار کے علاقے تصوف کے مراکز رہے اور خراسان کے صوفیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ آزادی وبلند پروازی خیال اور فنافی اللہ کے نظریہ میں دوسرے صوفیا سے آگے تھے اور نظریہ فنافی اللہ جو ایک حد تک ہندوستانی فلسفہ سے لیا گیا ہے اور زیادہ تر اس زمانے میں

خراسانی صوفیا یعنی ابو یزید بسطامی اور ابوسعید ابوالخیر وغیرہ کی وجہہ سے شہرت پاگیا ۔ صوفیاء عموماً اشتغال بالحق کے واسطہ پرگامزن ہوتے ہیں جیساکہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ابو یزید بسطامی سے پوچھاگیا ۔ کیا پایا اور کس سے پایا تو انہوں نے جواب دیا ۔ میں اپنے نفس سے اس طرح باہر نکل آیا جس طرح سانپ کیچلی سے باہر نکل آتا ہے۔ پھر میں نے اپنے آپ کو دیکھا تو پایا کہ میں تو خود وہی ہوں جو وہ ہے ۔[4]

ابو یزید بسطامی کے اس واقعہ کے بعد ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں گولڈ زیہر کا خیال ہے کہ دوسری صدی ہجری کے صوفیا ہی نے گوتم بدھ کی کہانی کو اہمیت دی اور اس کو خاص شکل وصورت میں پیش کیا ۔ یہ تصور صحیح ہو یا نہو اس سے بحث نہیں ۔ اس کے علاوہ گولڈ زیہر فان کریمر اور نکلسن کا خیال ہے کہ جہاں اسلامی تصوف بدھ اور ہندی الوات کے زیر اثر زیادہ قوی اور گہرا رنگ اختیار کرگیا وہاں یہہ بھی ہے کہ ان کے کچھہ نظریاتی اور عملیاتی عناصر اس میں بھی داخل ہوئے اور غالباً نظریہ فنا٫ نفس ہندستان ہی سے لیاگیا ہے۔

فان کریمر کاخیال ہے کہ " خرقہ " (جو خاص لباس صوفی پہنتے ہیں) " ذکر " اور " تسبیح " کی اصل ہندستانی ہی ہے اور پروفیسر مار سینیون کا بھی یہی خیال ہے کہ ذکر دراصل ہندو تصوف ہی سے ماخوذ ہے۔

اس طرح بولیسسر براون کا خیال ہے کہ ظاہری مشابہت کی بنا' پر ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیا' کے مسلک اور ہندوون کے "ویدانتا سارا"* مین بڑی حد تک یکسانیت اور مشابہت ہے ۔[8]

براون کا یہہ خیال بہی ہے کہ یہہ مشابہت مبالغہ کے ہا وجود زیادہ تر سطحی ہے نہ کہ اصلی اور اساسی بنیادون پر ۔[9] اور

فان کریمر کا خیال ہے کہ صوفیون کی کئی چیزین ہندوستانی اثرات سے متاثر ہین ۔[10] مثلاً مختلف گروہ اور قبیلون مین تقسیم ۔ مراقبہ کے لئے ان کا خاص جگہون اور معبدون مین جمع ہونا ۔ ان کا ایک جگہہ سے دوسری

---

* (" ویدانتاسارا" دراصل ہندوون کی ایک قدیم مشہور خانقاہ اور ویدرسم کا نام ہے اس نام کی اصل ویدا ہے جو ایک مقدس آریائی کتاب کا نام ہے جو سنسکرت مین لکہی گئی تہی ۔ ویدا کے معنی ہین مذہب کے واسطے سے حق کی معرفت اور اسطرح ویدانتا کے معنی ہوئے ویدا کی تکمیل۔ ویدا کتاب مین وہ تمام مذہبی دعائین اور گیت اور سحر وکہانت کی وہ ترکیبین ہین جو اس زمانے مین رائج تہین ۔ ویدانتا خانقاہ کی ابتدا' پانچوین صدی عیسوی سے ہوتی ہے۔ یہان پر ویدا کی تفسیر کا کام کیا جاتا تہا ۔ اور وہ بہی خالص برہمنی اصولون پر یہہ تشریحات ہوتی تہین۔ اس کا اصل اصول بہی وحدت الوجود کا مسئلہ تہا۔ اور برہما کی قدرت اور ربوبیت کاملہ کا اعتراف بہی اس کے بنیادی اصولون مین داخل ہے۔ اس مسلک کے لحاظ سے نجات اور نیکی کا راستہ یہہ نہین ہے کہ آدمی عبادت اور ریاضت مین اپنی ساری زندگی گزارے بلکہ اس کے لئے یہہ بہی ضروری ہے کہ وہ ہرچیز مین برہما کا جلوہ دیکہے اور ہرچیز کو برہما کا ہی عکس اور پرتو سمجہے۔)

جگہہ جاتا - یہہ سب ہندستانیوں کی ہی نقل ہیں - البتہ بہت سی مشابہ چیزوں میں سے ایک مشابہ چیز بدھ کے ہیوں ویدانتیوں اور صوفیوں میں وہ مختلف مقامات ہیں جو سالک یا مرید کے لئے فنا کے مقام تک پہنچنے کے لئے لازمی ہیں -

ان اعتراضات کا تفصیلی جواب آگے قرآن اور حدیث سے دیا جائیگا۔ یہاں صرف یہہ کہنا کافی ہے کہ اسلامی تصوف کی بنا قرآن اورحدیث ہے۔ اور ان کا سرسری مطالعہ یہہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ

ذکـــر ، فکـــر ، مراقبـــہ

غرض ہرچیز کی اصل قرآن سے ہے۔

۳ - تصوف اورعیسائیت

جہاں بعض مستشرقین کا یہہ خیال ہے کہ اسلامی تصوف متاثر ہے ہندی اورایرانی تصوف سے وہاں بعض کا یہہ بھی خیال ہے کہ اسلامی تصوف یااسلام کی حیات روحیہ کا ماخذ عیسائیت ہے۔ اس کی بنیاد ان کی رائے میں وہ تعلقات ہیں جو عربوں* اور عیسائیوں میں اسلام سے پہلے قائم تھے۔ اپنے دلائل میں یہہ حضرات ان مشابہتوں کو پیش کرتے ہیں

---

* (جاہل عرب زیادہ تر عیسائی تھے اوران عرب عیسائیوں کی بہت بڑی جماعت دنیا سے بیزار اورالگ تھلگ تھی - یہی وہ لوگ تھے جو راہب اورقسیسین کہلاتے تھے) -

جوان دونون مذاهب کے صوفیون میں پائی جاتی ھین - مثلاً یہہ کہ دنیا سے علحدگی -[11]

تصوف کے بنیادی اصول ریاضت یا نفس کشی، عبادت، دعا یہہ تمام چیزین حضرت عیسی علیہ السلام اوران کے متبع احبار ورھبان کی طرز فکر اورطریقہ زندگی سے ملتی جلتی ھین اور اس نظریہ کے حامی حسب ذیل حضرات رھے ھین -

فان کرامر - گولڈ زیھر - نول ڈکہ - نکلسن - ونسک - آندریے - اولیری -[12]

ان حضرات کے خیالات کا خلاصہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ھے :-

فان کرامر مسلمان صوفیا؁ کے اقوال کے مطالعہ کی روشنی میں کہتا ھے کہ ان میں سے اکثر اقوال نہ صرف اصلاً عیسائی ھین بلکہ ان سے وہ انوات بھی متوضح ھوتے ھین جو قبل اسلام کے عرب پیشوایان مذھب پر پڑے -

گولڈ زیھر کہتا ھے کہ سادگی اور فقر - ایثار وقناعت جو اسلامی تصوف کی ممتاز خصوصیات ھین اس کا ماخذ عیسائیت کی تعلیم میں ملتا ھے -

نول ڈکہ کی رائے ھے کہ صوف یا اون کے کپڑے پہننا بھی عیسائیون سے لیا گیا ھے کیونکہ قدیم عیسائی پجاری اسی قسم کے کپڑے پہنتے تھے - اور بعد میں مسلمان صوفیا نے یہہ کپڑے پہننے شروع کئے -

اسکے علاوہ مسلمان صوفیا؁ نے مراقبہ اور ذکر کے جو مشاغل ایجاد کئے ھین یا عمل میں لائے ھین وہ بھی نصرانیت سے لئے گئے ھین -[13]

نکلسن کہتا ہے کہ زہد وروحانیت کے جن رجحانات کا میں نے ذکر کیا ہے وہ سب عیسائی اثرات کا نتیجہ ہیں - چنانچہ حضرت عیسیٰ کی اکثر تعلیمات اور انجیل کے اکثر نکات قدیم صوفیا کی سوانح عمریوں میں عملاً ملتے ہیں - اور اکثر آوارہ مسلمان زاہدوں کے رہبر اور استاد عیسائی راہب دیکھے گئے ہیں - اور صمت - ذکر - اذکار اور دوسری زاہدانہ مشقتوں کا منبع بھی ذ واقع ہیں -[۱۴]
اسکے علاوہ حب الٰہی کا جذبہ بھی عیسائیت کی تعلیم کا نتیجہ ہے - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ تین عابدوں کے پاس سے گزرے جو بہت نحیف اور زرد پڑگئے تھے - حضرت عیسیٰ نے ان سے پوچھا تم کون ہو اور تمہاری یہہ حالت کیسے ہوگی ہے - انہوں نے کہا ہم عابد وزاہد ہیں آگ کے خوف نے ہم کو ایسا کردیا ہے - حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اس کی پیدا کی ہوئی ایک چیز سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کو بچائے جو اس سے ڈرتے ہوں - اس کے بعد حضرت عیسیٰ کا گزر دوسرے تین زاہدوں پر ہوا جو اور زیادہ نحیف اور زرد پڑگئے تھے - حضرت عیسیٰ نے پوچھا " کس چیز نے تم کو ایسا بنادیا ہے " ان لوگوں نے جواب دیا جنت کی تمنا نے - حضرت عیسیٰ نے کہا " تم خدا کی پیدا کی ہوئی ایک چیز پر مرتے ہو اور خدا پر یہہ حق ہے کہ وہ تم کو وہ دے جس کی تم تمنا کرتے ہو " - اس کے بعد حضرت عیسیٰ کا گزر ان لوگوں پر ہوا جو عبادت وریاضت کی وجہہ سے نہایت

نحیف اور کمزور ہوگئے تھے۔ مگر ان کے چہرے آئینہ کی طرح روشن تھے۔ انہوں نے پوچھا یہہ حالت تم نے کس وجہہ سے بنا رکھی ہے۔ انہوں نے جواب دیا " خدا کی محبت کے لئے ہم اللہ کے محب ہیں " آپ نے فرمایا کہ " تم حق تعالی سے سب سے زیادہ قریب ہو [15] تم خدا کے سچے دوست ہو۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے ہی ساتھہ رہوں اور یودیا شناختیار کروں"۔ پھر حضرت عیسی ان حضرات کے ساتھہ ضم ہوگئے [16]

عیسائی اثرات کے سلسلہ میں صوفیوں کا ایک اہم مکتب خیال پکتھلس سلسلہ کا ذکر کرتے ہوئے جان کنگسلے برج کہتا ہے کہ

" عیسائیت کے بارے میں یہہ کہنا آسان نہیں ہے کہ دوسروں کا انحصار بھی اس پر ہے اکثر حالات میں جہاں تشابہہ نہایت قریبی نظر آتا ہے ہوسکتا ہے کہ اس کا مبداء کوئی دوسری شئے ہو۔ تاہم اس تشابہہ کو اس لئے باقی رکھا گیا ہوکہ عیسائی اس طرف منجذب ہوں اور اس سلسلہ کو مانوس پائیں [17]

مستشرقین کی ان قیاس آرائیوں کے سلسلے میں ان حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے۔ مسلمان صوفیوں کے لباس صوف یا دوسرے بنیادی اصولوں اور عبادت اور دعا کی عیسائی رہبان سے مشابہت یا حب الہی رکھنے والے قبیلہ کی موجودگی اور بجاریوں کے طرز زندگی سے مشابہت یا حضرت عیسی کے اقوال حب الہی کے متعلق جو کچھہ بھی نکلسن نے اپنی کتاب " صوفیائے اسلام"

مین پیش کیا هے ان تعلیم جمزون کی موجودگی اس بات کو واضح کرنے کے لئے هرگز کافی نہین هے کہ اسلامی تصوف کا ماخذ عیسائیت هے۔

اس سلسلہ مین قرآن اور احادیث نبوی کی اساس پر هم آگے بحث کرینگے لیکن یہان صرف عرب کے خاص حالات پر نظر ڈالینگے۔ یہہ ایک حقیقت هے کہ جزیرہ نمائے عرب ایک ریگستانی علاقہ هے اوریہان شادابی کا نام ونشان نہین ان حالات کی بنا' پر عرب مجبور تہے کہ وہ ایسی فقیرانہ اور سادہ زندگی گزارین جو دنیاوی عیش ولذات سے خالی هو اور ان صوفیا' کی زندگی سے مشابہ هو جو تارک الدنیا تہے۔ اس کے علاوہ اپنے خصوص حالات کی بنا' پر وہ زخارف دنیوی سے نہ صرف آشنا نہین تہے بلکہ اس کی اهمیت بہی ان کی نظر مین نہین تہی ۱۸)

نکلسن کے جواب مین هم قرآن کو پیش کرکے کہتے هین کہ زهد وتقوی ترک دنیائے مذموم - فقر - ریاضت ونفس کشی - طہارت قلب - رضا و تفویض - لطف ولینت - خوف تحویل - ذکر ومراقبہ - ان سب کی تعلیم نہایت واضح اور بہترین طور پر مسلمانون کو قرآن عظیم نے دی هے۔ ان کے رسول نے عملاً دی هے۔ وہ کسی غیر کے اس معاملہ مین محتاج نہ تہے - اور نہ انہین کسی غیر کی هدایت کی ضرورت هی تہی - چنانچہ دنیا کے متعلق قرآن کہتا هے:-

اعلموا انما الحیوٰۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ و تفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفراً ثم یکون حطاماً وفی الاخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور۔
(پ ۲۷ ع ۱۸)

خوب جان لوکہ دنیوی حیات محض لہو ولعب ہے۔ اور زینت اور آپس مین ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد مین ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا بارش کی طرح ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکار کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہوجاتی ہے اور وہ اس کو زرد دیکھتا ہے۔ پھر وہ چورا چور ہوجاتی ہے اور آخرت مین عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکے کی پونجی ہے۔

اور آگے قرآن فرماتا ہے :-

یا ایھا الناس ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیوٰۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور۔
(پ ۲۲ ـ ع ۱۳)

اے لوگو اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیاوی زندگی تم کو دھوکے مین ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکے مین ڈالدے۔

اسکے علاوہ قرآن کریم فقیر یا مسکین کی تعریف کرتا ہے -

تعرفھم بسیمٰھم لا یسئلون الناس الحافاً -
(پ ۳ ع ۵)

تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو وہ لوگون سے لپٹ کر مانگتے نہین پھرتے۔

اور کہتــــــــا ھے

للفقــراء المھجرین الذین
اخرجوا من دیارھم واموالھم
یبتغون فضــلاً من اللــــہ و
رضواناً و ینصــرون اللـــہ و
رسولــہ اولـٰئک ھم الصدقون ۔
(پ ۲۸ ع ۴)

اوران حاجت مند مہاجرین کا حق ھے
جو اپنے گھروں سے اوراپنے مالوں سے
جدا کردئیے گئے وہ اللــہ تعالی کے فضل
اور رضامندی کے طالب ھین اور وہ
اللــہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے
ھین اور یہی لوگ سچے ھین ۔

اورنکلسن کے اس بیان کے متعلق کہ خاموشی ۔ ذکر اور دوسری زاھدانہ مشقتین سب عیسائیت ھی سے لی گئی ھین ۔[19] ھم حسب ذیل حقائق پیش پیش کرتے ھین ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاموشی کو جو تمام دن کے لئے ھو ممنوع قرار دیا ۔ آپ نے فرمایا " یہہ خاموشی مشابہ تھی قبل اسلام کے خاموش واھیون سے ۔ مگر اسلام نے ھمین خدا کو یاد کرنے کی تاکید کی ھے "۔ چنانچہ اس سلسلہ مین کئی آیات واحادیث وارد ھین ۔ جن کا تفصیلی ذکر تو آگے " ذکر" کے بیان مین آئیگا ۔ ان مین سے بعض کا یہان ذکر کرتے ھین ۔

فاذکرونی اذ کــــرکم
(پ ۲ ع ۲)

مجھہ کو یاد کرو مین تم کو
یاد کرونگا ۔

اور آگے فرماتا ہے :-

یا ایہاالذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً - وسبحوہ بکرۃً واصیلاً - ہوالذی یصلی علیکم وملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور - وکان بالمومنین رحیماً - (پ ۲۲ ع ۳)	اے ایمان والو- تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اورصبح وشام اسکی تسبیح کرتے رہو - وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالی تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے اور اللہ مومنین پر بہت مہربان ہے-

ان تمام واقعات وحقائق کی روشنی میں یہہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی تصوف کی بنیاد اسلام ہی پر ہے- لیکن مرورزمان کی وجہہ سے اقوام کے باہمی تعلقات کی بنا پر اور عقائد کے اختلاط کی وجہہ سے کچھہ عیسائی عناصر بہی اسلامی تصوف میں داخل ہوگئے اوراس کی بناء پر بعض مستشرقین کو یہہ خیال ہوا کہ اسلامی تصوف نے اپنے اصول اور ضوابط عیسائی مذہب سے لئے ہیں مگر حقیقت میں تو مسلمان صوفیاء کا پہلا اور اصلی ماخذ قرآن حکیم تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہہ وسلم کا طرز زندگی اور ان کے چاروں خلفاء اور اصحاب الصفہ* ہیں -[20] البتہ بعد میں تعلقات

---

* (اصحاب الصفہ کے متعلق ابوالفدا بیان کرتے ہیں کہ یہہ عبادت گزاروں کی ایک جماعت تہی جو مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کے ایک چہوترے پرمقیم تہی- یہہ لوگ اپنا سارا وقت عبادت اور یاد الہی میں گزارتے اورقطعاً حضور صلعم کے اسوہ حسنہ پرچلتے- ان میں سے اکثر کو حضور اپنے ساتہہ کہانے پہلاتے اور اکثر کو صحابہ اپنے ساتہہ کہاتا کہلاتے- یہہ لوگ عیش وعشرت سے بالکل بے خبر تہے) -

کی وسعت کی بنا پر کچھ بیرونی اثرات بھی داخل ہوئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اسلامی تصوف کی ابتدا اسلام سے نہیں ہوئی بلکہ وہ عیسائیت یا کسی اور مذہب سے مستنبط ہے۔

ظالم آن قومی که چشمان دوختند
وزسخن ها عالمی را سوختند

۳۔ تصوف اور اشراقیت یا فلاطونیت جدیدہ

ہوسکتا ہے کہ قدیم ثقافت کے مذہبی اورفلسفیانہ خیالات نے مسلمانوں کی فکر کو ایک حد تک متاثر کیا ہو اور عام طور پر یونانی فلسفہ کے اثرات اور خاص طور پر افلاطونیت جدیدہ کے اثرات بہت قوی رہے ہوں اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا کے ذہن ودماغ پر علوم اور روایات پر خیالات اور افکار پر یونان کے علوم فلسفے اورتصوف نے گہرا اثر ڈالا ہے۔[۱] (۲)
اور سکندر اعظم کے وقت سے یونانی ثقافت کا اثر مشرق پر نمایاں طور پر رہا ہے۔ اور مسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے۔ کیونکہ اس وقت تک مسلمان اپنی ثقافت کے ساتھ دنیا پر چھا نہیں گئے تھے۔ اگر چہ انہوں نے اپنی تہذیب وثقافت سے قوموں کو متاثر کرنا شروع کردیا تھا - لیکن مسلمانوں نے دوسروں کی اچھی اور معقول چیزوں کو قبول کرنے سے کبھی پس وپیش نہیں کیا - اموی دور کے اختتام اورعباسی دور کے آغاز پر ہم بہت سے غیر سامی

مذہبی اور دینی رجحانات پائے ہیں -

نئے فلسفیانہ خیالات - نئے مذہبی عقائد - سائینسی تحقیقات - یہہ سب اس دور کی نمایاں خصوصیات ہیں - اس کے نتیجہ کے طور پر اس دور میں ہم اسلامی روحانی زندگی میں ایک قسم کا ہیجان پاتے ہیں - اب غور کرنا یہہ ہے کہ یونانی اثرات اسلامی تصوف پر کس حد تک پڑے -

تصوف یا علم باطن ایک آئینہ کی طرح ہے جو اسلامی روحانی زندگی کو منعکس کرتا ہے - دنیوی اور مادی ترقی نے اسلامی تصوف کی ترقی میں کس قسم سے مدد نہیں کی - ان دونوں میں اسلامی روحانی زندگی کی مشقیں کہ زاہدانہ زندگی - سادگی - گناہوں سے بچنا ہی نہیں تھا بلکہ ایک باضابطہ زندگی بسر کرنا بھی تھا اور یہہ وہ لوگ بھی کر رہے تھے جو دنیاوی حیثیت سے مالدار تھے - اور وہ نہ صرف اس تصوف سے واقف تھے بلکہ دوسرے فلسفیانہ اور غیر فلسفیانہ خیالات سے بھی متاثر تھے جو ان کے خیالات سے تشابہ رکھتے تھے اور ان کا مقصد علم باطن یا روحانی نظام کو بلندی پر لیجانا تھا -

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہہ دیکھیں کہ عربوں اور یونانی ثقافت میں باہمی ربط کیا رہا ہے -

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم عرب میں دو اہم عیسائی فرقے آباد تھے - نسطوریہ اور یعقوبیہ - نسطوری حیرہ میں آباد تھے اور یعقوبی غسان اور

شام مین - ان عیسائی قبیلون پر یونانی اثرات ضرور طاری تھے۔ وہ چاہتے تھے
کہ ان کے مذہبی عقائد بت پرستون کے مقابلہ مین محفوظ رہین -(۲۲) اور ان
کی اس مدافعت اورمقابلہ کی تائید مین فلسفہ موجود تھا جو منطقی دلائل
سے ان کے افکار کا ثبوت مہیا کرتا تھا۔ نسطوریون مین سب سے پہلے سریان
نے فلسفہ مین درک حاصل کیا اور یہہ دراصل یونانی فلسفہ تھا جو ان
کی زبان سے عربی زبان مین منتقل ہوا۔ لیکن یہہ فلسفہ ارسطو کے فلسفہ
کی طرح عقلی اور نظری نہین تھا۔ ارسطو کے فلسفہ ہی سے ابن سینا۔
فارابی - کندی بہت متاثر ہوئے تھے۔ جو مسلمانون مین نمایان مقام رکھتے تھے۔
یہہ فلسفہ ذرا مختلف شکل رکھتا تھا یعنی یہہ نہ خالص مذہب تھا نہ خالص
فلسفہ - بلکہ ایک قسم کا مرکب تھا جس مین عقلی اورالہامی دونون عناصر
کی ہم آہنگی تھی - اوراس کو "افلاطونیت جدیدہ " کے نام سے پیش کیا گیا -
اور کہاجاسکتا ہے کہ ذہنی اور روحانی لحاظ سے اس مین یونانی فلسفہ
کا اثر بڑی حدتک تھا اور جس طرح مسلمان فلسفی ارسطو سے متاثر ہوئے
اسی طرح مسلمان صوفیا" فلاطینوس سے بہی متاثر ہوئے۔ چنانچہ نکلسن کہتا
ہے کہ مسلمانون کے فلسفے مین نمایان مقام افلاطون کو نہین بلکہ ارسطو کو
حاصل ہے اور بہت کم مسلمان فلاطینوس سے واقف ہین جس کو اکثر لوگ
" الشیخ الیونانی " کہتے تھے۔ لیکن جب سے عربون نے ارسطو کی پہلی

تعلیمات اس کے جدید افلاطونی مفسرون سے حاصل کین تو وہ نظام جن سے

وہ زیادہ گہرے طور پر متاثر ہوئے وہ فرفریوس اور پراکلس کے تہے لہذا وہ

نام نہاد ارسطو کی دینیات یا الٰہیسات جس کا ایک عربی ترجمہ انیسوین صدی

مین ہوا دراصل افلاطونیت جدیدہ کا کارنامہ ہے [۲۳]

اگرچہ کہ یہہ صحیح ہے کہ مسلمان فلاطینوس کی شخصیت سے زیادہ طور

پر واقف نہ تہے مگر وہ اس کے فلسفے کو ضرور جانتے تہے۔ اس کے علاوہ اس کے فلسفے

کو شروع مین ارسطو کے فلسفے کے نام سے پیش کیا گیا تہا اس کی وجہہ یہہ ہوئی

کہ حمص کے ابن نعیمہ عبدالمسیح نے جب افلاطون کی کتابون کا عربی مین

ترجمہ کیا تو اس کو اس نے ارسطو کے ساتہہ ملا دیا۔ جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ

مسلمان فلاطینوس کے فلسفے سے تو واقف ہوئے مگر اس کو انہون نے ارسطو ہی

کا مسلک سمجہا ۔ فلاطینوس کا ذکر کرتے ہوئے شہرستانی بہی اسکو " الشیخ الیونانی "

کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ہرانی اور کچہہ عیسائی اور کچہہ مسلمان قبیلون نے

افلاطونی خیالات کا مطالعہ کیا جو فیثاغورث کے فلسفہ سے مل گئے تہے۔ اس

کے ساتہہ ہی انہون نے رواقیہ کے افلاطونیت جدیدہ کا بہی مطالعہ کیا ۔

چنانچہ اس فلسفہ مین صوفیا" کو ان کی روحانی اور وجدانی زندگی کے لئے

تشفی بخش مواد ملا ۔

مجموعہ فلسفہ ارسطو افلاطونیت (Etolocya of Aristotle)

جدیدہ کو پیش کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ حقیقت اعلیٰ تک رسائی فکر اور عقل کے ذریعہ ہی سے نہیں ہوسکتی - اس کے لئے مشاہدہ اور حضور نفس بھی ضروری ہے -[24] اور ساتھ ہی اپنی شخصیت کی نفی ہو اور آدمی اس حسی دنیا سے تعلق توڑ دے -

جان کنگسلی برگ اپنی کتاب " دی بکتشی آرڈر آف درویشس " میں کہتا ہے کہ " تصوف کا فلسفہ جو بکتشی سلسلہ میں بالعموم طور پر اسلام میں ہے وہ بڑی حد تک افلاطونیت جدیدہ کا ورثہ ہے -[25]

افلاطونی مذہب بھی موجودات میں صرف ایک ہستی کو کار فرما مانتا ہے اور وہ خدا کی ہستی ہے - لیکن موجودات میں تسلسل کا بھی قائل ہے جو ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہیں -[26]

" عقل کل " - " نفس کل " - " نفوس جزیہ " - " روح کلی " یہ سب فلاطینوس کے نظریہ سے ماخوذ ہیں - اس کے علاوہ وجود مطلق کے تین اشراق ہیں (۱) عقل (۲) روح (۳) مادہ -[27]

یہ مانتے ہوئے بھی کہ یونانی فلسفے اور افلاطونیت جدیدہ کا اسلام پر بڑا بھی یقین کرنا مشکل ہے کہ تصوف کی ابتدا تک یہ اثر باقی رہا - کیونکہ اسلام کے شروع میں روحانی زندگی " زہد وتقوی " کی زندگی تھی جس میں معصیتوں سے اجتناب اور تقوی وطہارت کا التزام تھا اور یہ بھی کی

سائینٹفک اورترقی یافتہ شکل سے بالکل مختلف تھی۔ اس سے پتہ چلتا ھے کہ شروع کے مسلمان زھاد اور عباد یونانی فلسفے سے واقف نہ تھے اور اگر واقف بھی تھے تو وہ اس کو اپنے خیالات سے ملانا نہیں چاھتے تھے۔ یا یہہ ھوسکتا ھے کہ وہ ان خیالات کو اپنے فلسفے سے ہم آھنگ کرنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے یہہ ثابت ھواکہ پہلے مسلمان زاھدوں کے عمل اورخیالات واقعی طور پرخالص اسلامی تھے البتہ بعد میں حقیقی معرفت رکھنے والوں نے تصوف کو ترقی دی اور اس کو مذھب اسلام کے روحانی فلسفے کی شکل بخشی ۔ انھی کی کتابوں میں ہم فلسفیانہ اصطلاحات پاتے ھیں ۔ جس میں قابل ذکر شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابیں " الفتوحات المکیہ " اور " فصوص الحکم " ھیں ۔ جن کے متعلق کہاجاتاھے کہ یہہ تصوف میں معرکۃ الآرا تصانیف ھیں اور ان میں تصوف اورفلسفہ کے مسائل مہمہ کی عقدہ کشائیاں کی گی ھیں [۲۸]

اور شیخ شہاب الدین جن کو شیخ مقتول بھی کہاجاتاھے ان کی ساری کتابیں اورخاص کر ان کی مشہور کتاب " حکمۃ الاشراق " اور" ھیاکل النور" اس کے علاوہ عرمن الفرید کا دیوان اور عفیف الدین طلمسانی کی نظمیں اور نجم الدین اسرائیلی کی کتابیں اور عبدالحق بن سبعین کے رسالے اور مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی اس کی عظیم مثالیں ھیں ۔

ان شہادتوں کی بنا؟ پر ہم یہہ یقین کرنے پر مجبور ھیں کہ عباسیوں

کے عظیم دورهی مین مسلمان فلسفی یونانی فلسفے سے واقف هوئے جهکسه عربی تراجم هوئے اور یہی وہ وقت تها جب مختلف قسم کے سوالات مثلاً خدا۔ رسول اور خلق وغیرہ کے متعلق اٹهائے گئے اور اسلامی دنیا مین فلسفیانہ مسائل پهیل گئے اور یہہ غالباً یونانی فلسفہ کو خاص کر افلاطونیت جدیدہ کو لئے هوئے تهے تاکہ ان سے اپنے فلسفیانہ خیالات کی تائید حاصل کی جاسکے۔ چنانچہ آر۔ اے۔ نکلسن کہتا هے کہ افلاطونیت جدیدہ نے اسلام مین وهی صوفیانہ عناصر انڈیلے جن مین مماثلت پہلے سے تو تهی [۲۹]

لیکن یہہ بهی یاد رکهنا چاهئے کہ عباسی دور مین عباسیون نے اور اسلامی دنیا نے پہلے هی سے هندستان اور هندستانی ثقافت سے تعلقات قائم کر رکهے تهے اور هم جانتے هین کہ یہہ تعلقات یونانی اور عیسائی دنیا کے مقابلہ مین زیادہ قریبی تهے۔ ان حالات مین یہہ تصور کہ اسلامی تصوف کا ماخذ یا منبع یونانی تصوف هے چهٹی صدی هجری کے بعد قبول کیا جاسکتا هے۔ یہہ زمانہ اسلام کے عباسی خلفاء کا هے اور یہ بارهوین صدی عیسوی کا هے اور وہ مصنفین اور مولفین جن کی کتابون کا هم نے اوپر ذکر کیا هے وہ اسی زمانے مین گزرے هین ۔ هم یہہ نہین کہتے کہ اسلامی تصوف پر یونانی اثرات هی نہین بلکہ هم یہہ واضح کرنا چاهتے هین کہ پہلی پانچ صدیون تک اسلام اور صرف اسلام هی اسلامی تصوف کی ترقی کا ماخذ و منبع تها ۔ وہ الہمیاتی تصوف جس کا ذکر نکلسن نے کیا هے [۳۰]

اس کو ہم ہلکی شکل میں ذوالنون مصری (وفات سنہ ۲۴۵ ھ) کی تحریروں میں پاتے ہیں ۔ اس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں اس تصوف کا خاص طور پر مطالعہ کیا گیا اور اس کو سمجھا گیا اور اس نے فلسفہ کی شکل اختیار کرلی اور اس وقت اس الہیاتی تصوف نے یونانی فلسفہ کی تائید حاصل کرنی چاہی ۔

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یونانی فلسفہ کا اثر بالکل نہ ہوا۔ یونانی فلسفہ کا اثر ضرور ہوا مگر اتنا گہرا نہیں جتنا کہ خود اسلامی اثر تھا ۔ مثال کے طور پر امام غزالی کو لیجئے جو یونانی فلسفہ پر عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے فلسفیانہ اصول وضوابط کو سمجھانے کے لئے صرف " مقاصد الفلاسفہ " جیسی عظیم کتاب ہی نہیں لکھی بلکہ اس وقت کے فلسفیانہ اصولوں کی تنقید کرتے ہوئے " تہافۃ الفلاسفہ " بھی لکھی مگر انہوں نے مستقل طور پر اسلامی تصوف کو اختیار کرلیا تھا اور وہ ہرجگہہ پکے مسلمان صوفی نظر آتے ہیں ۔ انہوں نے اپنے فلسفہ کے لئے اساس قرآنی فلسفہ کو بنایا اور اس کے لئے سب سے بڑا ثبوت ان کی مشہور کتاب " احیاالعلوم الدین " ہے۔ غزالی کی کتابوں میں یونانی فلسفہ کے اثرات پائے جاتے ہیں لیکن نمایاں عناصر اسلامی روح کو لئے ہوئے ہیں اور امام غزالی نے خاص طور پر روحانی زندگانی میں سب سے زیادہ اہمیت قرآن اور سنت رسول اللہ صلعم کو دی ۔ بلکہ انہوں نے حلول واتحاد کے نظریہ کو رد کردیا [۳۱] جب کہ ابن سبعٰن نے اپنی ایک کتاب میں اس نظریہ

کو قبول کیا ۔[۳۲] اور دوسری کتاب میں رد کردیا ۔[۳۳]

پروفیسر مارسینون کی رائے ہے کہ کرشی گدامی اور طبیب رازی کے زمانے سے لے کر ابن سینا کے زمانے تک یونانی فلسفہ اسلامی دنیا میں پھیلنا شروع ہوا اور اہمیت حاصل کرلی۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں بہت سے مابعد الطبیعاتی اصطلاحیں تسلیم کی گئیں اور ان اصطلاحوں کے ذریعہ صوفیا نے روح کے غیر مادی ہونے کو واضح کیا۔ یہ اصطلاحیں ارسطو کے لاہوت اور فلاطینوس اور افلاطون کی کئی اصطلاحوں سے ملتی جلتی تھیں ۔ اور ان کا کافی اثر تصوف یا اسلامی روحانی زندگی کی نشو ونما پر ہوا ۔[۳۴]

بہرحال جو کچھ پروفیسر ممینون کا خیال ہے وہ بہت ممکن ہے کہ صحیح ہو مگر یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یونانی فلسفہ اور اصطلاحات نے پہلے پہل مسلمان فلسفیوں کے دماغ کو متاثر کیا اور بعد میں وہ صوفیا کے دلوں کو متاثر کرپائیں ۔ اور دیکھا جائے تو وہ کم ہی لوگ تھے جن کے فلسفہ میں یونانی فلسفہ کے بعض اثرات پائے جاتے ہیں اور ان میں ہم فارابی اور ابن سینا کو شامل کرتے ہیں البتہ اصحاب الصفہ پر ان اثرات کا محسوس کرنا مشکل ضرور ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں ہم دو نتائج تک پہونچتے ہیں ایک تو یہ کہ یونانی فلسفہ نے اپنا گہرا رنگ اسلام کی روحانی زندگی کے مقابلہ میں ذہنی زندگی پر قائم کیا ۔

دوسرے یہہ کہ ان حالات کی وجہہ سے ہم شروع کے صوفیا" مثلاً ذوالنون مصری کی تحریرات مین کچھہ فلسفیانہ عناصر پاتے ہین مگر یہہ قوی نہین ہین ۔ البتہ بعد مین صوفیا" آئے انہون نے اپنی تحریرون مین فلسفیانہ عناصر کو گہرے طور پر داخل کیا ۔ جس کے نتیجہ مین الہیاتی تصوف یا اشراقی حکمت کا وجود ہوا ۔ جو صوفیانہ سے زیادہ فلسفیانہ تصوف تہا یا دوسرے الفاظ مین یون کہاجاسکتا ہے کہ صوفیا نے ایک ایسا نظام قائم کیا جو مشتمل تہا ذہنی اور روحانی مشترکہ عناصر پر ۔ اور جو دونون بحیثیت ذہنی یا روحانی قسم کے خیالات یا رجحانات رکہنے والون کے لئے قابل قبول تہا ۔

۵۔ اسلامی تصوف کا ماخذ اسلام ہی ہے

سنہ ۱۸۹۲ مین شائع شدہ ای ۔ جی ۔ براون کے ایک مضمون کو جو مشہور کتاب " دنیا کے مذہبی نظامات " مین چہپا ہے دیکہنے سے پتہ چلتا ہے کہ اب مستشرقین بہی اس امرکو تسلیم کرتے جارہے ہین کہ اسلامی تصوف کا ماخذ خود اسلام ہے ۔ چنانچہ براون کہتا ہے کہ اگر پانچ سال پہلے اسلامی تصوف کے ماخذ کے بارے مین مجہہ سے پوچہا جاتاتو مین کہتا کہ تصوف ایک غیر اسلامی شئے ہے یہہ ایک آریائی ردعمل ہے اس مذہب کے خلاف جو ان پر زبردستی تہوپا گیاتہا ۔ مگر اس عرصہ مین وسیع تحقیق اور ایرانیون سے بحث مباحثے کیے

بعد مین یہہ کہون گا کہ مین پوری طور پر تو اپنی رائے بدلنے تیار نہین مگر یہہ ماننا ضرور ہون کہ میری سابقہ رائے مکمل طور پر صحیح نہین معلوم ہوتی کیونکہ تصوف کے رجحانات اسلام مین اسلام کی ابتدا ہی سے معلوم ہوتے ہین۔ اور یہہ عرب ۔ مصر ۔ مراقش اور دوسرے اسلامی اور غیر آریائی علاقون مین نظــــر آتے ہین ۳۵)

اس کے علاوہ سنہ ۱۹۰۲ع مین وہ اپنی مشہور کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا مین لکھتے ہین کہ " اس کا امکان ہے کہ اسلامی تصوف کی بنیاد خالص اسلامی ہو " اور آگے چل کر کہتے ہین کہ " دو چیزون کی مشابہت (جیسا کہ نکلسن نے بہی کہا ہے) اس بات کا ثبوت نہین کہ ایک دوسرے سے پیــــدا ہوئی ہین " ۔

چنانچہ واگہان (V a u g h a n) کی کتاب " اورس وتہہ دی مسٹکس" (Hours with the Mystics) کا حوالہ یہان پر دیتے ہین جس نے مختلف صوفیا کی مشابہتون کا تذکرہ کیا ہے جو مختلف النسل ہین ۔ مختلف ممالک اور مختلف زمانے سے تعلق رکہتے ہین ۔ حالانکہ ان کے باہمی تعلقات کا پتہ نہین چلتا ۳۶) اس طرح رفتــہ رفتــہ لوگون کے ذہن سے یہہ غلط فہمــی دور ہورہی ہے اور موجودہ دور مین تو تصوف کے ماخذ کو غیـــر اسـلامی بتانے کا رجحان بالکل کم ہو چلا ہے۔ چنانچہ پروفیسر لوئی میس ینون نے جو

تصوف اسلام پر مستشرقین میں سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے اپنی مسرکتہ الآرا تصنیف* میں بڑی تحقیق وکاوش سے یہہ ثابت کیا ہے کہ تصوف کا منبع و ماخذ قرآن وحدیث ہی ہیں اور یہہ تحریک خالص اسلامی ہے ۳۷)

اب ہم اسی سلسلہ میں ذرا تفصیلی طور پر دلائل پیش کرتے ہیں۔ حضور صلعم کی شروع کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہہ وسلم غار حرا میں وہی کچھہ کرتے دکھائی دیتے ہیں جو بعد کے صوفیا نے خدا کی طرف لو لگانے کے لئے کیا ۔ اور اس طرح آپ دن رات کا بڑا حصہ تنہائیوں میں گزارتے ہیں ۔ ابھی آپ پر وحی نازل ہونا شروع نہیں ہوئی تھی مگر آپ کی روحانی زندگی کا آغاز ہوچکا تھا اوراسی طرح حضرت ابوبکر صدیق ؓ ۔ حضرت عمر فاروق ؓ ۔ حضرت عثمان غنی ؓ حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی زندگی بھی روحانی زندگی تھی ۔ اور اگر بلال حبشی سلمان فارسی ۔ صہیب رومی کی زندگی کا بھی تجزیہ کیا جائے تو وہ روحانی پرتو سے منور نظر آئے گی ۔ ابی بن کعب ۔ ابوذر غفاری ۔ اور مصعب بن عمیر کی زندگیاں بھی روحانی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کی کی زندگیوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہہ لوگ خشوع وخضوع سے عبادت کرتے۔

---

* "Essai Sur Les Origines De Lexique Technique Dela Mystique Musulmane" (Paris 1922)

مجاہدہ نفس کرتے اور دنیا کی چمک دمک سے الگ تھلگ رہتے تھے (۳۸)

الغرض یہی زندگیاں بعد کے صوفیا کے لئے نمونہ بنیں - البتہ بعد میں رفتہ رفتہ تصوف میں مختلف مکاتب خیال پیدا ہونے لگے اور اسلامی تصوف میں مختلف بیرونی عناصر داخل ہوئے جو ہندستانی - ایرانی - یونانی اورعیسائی تھے اس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ اسلامی روحانی زندگی میں تصوف ایک بیرونی نظام کی طرح دکھائی دینے لگا - حالانکہ اس کی اصلیت قرآن اور حضور صلی اللہ علیہہ وسلم کی زندگی سے وابستہ تھی -

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلعم پر کبھی کبھی وجد کی سی کیفیت نبوت کے بعد بھی طاری ہوجاتی تھی - یہہ وہ کیفیت ہے جس میں انسان اپنے آپ کو غرض ہرچیز کو فراموش کردیتا ہے - چنانچہ ایسے ایک وقت میں حضرت عائشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں

تو آپ نے پوچھا   تم کون ہو

انہوں نے جواب دیا   میں عائشہ ہوں

اس پر آپ نے پوچھا   عائشہ کون

حضرت عائشہ نے کہا   ابوبکر کی بیٹی

آپ نے پوچھا   ابوبکر کون

تو انہوں نے جواب دیا   محمد کے دوست

آپ نے پوچھا کون محمد ؟[۳۹]

اس پر حضرت عائشہ خاموش ہوگئیں اور سمجھ گئیں کہ آپ اس وقت دوسری کیفیت میں ہیں ۔ یہہ واقعہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ خدا کی یاد میں محویت ہونے پر ایسا عالم طاری ہوجاتا ہے کہ انسان ہر چیز سے بے خبر ہوجاتا ہے اور یہی پرتو زہاد اور صوفیہ کی زندگی میں نظر آتا ہے ۔ اور یہہ پرتو محمد صلعم کی اس زندگی کا پرتو ہے اور یہہ دلیل ہے کہ تصوف کے یہہ منازل خالص اسلامی دور سے متعلق ہیں ۔[۴۰]

صوفیائے کرام جو اپنے عمل کے جواز میں قرآن وحدیث کو پیش کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم کے سوا ایک باطنی تعلیم بھی دی (حکمت) اور اس سلسلہ میں وہ حسب ذیل آیت پیش کرتے ہیں :-

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم ایتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب والحکمة ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون ۔
(پ ۲ ع ۲)

جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک رسول بھیجا ۔ تم ہی میں سے ۔ ہماری آیات پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی باتیں بتلاتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں ۔

ان کا خیال ہے کہ حکمت کا جو ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے وہ اس طرف

اشارہ کرتا ہے۔(۲)

صوفیہ کا کہنا ہے کہ تصوف کی بنیاد محبت الہی اور محبت ذاتیہ حق پرہے اور قرآن میں خود محبت الہی کی دعوت دی گئی ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر بے شمار آیتوں میں محبت اور قرب ذاتی کا وعدہ کیا گیا اور تصوف کی اصطلاح میں یہی چیز معرفت ہے۔ چنانچہ ترجمان القرآن میں مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں :-

" قرآن نے انسان کے لئے دینی عقائد واعمال کا جو تصور قائم کیا ہے اس کی تمام تر بنیاد رحمت ومحبت پرہی ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائنات فطرت کے عالم گیر کارخانہ سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا بلکہ اسی کا ایک مربوط گوشہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے جا بجا اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے اور سچی عبودیت اس کی عبودیت ہے۔ جس کے لئے معبود صرف معبود ہی نہ ہو بلکہ محبوب بھی ہو۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبو نہم کحب اللہ والذین امنوا اشد حبا للہ

(پ ۲ رکوع ۴)

انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں کہ جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلہ بنالیتے ہیں وہ انہیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے حالانکہ جولوگ ایمان رکھنے والے ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللـــہ
فاتبعونی یحببکـــم اللـــہ
ویغفـــر لکـــم ذنو بکـــم واللـــہ
غفور رحیـــم ۲۲
(پ ٣ ع ١٢)

اے پیغمبر لوگون سے کہہ دو۔ اگر
واقعی تم اللہ سے محبت رکھنے
والے ہو تو چاہئے کہ میری پیروی کرو۔
مین تم کو محبت الہی کی حقیقی
راہ دکھا رہا ہون اگر تم نے ایسا کیا
تو صرف یہی نہ ہوگا کہ تم اللہ سے
محبت کرنے والے ہو جاوگے بلکہ خود
اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور
حق تعالی غفور ورحیم ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مین اور بہی مختلف آیات ہین جو صوفیانہ رجحانات کی نشاندہی کرتی ہین جیسے غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلعم سے مخاطب ہوکر کافرون پر مسلمانون کی فتح کی خبر کے سلسلے مین فرمایا گیا ۔

فلم تقتلو هم ولکن اللـــہ
قتلهـــم وما رمیت اذ رمیـــت
ولکن اللـــــہ رمی ۔
(پ ۹ ع ١٦)

(مسلمانو) تم نے ان کافرون کو
قتل نہین کیا لیکن اللہ تعالی نے
بے شک ان کو قتل کیا اور اے رسول
کافرون پر جو مقابلہ مین تہے آپ
نے خاک کی مٹھی نہین پہینکی
اللہ تعالی نے پہینکی ــــ

صوفیانہ نقطـــہ نظر یہہ ہے کہ اللہ تعالی فاعل مطلق ہے اور ہر فعل کا صدور اسی سے ہوتا ہے اور اسی کی طرف سے ہوتا ہے اور بندے اور مالک کی نسبت وہی ہے جو کاتب اور قلـــم کی ہوتی ہے وہی اس کو چلاتا ہے اور

جو چاهتا هے لکهتا هے ۔[۴۳] اس کا ذکر ہواون نے یہن کہا هے ۔[۴۴]

اس کے علاوہ صوفیا' اپنے وجودی شہودی نظریے اور خلق من اللہ کی تجلی

کا مشاهدہ ان سے کرتے هین ۔

اللہ نور السموات والارض (پ ۱۸ ع ۱۱)	اللہ آسمان اور زمین کا نور دینے والا هے ۔
فاینما تولو افثم وجہ اللہ (پ ۱ ع ۱۴)	جس طرف تم منہہ کرو اسی طرف اللہ کا رخ هے ۔

اس کے علاوہ اللہ کی محبت انسان سے اور انسان کی محبت اللہ سے ان

دو چیزون کو صوفیا' نے حسب ذیل آیت سے اخذ کیا هے :-

یا یہاالذین امنو من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزہ علی الکفرین یجاهدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لا ئم ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشا' واللہ واسع علیم ۔ (پ ٦ ع ۱۲ ـ)	اے ایمان والو ۔ تم مین سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کریگا جن سے اللہ کو محبت هوگی اور ان کو اللہ سے محبت هوگی وہ مسلمانون پر مہربان هونگے اور کافرون پر تیز جہاد کرتے هونگے ۔ اللہ کی راہ مین اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہین کرینگے ۔ یہہ اللہ کا فضل هے وہ جسے چاهے عطا کردے اور اللہ تعالی بڑی وسعت والا اور بڑا علم والا هے ۔

اس کے علاوہ صوفیائے کرام توبہ ۔ توکل ۔ صبر ۔ غور ۔ فکر ۔ ذکر الہی

کی پابندی ۔ عبادت دنیا سے بیزاری کا ماخذ ان آیات قرآنیہ کو سمجھتے ہیں :۔

یا ایہاالذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃً نصوحاً
(پ ۲۸ ع ۲۰)

اے ایمان والو اللہ سے توبہ کرو توبہ نصوح ۔

(۲) ویا قوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ ۔
(پ ۱۲ ع ۵)

اے قوم والو اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور توبہ کرو ۔

(۳) وتوبوا الی اللہ جمیعاً ایہاالمومنون لعلکم تفلحون
(پ ۱۸ ع ۱۰)

اللہ سے توبہ کرو اے ایمان والو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔

(۴) ولمن صبر و غفران ذالکہ لمن عزم الامور ۔
(پ ۲۵ ع ۵)

جو شخص صبر کرے اور توبہ کرے تو یہ عزم امور ہے۔

(۵) یا ایہاالذین امنو اصبروا وصابروا ورابطوا۔
(پ ۴ ع ۱۱)

اے ایمان والو صبر سیکھو ۔ صبر کرو اور اللہ سے رشتہ استوار کرو ۔

(٦) انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب ۔
(پ ۲۳ ع ١٦)

اللہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب اجر دیتا ہے۔

(٧) ولنبلو نكم حتى نعلم المجهدين منكم والصبرين -
(پ ٢٦ ع ٨)

هم تمهارى آزمائش كرينگے جب تك كه هم كو معلوم هوجائے كه تم مين مجاهدين اورصابرين كون هين -

(٨) وتوكل على الحى الذى لا يموت
(پ ١٩ ع ٣)

الله پر بهروسه كرو جو زنده هے جس كو موت نهين آسكتى -

(٩) فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين -
(پ ٣ ع ٨)

جب اراده كرلو تو الله پربهروسه كرو الله متوكلين كوپسند كرتا هے -

(١٠) وعلى الله فليتوكل المومنون
(پ ٣ ع ٨)

وه الله هى هے جس پر ايمان والے توكل كرتے هين -

(١١) واذكر اسم ربك
(پ ٢٩ ع ١٣)

الله كے نام كا ذكر كرو

(١٢) واعبد ربك حتى ياتيك اليقين
(١٤ ع ٦)

اپنے رب كى عبادت كرو اس وقت تك جب تك كه تم كو يقين هوجائے -

(١٣) ان فى خلق السموات والارض واختلاف اليل والنهار لايت لاولى الالباب الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم ويتفكرون فى خلق السموات والارض
(پ٣ ع ١١)

زمين وآسمان كى پيدائش مين ليل ونهار كے اختلاف مين صاحبان عقل كے هان بيشك نشانيان هين جو كهڑے هوئے بيٹهے هوئے اورليٹے هوئے بهى الله كو يادكرتے هين اور زمين وآسمان كى پيدائش كے اسرار پر غور كرتے هين -

(۱۴) وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور (پ ۴ ع ۱۰)	دنیاوی زندگی کی متاع ایک دھوکے کے سوا کچھہ نہین ۔
(۱۵) اعلموا انما الحیوٰۃ الدنیا لعب و لہو ۔ (۲۷ ع ۱۹)	دنیا کی زندگی لہو ولعب کے سوا کچھہ نہین ۔
(۱٦) یاایہا الناس ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیوٰۃ الدنیا (پ ۲۲ ع ۱۳)	اے لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے ایسا نہ ہوکہ دنیاوی زندگی تم کو فریب مین مبتلا کردے ۔

اس کے علاوہ صوفیا اپنے مسلک کی تائید مین مختلف احادیث بھی پیش کرتے ہین ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو ۔

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لا عرف ۔*	مین ایک چھپا ہوا خزانہ تھا مین نے چاہا کہ مین پہچانا جاؤن تو مین نے خلق کو پیدا کیا اور لوگون سے جس سے مجھہ کو پہچانا ۔

---

* اس حدیث کو حافظ سخاوی نے بعض الفاظ کی کمی وبیشی کے ساتھہ " مقاصد حسنہ " مین نقل کیا ہے اور علامہ محدث محمد بن ابراہیم نے فرمایا ہے کہ یہہ حدیث صوفیہ سے مروی ہے ۔ جس شخص نے آیت ذیل پر تفکر و تدبر کیا ہے اس کو اسکی صحت معنوی حاصل ہوسکتی ہے " اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلہن یتنزل الامر بینہن لتعلموا ان اللہ علی کل شئی قدیر وان اللہ احاط بکل شئی علماً (پ ۸ ا ع ۱۸)

اور ملا علی قاری کہتے ہین کہ معنی اس کے مطابق ہین حق تعالی کے اس قول کے " وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " (پ ۲۷ ع ۲)

ای لیعرفون جیساکہ حضرت ابن عباس نے تفسیر فرمائی ہے ۔

اس حدیث سے وحدت الوجود کے مسئلہ کی بہت تائید ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے یہہ بہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان خدا کی محبت کا موضوع ہے اور یہہ کہ انسان ایسا آئینہ ہوگا جس میں خدا کے اخلاق دیکھے جاسکینگے چنانچہ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجہہ کو دیکھا اس نے خدا کو دیکھا اور جو انسان کے اندر ہے خدا اس سے محبت کرتا ہے اور اس لئے صوفیا ہروقت اپنے مشاہدے اور نفس کا تذکیہ کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو اچہی طرح پہچان لیں کیونکہ کہا گیا ہے کہ " من عرف نفسہ فقد عرف ربہ " جو اپنے آپ کو پہچانتا ہے وہ اپنے خدا کو پہچانتا ہے اور ہم جو صوفیا سے کرامات کا صدور دیکھتے ہیں تو وہ اس لئے ہے کہ حضور نے فرمایا تہا کہ

" اتقوا فراسة المومن فانہ ینظر من نور اللـــہ "
(جامع صغیر و ترمذی)

مومن کی فراست سے ہوشیار رہو کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے اور خدا کے عرفان سے اور اس سے محبت کرنے سے بندے کے اندر غیر معمولی قوت پیدا ہوجاتی ہے اور حضور صلعم نے فرمایا

" کہ اگر تم نے خدا کو اس طرح جانا جس طرح اس کو جاننا چاہئے تو تم دریاوں پر چلوگے اور تمہارے کہنے پر پہاڑ چلینگے " (۴۵)

اس کے علاوہ صوفیا فنا فی اللہ کا مسئلہ اس حدیث سے نکالتے ھین :-

ولا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ولسانہ الذی ینطق بہ ویدہ الذی یبطش بہا ورجلہ الذی یمشی بہا فبی یسمع وبی یبصر وبی ینطق و بی یعقل و بی یبطش وبی یمشی -

(بخاری)

بندہ نوافل کے ذریعہ مجھہ سے قربت حاصل کرتا ھے - پھر مین اس کو محبوب رکھنے لگتا ھون - تو جو وہ سنتا ھے مین سنتا ھون جو وہ دیکھتا ھے مین دیکھتا ھون - جو وہ بولتا ھے مین بولتا ھون - مین اس کا ھاتھہ بن جاتا ھون جس سے وہ پکڑتا ھے مین اس کا پاون بن جاتا ھون جس سے وہ چلتا ھے- وہ مجھہ سے سنتا ھے مجھہ سے دیکھتا ھے- میرے بول بولتا ھے میری عقل سے سمجھتا ھے- میری پکڑ اس کی پکڑ ھے- میری چال اس کی چال ھے-

جیسا کہ آر بری بتلاتا ھے اس حدیث کو صوفیا نے الہیاتی تصوف کی واضح بنیاد قرار دیا ھے [۲۶]

یا انس سے مروی ھے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمار پر سوار تھے اور صوف کا لباس پہنے ھوئے تھے- اس کے علاوہ اور بھی دوسرے آثار و اخبار ھین جن سے پتہ چلتا ھے کہ حضور صلعم نے صوف کا لباس

پہننا اور اس سے آپ کا مقصد اگر کچھ تھا تو وہ صرف زہد اور تواضع تھا۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک بار آنحضرت سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے صوف کا لباس پہنا ۔ آپ نے خچر کی سواری فرمائی ۔ میں آپ کے پیچھے بیٹھا ۔ آپ نے زمین پر کھانا کھایا ۔ میں نے ادب کے ساتھ آپ کی انگلیاں چاٹیں [47]

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے صوف کا لباس پہنا [48]

آخر میں ہم اہل صفہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ یہ وہ لوگ تھے جو حضور صلعم کی زندگی ہی میں بالکلیہ زہد وورع کی زندگی بسر کرتے تھے اور اسلام کی روحانی تاریخ پر ان حضرات نے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ تصوف کی تاریخ تو یہیں سے شروع ہوتی ہے چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صوفی کا لفظ اصحاب صفہ ہی سے ماخوذ ہے اور وہ تمام لوگ صوفی کہلائے جنہوں نے اصحاب صفہ سے مشابہت پیدا کی ۔ یہ وہی لوگ تھے جو دنیا سے الگ ہوگئے تھے اور سب کچھ چھوڑ دیا تھا ۔ یہ لوگ سب سے الگ تھلگ اپنا سارا وقت عبادت اور مجاہدہ نفس میں صرف کرتے اور انہوں نے صرف حق تعالی کی طرف توجہ کی تھی اور ماسوا کو فراموش کردیا تھا ۔

ابو نعیم اصفہانی کا قول ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اہل وصال

اور زر ومال نے نہ پھنسایا ۔ نہ خدا کے ذکر سے انہیں تجارت وکاروبار روک سکے دنیا میں یہہ اگر کچھہ کھوتے تو انہیں ذرا بھی غم نہ ہوتا ۔

ان لوگوں سے حضور صلعم محبت فرماتے ۔ ان کے ساتھہ بیٹھتے اور مہربانی کا برتاو رکھتے ۔ ابو ہریرہ کا تعلق بھی اسی مشہور گروہ سے تھا اور کتب طبقات میں ان کے زہد وفقر کی بڑی بڑی تفصیلیں ملتی ہیں ۔(۴۹)

ابوالفدا کے قول کے مطابق جب حضور صلعم کھانے پر جاتے تو اکثر ان میں سے بعض کو اپنے ساتھہ لے جاتے اور اکثر کو صحابہ اپنے ساتھہ کھانا کھلاتے ۔(۵۰)

بہر حال تصوف کی ابتداء اسلام ہی سے ہوئی اور اوپر جو کچھہ ہم نے پیش کیا ہے وہ اس امر کو واضح کرنے کے لئے کافی معلوم ہوتا ہے اور یہہ کہ حضور نے جس تصوف کی تعلیم دی یا جو تصوف اس دور میں پھیلا وہ ہر آمیزش سے پاک تھا اور اسلامی حیات روحیہ کا آغاز اسی طرح ہوا ۔

(۴) حضرت سیدنا غوث اعظم کا مقام صوفیا میں

قدرت کا یہہ قانون رہا ہے کہ جب دنیا کی ایمانی واخلاقی حالت زبون ہوجاتی ہے اور کفر اور شرک کی اندھیریاں چھاجاتی ہیں اور انسانیت بھٹکنے لگتی ہے تو قدرت کسی انسان کامل کو پیدا کرتی ہے چنانچہ جب وقت حضرت سیدنا غوث اعظم تشریف فرما ہوئے تو عرب وعجم کی حالت بڑی یاس انگیز تھی - مذہبی روحانی اور اخلاقی انتشار کا عالم تھا - ملحدانہ خیالات پھیل رہے تھے ایثار ہمدردی اور اخلاص کا نام ونشان باقی نہ رہا غرض اس طرح حالات کا تقاضا تھا کہ ایک انسان کامل کا ظہور ہو اور وہ بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لگادے - چنانچہ سیدنا عبدالقادر جیلانی کی ولادت سنہ ۴۷۱ ھجری میں ہوئی - اس بیت سے تاریخ تولد سال عمر اور وفات معلوم ہوتے ہیں ؎[1]

سنہش کا ملِ وعاشق تولد

وصالش دان زمعشوق الہی

آپ کے والد کا اسم گرامی حضرت ابو صالح الحسنی تھا - آپ کا نسب دس واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام پر جاکر ختم ہوتا ہے - فطرت کا یہہ عجیب دستور ہے کہ امر دنیا کے عظیم روحانی اور اخلاقی پیشوا

اکثر یتیم یا بےسہارا ہوتے ہیں اور انہوں نے پریشان کن مالی حالات اور بغیر سہارون اور بغیر کسی سرپرستی کے کلمۃ الحق اور زندگی کے حقیقی فلسفہ کا پرچار کیا ۔ چنانچہ حضرت کے بچپن ہی میں آپ کے والد ماجد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھہ گیا اور آپ کی والدہ ماجدہ نے جو ایک بڑی پارسا اور بزرگ ہستی تہین آپ کی تربیت فرمائی ۔ اٹھارہ سال کی عمر مین آپ بغداد تشریف لائے ۔[۲] اس زمانے مین بغداد علم وادب اور کلچر کا مرکز بہی تہا اور سیاسی اور مذہبی ہنگامہ آرائیون کا مسکن بہی ۔ چنانچہ ہر نوجوان کی تمنا یہہ ہوتی تہی کہ وہ بغداد جائے۔ اکثر کی تو اس لئے کہ وہ وہان عزت ونام کمائین اور کچہہ ایسے بہی تہے جو محض علم کے حصول کے لئے آتے تہے حضرت بہی ان ہی مین سے ایک تہے ۔[۳] آپ بغداد تشریف لائے اور پورے انہماک اور بلند ہمتی کے ساتہہ تحصیل علم مین مشغول ہوگئے۔ مجاہدات اور عبادات کی جانب فطری کشش کے باوجود آپ نے تحصیل علم مین کسی طرح کی کوتاہی نہ فرمائی ۔ بلکہ یہہ کہنا بجا ہوگا کہ اس خصوص مین آپ حریص واقع ہوئے تہے۔ ہر علم کو اس کے باکمال استادون اور صاحب فن عالمون سے حاصل کیا اور اس مین پوری پوری دسترس اور دستگاہ حاصل کی ۔ آپ کے اساتذہ مین ابوالوفا ابن عقیل محمد بن الحسن الباقلانی اور ابو ذکریا تبریزی جیسے نامور علماء وآئمہ فن کے نام نظر آتے ہین ۔ طریقت

کی تعلیم شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباس سے حاصل کی اور قاضی ابو سعید مخزومی سے اس کی تکمیل کی اور ان ھی سے اجازت بھی حاصل کی۔[۲]

ظاھری اور باطنی علوم کے حصول اور مجاھدون اور ریاضتون سے اپنے نفس کا تزکیہ کرنے کے بعد آپ نے اصلاح وتبلیغ عام کی طرف توجہہ فرمائی۔ ابتداً مین آپ گوشہ نشین ھی رھتے اور لوگون سے بیزار نظر آتے تھے۔ کیونکہ بغداد اس وقت ھرقسم کی ھنگامہ آرائیون کا مرکز تھا اور وھان سکون اور اطمینان قلب کا فقدان تھا لوگ ھرقسم کے رذائل مین مبتلا تھے اور مختلف قسم کی سیاسی اور مذھبی نامناسب جماعتون مین تقسیم تھے۔ ابوالمعالی لکھتے ھین کہ حضرت نے خواب مین حضور صلعم کو دیکھا ۔ حضور نے فرمایا کہ " لما لا تکلم " یعنی تم بولتے کیون نہین آپ نے مودب کھڑے ھوکر عرض کیا کہ مین ایک عجمی ھون فصحائے عرب کے سامنے کس طرح زبان کھول سکتا ھون اس پر آپ نے اپنا لعاب دھن سات بار آپ کے منھہ مین ڈالا اور فرمایا " ادعوا الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنہ " اس واقعہ سے آپ کی عظمت کا اندازہ ھوتا ھے کہ کس طرح حضورانور صلعم نے آپ کو ارشاد وتلقین پر مامور فرمایا ۔ بیان کیاجاتا ھے کہ ابتداً جب آپ تقریر کے ارادے سے باھر تشریف لائے تو ظھر کے بعد کا وقت تھا کافی لوگ آپ کا وعظ سننے جمع ھوگئے تھے۔ جس طرح عام طور سے شروع پر جلسہ کا



رعب طاری هوتاهے آپ پر بهی هوا مگر لطیفه غیبی نے پهر آپ کی اعانت فرمائی اور اس وقت حضرت علی کرم الله وجهه ظاهر هوئے اور جون هی آپ اپنا لعاب دهن آپ کے منهه مین ڈالا لسان طلق عطا هوئی (٥) اس طرح حکیم مطلق نے حکمت ودانش کے چشمے آپ کی زبان سے جاری فرمادئیے۔

سنه ٥٢٨ هجری مین آپ اپنے شیخ کی مسند پر جلوه افروز هوئے اور اسی دن سے تبلیغ عام کا لامتناهی فیض جاری هوا (٦) " ذالک فضل الله یوتیه من یشاء "۔ آپ کا وعظ کمال جامعیت کا نمونه هوتاتها۔ سننے والون کو هربات صاف صاف سمجهه مین آتی اور جو بهی آپ فرماتے ایسا معلوم هوتاکه سامنے اس کا نقشه کهینچ رهے هین ۔ چنانچه شیخ علی شطنوفی مصری لکهتے هین که مجلس پر دوران تقریر مین ایک خود رفتگی اور وارفتگی کا عالم طاری هوجاتا۔ جو بهی مجلس سے نکلتا اثر وکیف مین ڈوبا هوا نکلتا۔ کچهه لوگ بے هوش هوجاتے اور بعض تو وهین جان دے دیتے ۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابو عبدالله عبدالوهاب کا بیان هے که آپ هفته مین تین بار یعنی جمعه اتوارکی صبح اور منگل کو شام مین تقریر فرماتے منگل وجمعه کو مدرسے مین اور اتوار کو خانقاه مین ۔ جب لوگون کو جگهه کی تنگی هونے لگی تو آپ عیدگاه مین تقریر فرمانے لگے۔

سنه ٥٨٨ هجری مین عقیدت مندون اور امرا کے چندون سے مدرسه

نے جب ایک وسیع عمارت کی شکل اختیار کرلی تو آپ وہیں تقاریر فرمانے لگے۔
پہلے یہہ جگہہ باب الحجاز کہلاتی تھی اور بعد میں اس کو "سد جیلانی"
کا نام دیا گیا [٧] ہر جلسہ میں کم وبیش ستر ہزار کا اجتماع ہوتا [٨]
آپ ہر تمدنی معاشرتی اور سیاسی برائی کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوجاتے
اور جب تک اس کا ازالہ نہ ہوجاتا دم نہ لیتے۔ لوگوں کی برائیوں کو
بے جھجک بتلاتے اور ہر کمزوری کی نشان دہی فرماتے۔ پھر بھی مجمع کا
یہہ عالم ہوتا کہ جوق در جوق آتا اور بعض اوقات جب عمارت کافی نہ ہوتی
تو آپ باہر میدان کی طرف جاتے مگر ہجوم میں کوئی انتشار اور بے لطفی
پیدا نہ ہوتی اور وہ خاموشی سے منتقل ہوجاتا [٩] اس طرح مسلسل
چالیس سال تک وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رہا [١٠] جیسا کہ
بیان کے مطابق [١١] اور جیساکہ شیخ علی شطنوفی مصری اور عبدالحق
محدث دہلوی نے بھی لکھا ہے [١٢] پانچ ہزار یہودیوں اور نصرانیوں نے آپ کے
دست حق پرست پر بیعت کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تقریباً ایک لاکھہ
فساق وفجار نے اپنی فسق وفجور کی زندگی سے تائب ہوکر تقوی و طہارت کی
زندگی اختیار کی اور سینکڑوں صالحین نے ولایت کبری کا مقام حاصل کیا۔
اس طرح اس پیشوائے ملت ودین نے اسلام کو تازہ جان عطا کی اور آفاق کو
نور اسلام سے جگمگا دیا۔

امام دین کہ ازو تازہ شد مسلمانی

از امرونہی وے آفاق شد نورانی

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ " سیدنا عبدالقادر جیلانی کی کرامات کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے۔ شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (۱۳) اور امام ابن تیمیہ کا قول ہے کہ شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور ان میں سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی آپ کا وجود اسلام کے لئے ایک باد بہاری تھا جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی اور عالم اسلام میں ایمان و روحانیت کی نئی لہر پیدا کردی " (۱۴)

یہاں پر علامہ ابن جوزی کا ایک واقعہ پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔ جوزی وہ بزرگ ہیں جن کے تبحر علمی کا اثر مصر سے عراق تک غالب تھا ۔ اور آپ نہ صرف بڑے محدث تھے بلکہ بڑے ادیب اور مفسر بھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدا میں آپ حضرت غوث اعظم کے مداحین میں نہ تھے۔ ایک دن حافظ ابوالعباس " احمد " کے اصرار پر آپ حضرت کے مدرسے میں آئے اور ایک گوشے میں نظر سے دور کھڑے ہوگئے۔ حضرت غوث اس وقت قرآن کا درس دے رہے اور ان کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کون آیا اور کہاں کھڑا ہوگیا۔ قاری نے آیت

پڑھی - حضرت نے اس کا ترجمہ فرمایا اور توضیح دلائل بیرا ہین سے فرمانے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ایک سمندر ہے کہ امڈا چلا آرہا ہے۔ ایک کے بعد دوسری دلیل آپ بیان کرتے جاتے اور ہر دفعہ حافظ صاحب علامہ ابن جوزی سے پوچھتے کہ کیا آپ اس سے واقف ہیں - گیارہ دلائل تک علامہ ہاں کہتے رہے اس کے بعد تو علامہ پر حیرت کا عالم طاری ہوگیا - حضرت غوث اعظم نے چالیس دلیلیں پیش فرمائیں اور انہیں سن کر علامہ جوزی کے قلب پر آپ کی عظمت کا نقش ثبت ہوگیا - حافظ صاحب بھی حضرت کے معتقدین خاص سے تھے۔ بار بار پوچھتے کہ کیا آپ یہ دلیل جانتے ہیں اور علامہ نفی میں جواب دیتے اور بالآخر علامہ کی زبان سے ایک چیخ نکلی اور فرمایا کہ " میں قال کو چھوڑ کر حال کی طرف رجوع کرتا ہوں " جوش عقیدت میں انہوں نے اپنے کپڑے چاک کردیے اور بڑھ کر آپ کی عظمت کا علی الاعلان اعتراف کرلیا۔[15]

شیخ ابوسعید قیلوی کا بیان ہے کہ شیخ جیلی اکثر متقدمین سے بھی سبقت لے گئے تھے اور ایسے مقام پر تھے جہاں سے تنزل کا امکان ہی نہ تھا۔ آپ کا مقام " مع اللہ فی اللہ اور باللہ " تھا - حضرت علی بن الہیتی کو یقین تھا کہ آپ اولیا کے سر حلقہ اور تمام مقامات غوثی وقطبی وقطب الاقطابی سے بڑھ کر محبوبیت پر فائز تھے۔ سید محمد مکی نے تحریر کیا ہے کہ حضرت غوث اعظم محبوبیت میں مشہور ہیں ۔[16] نکلسن نے لکھا ہے کہ

عبدالکریم ابن ابراھیم الجیلی جنھون نے مشھور کتاب " انسان کامل " لکھی ھے اقرار کرتے ھین کہ وہ حضرت غوث اعظم کو اپنا شیخ مانتے ھین ۔ اور اپنی کتاب مین انھون نے کئی جگھہ آپ کی عظمت اور اپنے شیخ ھونے کا اعلان کیا ھے[17] اکثر مشائیخین سے روایت ھے کہ شیخ عبداللہ محمد القرشی کہتے تھے کہ حضرت غوث اعظم سید اھل زمانہ ھین اولیا سے اعلی واکمل علماسے زیادہ پرھیزگار عارفین سے اعلم واتم مشائخین سے امکن واقد رھین[18] حضرت شیخ علی متقی بن حسام الدین کتاب مناقب مین لکھتے ھین کہ " حضرت غوث اعظم منازل معرفت مین ایک اعلی مقام رکھتے ھین کہ کسی شخص کی اس مقام تک پہنچ نہین " حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے لکھا ھے کہ " اگر دوسرے اولیا اللہ قطب ھین تو حضرت غوث اعظم قطب الاقطاب ھین ۔ دوسرے اگر سلاطین ھین تو حضرت غوث اعظم سلطان السلاطین ھین[19] اکثر مورخین نے لکھا ھے اور شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام اور امام ابن تیمیہ کا قول ھے کہ شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہنچ گئی ھین[20] جسٹس امیرعلی نے بھی اپنی کتاب[21] مین قادریہ سلسلہ کا ذکر کرتے ھوئے تحریر کیا ھے کہ حضرت بہت سی کراماتکے لئے مشھور ھین ۔

قبل اس کے کہ آپ کے مشھور قول " قدمی ھذہ " پر بحث کی جائے جو آپ کے مقام کو واضح طور پر ظاھر کرتا ھے ھم یہان خود حضرت کا قول پیش

کرتے ہیں جس سے حضرت کے رفعت مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے آخری اوقات میں آپ کے صاحبزادے نے نصیحت اور وصیت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا " جب قلب صاف اور اللہ تعالی کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے تو پھر نہ کوئی چیز اس سے باہر جا سکتی ہے اور نہ کوئی شئے اس سے خالی رہتی ہے۔ میں سراسر مغز ہوں پوست نہیں ہوں ۔"[۲۲)]

حضرت شہاب الدین سہروردی سے روایت ہے کہ انہوں نے خود حضرت غوث اعظم کو منبر پر یہ فرماتے سنا " ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے جد اکرم نبی صلعم کے قدم پر ہوں اور میرا قدم وہاں پہنچتا ہے جہاں اس سے پہلے کسی کا قدم نہیں پہنچا - اس کے آگے وہی راستہ باقی رہ گیا ہے جہاں انبیاء کے سوا اور کسی کا قدم نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے ۔"[۲۳)] شیخ عارف ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی نے ۶۱۴ ہجری میں قاہرہ میں فرمایا تھا کہ انہوں نے حضرت غوث اعظم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جیسے انسانوں کے مشائخ ہوتے ہیں جنوں کے بھی اور فرشتوں کے بھی غرض ہر طبقے میں مشائخ ہیں مگر میں ان سب کا شیخ ہوں ۔"[۲۴)]

شاہ بدیع الدین فرماتے ہیں اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو آپ نبی ہوتے کیونکہ جو مرتبہ آپ کو ملا کم کسی ولی کو ملا ہوگا ۔[۲۵)]

" قدمی ہذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ "

متعدد مستند کتابون سے[26] ہمین معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غوث اعظم کی پیدائش سے بہت پہلے کثرت سے اولیا اللہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ بغداد مین ایک مرد حق پیدا ہوگا اور وہ تحدیث نعمت الہی کے طور پر ادعا کرےگا کہ " قدمی ھذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ " اور یہہ سن کر تمام اولیائے حق بہ طیب خاطر اپنی گردنین جھکا دینگے۔ یہہ روایتین حد تواتر تک پہنچ گئی ہین ۔ شیخ ابو نصر محمود ابن احمد کردی اور شیخ بقا ابن بطو اور شیخ ابو سعید قیلوی اور شیخ عدی ابن مسافر اور شیخ علی ابن ہیتی اور شیخ احمد رفاعی وغیرہم نے مختلف اوقات مین بیان کیا ہے کہ ہم لوگ اور اکابر شیوخ عراق جن کی تعداد پچاس سے زائد تھی حضرت غوث اعظم کی مجلس مین حاضر تھے آپ نے فرمایا " قدمی ھذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ " اس پر سب شیوخ نے اپنی گردنین جھکا دین اور شیخ علی بن الہیتی نے تو بڑھکر حضرت غوث اعظم کا قدم اپنی گردن پر رکھہ لیا[27] شیخ علی شطنوفی نے اپنی کتاب بہجتہ الاسرار مین اکثر ان اولیا کے نام بھی درج کئے ہین جو اس وقت مجلس مین حاضر تھے۔

اکثر روایتون سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت حضرت نے یہہ ارشاد فرمایا روئے زمین پر کوئی ایسا ولی نہ تھا جس نے اپنے اپنے مقام پر گردن نہ جھکادی ہو[28] چنانچہ حضرت خواجہ قطب الدین سے منقول ہے کہ وہ اس

وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حضور میں تھے۔ خواجہ صاحب نے ایک دم سرنیچا کرکے فرمایا " بل علی حدقتہ عینی " اس پر انہوں نے واقعہ دریافت فرمایا ۔ خواجہ صاحب نے پورا واقعہ سنادیا ۔[۲۹] حضرت شیخ مجدالدین غزنوی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت غوث اعظم کے اس اہم قول کے بارے میں اہل معرفت بیان کرتے ہیں کہ بعض احوال ومقامات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غوث کے قدم پر اپنا قدم رکھا اور فرمایا کہ " تیرا یہ قدم میرا قدم ہے " اس لئے حضرت غوث اعظم نے کہا " میرا یہ قدم تمام اولیا کی گردنوں پر ہے " تو حضرت کا یہ کلام بطور تحدیث نعمت ہے ۔[۳۰] مناقب غوثیہ میں آگے لکھا ہے کہ جب مشائخین وقت سے پوچھا گیا کہ کیا شیخ عبدالقادر جیلانی نے یہ کلمہ اللہ تعالی کے حکم سے کہا تو عرفا نے جواب دیا کہ بے شک حضرت نے یہ کلمہ اللہ تعالی کے حکم سے کہا اور یہ حضرت کے قطب الاقطاب ہونے کی ایک علامت ہے ۔ اور مقام قطبیت کی تکمیل ہے ۔ حضرت شیخ نجیب الدین سہر وردی نے بھی اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے اور " روضۃ الناظرفی مناقب شیخ عبدالقادر " میں اس کا ذکر کیا ہے ۔ اکثر مشائخین نے لکھا ہے کہ حضرت غوث اعظم جو کچھ کہتے اور جو کچھ کرتے ہیں وہ سب اللہ تعالی ہی کے حکم سے ہوتا ہے ۔[۳۱]

حضرت شاہ ابوالمعالی نے جو ایک ولی کامل گزرے ہیں اپنی کتاب

مستطاب میں لکھا ہے کہ شیخ کے خلیفہ (شیخ قیلوی) نے حضور صلعم کو خواب میں دیکھا (اور وہ اکثر حضور صلعم کو دیکھا کرتے تھے) اور پوچھا کہ کیا سید نا شیخ عبدالقادر جیلانی نے جو یہہ کہا ہے کہ " میرا قدم تمام اولیا کی گردن پر ہے درست ہے " حضور صلعم نے فرمایا کہ " وہ ایسا کیوں نہ کہتے وہ زمانہ کے قطب ہیں اور میں ان کا حامی ہوں " اس واقعہ کا ذکر شاہ عبدالحق دہلوی نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے [٣٢]

شیخ ابوالبرکات سے روایت ہے کہ ان کے والد ان سے کہتے تھے کہ انہوں نے اپنے چچا شیخ عدی بن مناف سے پوچھا کہ کیا مشائخین متقدمین و متاخرین میں سے کسی اور نے بھی ایسا کہا ہے کہ میرا قدم سب اولیا کی گردن پر ہے۔ تو انہوں نے فرمایا نہیں کسی نے ایسا نہیں کہا ہے۔ پھر ان سے پوچھا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے فرمایا کہ " یہہ مقام فردیت کا اظہار ہے اور بس " پھر پوچھا کہ کیا فرد ہر زمانے میں مامور ہوا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ آنحضرت صلعم کے سوا کسی کو حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اپنی فردیت کا اظہار زمانے پر کریں۔ پھر پوچھا کہ کیا حضرت غوث اعظم ایسا کہنے پر مامور تھے۔ انہوں نے کہا " بلے تحقیق مامور بودہ است " پھر سمجھایا کہ " دیکھو ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا تھا وہ حکم الہی سے ہی کیا تھا [٣٣]

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت غوث اعظم کے فضائل بزرگ

میں ان کا یہہ ایک حکم معظم ہے جو ساری دنیا میں مشہور ہے اور تصوف کے

مشاہیر میں عام طور پر اس کی شہرت ہے اور قدیم مشائخین نے عام طور پر نہ صرف

اس کا ذکر کیا ہے بلکہ اس حکم کی اطاعت بھی کی ہے۔ زمانے کے تمام بزرگوں نے

خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے خواہ حاضر ہوں یا غائب سبھوں نے اپنی

گردنیں جھکادی تھیں اور اس طرح تمام ارباب کمال نے جو احوال واوصاف ومعرفت

رکھتے تھے اس قول کی تصدیق کی ۔ آگے لکھتے ہیں کہ تمام مشائخ جو حضرت

عقیل منجی سے نسبت رکھتے تھے انہوں نے اس قول کے بارے میں سر تسلیم خم

کیا تھا ۔ اور عراق کے مشہور مشائخ شیخ علی قرشی فرماتے ہیں کہ عقیل منجی

ان چار افراد میں سے ہیں جن کو میں نے دنیا میں دیکھا کہ جس طرح زندوں

کے بارے میں تصرف کرتے ہیں ویسے ہی مردوں کے بارے میں تصرف کرتے ہیں ۔ یہہ

چار افراد شیخ عبدالقادر جیلانی شیخ معروف کرخی شیخ عقیل منجی اور

شیخ حیات بن قیس حرانی ہیں ۔(۳۴)

اب ہم اس قول کے انطباق کے سلسلے میں جو آراء ملتی ہیں ان پر ایک

نظر ڈالتے ہیں ۔ علی شطنوفی نے بہجۃ الاسرار میں متعدد حوالوں اور متواتر

روایتوں سے اور کئی اولیاء کے اقوال کی تائید سے اس قول کو تمام اولیائے اولین

وآخرین پر منطبق کیا ہے اور شیخ ابو سعید قیلوی کا قول پیش کرتے ہوئے استدلال

کیا ھےکہ بہت سے اولیاء نے شہادتیں دی ھیں کہ یہہ صرف اولیائے زمانہ کی حد تک نہیں بلکہ " اس سے مراد اولیائے اولین و آخرین سب ھی ھیں " اسی طرح شمس الدین قادری نے بھی اپنی کتاب ۳۵) میں یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ھےکہ اس سے مراد تمام اولیائے اولین و آخرین ھیں ۔ انہوں نے محی الدین ابن عربی کے اس قول کو اپنی تائید میں پیش کیا ھے جو فتوحات مکیہ میں مذکور ھے کہ " حضرت غوث اعظم ھم سب کے امام اور سردار ھیں " البتہ یہہ حضرات صحابہ کرام اور بارہ اماموں کو اس قول کے دائرہ سے خارج کرتے ھیں ۔ مگر خالص ولایت کے حاملین گذشتہ و آئندہ ھر ایک کو اس میں شامل کرتے ھیں۔

بہجۃ الاسرار میں ایسے بزرگوں کے نام بھی درج ھیں جن میں ابواحمد عبداللہ الخونی اور شیخ ابوبکر بن ھوار بطائحی شامل ھیں جنہوں نے اس قول کی تطبیق صرف اولیائے وقت پر کی ھے اور ازروئے عقل و نقل یہی زیادہ صحیح بھی معلوم ھوتا ھے۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دھلوی اور شاہ مراد مارھروی نے بھی یہی لکھا ھےکہ یہہ قول اولیائے وقت ھی کے ساتھہ مخصوص ھے۔(۳٦) حضرت مجدد الفثانی کا بھی یہی ایقان ھےکہ یہہ حکم اس وقت کے اولیا کے ساتھہ ھی مخصوص ھے اور اولیائے متقدمین ومتاخرین اس حکم سے خارج ھیں ۔

شیخ حماد کے کلام سے بھی ظاھر ھوتا ھےکہ آپ کا قدم اس وقت کے تمام اولیا کی گردنوں پر ھوگا اور یہہ اولیائے متقدمین کے حق میں کیسے ھوسکتا ھے جس میں

صحابہ کرام بھی شامل ھین جو یقیناً حضرت شیخ سے افضل ھین - اور اولیائے متاخرین پر بھی کیسے جائز ہوسکتا ہے جس مین حضرت امام مہدی شامل ھین اور جن کے آنے کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ھے۔ اور ان کو خلیفۃ اللہ علی الارض فرمایا ہے۔

حضرت شمس الدین قادری حضرت شیخ کی عظمت اور مقام کی بابت لکھتے ہوئے حضرت کا یہ شعر پیش کرتے ھین جو آپ کے قصیدہ تائیہ مین موجود ہے۔

انا قطب اقطاب الوجود حقیقتہ

علی سائر الاقطاب قولی حرمۃ

مین حقیقت مین وجود کے تمام اقطاب کا قطب ھون اور سارے اقطاب پر میرا حکم چلتا ہے اور میرا اعزاز لازم ہے [۳۷] اس کے علاوہ آپ کا شعر ہے -

فاعطانی المولی اجل ولایۃ

فلم یعطہا غیری یوم القیامۃ

میرے مولی نے مجھے کو ولایت کا بہت ہی اونچا درجہ دیا ہے اور ایسا درجہ قیامت تک کسی کو نہ مل سکے گا [۳۸]

ہمارے اس مختصر تذکرہ سے حضرت کے مقام بلند کا اندازہ ہوتا ہے۔

" وما توفیقی الا باللہ "

(۵) قادری نظــــــام تصوف

۱- توحیـــــــد وجودی

اسلامی اور قرآنی تعلیمات کا نچوڑ توحیـد ہے اور تصوف کی روح اسی توحیـد کی ایک خاص تعبیر یا تعلیم " وحدة الوجود " خیال کی جاتی ہے اس لئے اس بات کا دعوی کیاجاتاہے کہ وجود واحـد (یا ایک) ہے۔ لیکن یہہ دراصل " وحدت موجود " کا دعوی نہیں ۔ یعنی موجودات کی حسی کثرت کی نفی یا انکار نہیں ۔ یہہ جس طرح معمولی فہـم کامسئلـه ہے اسی طرح مذاہب فلسفـه ادیان مختلفـه اور نظامات تصوف کا بھی کسی نہ کسی طرح مسلمہ ہے۔ سخت سے سخت وجودی بھی کسی نہ کسی طرح وحدت وجود کے ساتھہ کثـرت موجودات کا قائل ہوتا ہے۔

اسی طرح کثرت موجودات کی تہ میں وحدت وجود بھی معمولی فہـمـه مذاہب اورفلاسفـه سب کا ۔ حتی کہ سخت سے سخت مشرک کا بھی مسلمـه ہے۔ اسی لئے سب کو ان کثرت موجودات کی تـه میں واحد حقیقی کی جستجـو ہے۔ ہمارے علوم وسائنس تک میں اگر غور کیاجائے تو ان کی بنیـاد ہی اس کائنات کثرت کے پیچھے وحدت ہی کی تلاش ہے۔ البتہ کثرت محسوس ومشـاہد اور وحدت مجہول ومعقول ہے۔ بالفاظ دیگر کثیر حاضر اور واحد غائب ہے یا

غیب میں ہے۔

اصل مسئلہ وحدت وجود یا کثرت وجود کا نہیں بلکہ وحدت وکثرت حاضر وغائب محسوس ومعقول معلوم ومجہول حادث وقدیم خالق ومخلوق یا خدا وبندے میں ربط وتعلق کا سوال ہے۔ یعنی وحدت وجود اور کثرت موجودات میں جو تعلق ہے، اس کی کیفیت و نوعیت کیا ہے ورنہ وجود کے یہ دونوں پہلو یعنی وحدت وکثرت اپنی اپنی جگہہ بدیہی ہیں - ایک کی بداہت حسی ہے اور دوسرے کی عقلی - یعنی کثرت ہم کو بداہۃً محسوس ہوتی ہے اور وحدت اس کی تہ میں بداہتہً معقول - مثلاً سامنے درخت لگا ہے - کون نہیں دیکھتا کہ یہ سینکڑوں ہزاروں پھول پتوں شاخوں اور ریشوں کی کثرت ہے مگر ساتھہ ہی کون نہیں جانتا کہ یہ ساری کثرتیں ایک ہی وحدت یعنی ایک ہی درخت کی کثرتیں ہیں جو کسی نہ کسی طرح اس درخت کی وحدت سے تعلق رکھتی ہیں - اسی طرح ہزاروں لاکھوں درخت ایک ہی حقیقت شجریہ کی کثرتیں ہیں اور سارے ان گنت نباتات جمادات ایک ہی حقیقت جسمیہ کی کثرتوں یا مظاہر کا نام ہے۔ اسی طرح عالم آفاق سے عالم انفس کی طرف آؤ تو افکار وخیالات وجذبات و ارادت کے بے شمار صورتیں یا احوال شعور سب کی سب ایک ہی وحدت شعور یا وحدت نفس کی مختلف صورتوں کے سوا کچھہ اور نہیں -

صوفیہ صادقین کے نزدیک خالق کے علاوہ یا اس سے خارج کوئی دوسرا وجود ماننا " شرک فی الوجود " ہے یعنی وجود میں دوسروں کو خدا کا شریک قرار دینا ہے۔ جو ان کے نزدیک کمال توحید کے منافی اور ایک قسم کا چھپا ہوا شرک یا " شرک خفی " ہے لہذا ان کی تعلیم کی رو سے سارا عالم ایک ہی وجود کا ظہور یا محل ہے۔

گشت روشن حادث از نور قدم ۔ در حقیقت غیر حق باشد عدم

بود عالم جز نمودے بیش نیست ۔ شوز اوباب یقین بر ظن مایست

ہم اس بیان کی کسی قدر وضاحت کرتے ہیں :۔

صوفیہ وجود کے چار مراتب قرار دیتے ہیں

(۱) ذات (۲) صفات (۳) افعال (۴) آثار

مثلاً ایک لکھنے والے یا کاتب کی ذات ہے۔ دوسرے اسکی صفت کتابت ۔ تیسرے فعل کتابت ۔ چوتھے اس فعل کتابت کا اثر ۔ یعنی وہ حروف و نقوش جو اس سے ظاہر ہوتے ہیں ۔ اس طرح یہہ یہہ حروف یا نقوش ظہور ہیں فعل کتابت کا ۔ اور فعل کتابت ظہور ہے صفت کتابت کا اور صفت کتابت ظہور ہے ذات کاتب کا ۔ مختصراً یوں کہو کہ یہہ سارا سلسلہ ایک ہی ذات کا ظہور ہے۔ ایک ہی ذات ان مظاہر میں عیاں ہے۔

صوفیہ کے نزدیک یہی صورت ہمارے عالم کی تخلیق یا آفرینش کی ہے۔ یعنی کائنات کے سارے گوناگوں موجودات اور کثرتیں صرف واحد ذات حق کے ظہور یا ایک ہی وجود کے مختلف مظاہر ہیں ۔ کسی صوفی شاعر نے صوفیہ کے اس

ایقان کو کس قوت کے ساتھہ ادا کیا ہے:۔

حق ہست عیان دگر چہ تقریر کنم ۔ این است بیان کدام تفسیر کنم

تحصیل نمی توان نمودن حاصل ۔ من خواب ندیدہ ام کہ تعبیر کنم

البتہ اس قسم کی مثالوں میں قلم دوات کاغذ وغیرہ بیرونی اشیا" کی احتیاج معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے عمل ظہور یا تخلیق کی بہترین مثال ہمارا عالم تصورات یا عالم خواب ہوسکتا ہے دیکھو خواب میں ہماری واحد ذات کس نہ کس طرح ان تمام موجودات کی مختلف صورتوں میں ظہور کرتی ہے جن کو ہم بیداری میں اپنا غیر خیال کرتے ہیں ۔ اسی طرح جب ہم اپنے خیال یا تصور میں مختلف موجودات کا تصور کرتے ہیں تو ہر تصور ۔ تصور کرنے والی ذات ہی کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی اس تصور کا علم رکھنے والی ذات ہی اپنی معلومات کی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے ۔

اس مثال میں یہہ بات خصوصیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ گو ہمارے علم یا تصورات کی مختلف صورتیں خود ہماری ہی ذات کا ظہور ہوتی ہیں لیکن پھر بھی علم کی یہہ صورتیں عالم کی ذات کا عین نہیں ہو جاتیں ۔ گدھے۔ گھوڑے بندر زمین آسمان ہوا پانی وغیرہ کے تصور سے خود عالم کا

گدھا گھوڑا بندر وغیرہ ھوجانا لازم نہین آتا ۔ یعنی " معلوم " اپنی ذات کے لحاظ سے عالم کی ذات کا غیر ھوتی ھے۔ لیکن اپنے " وجود " کے لحاظ سے اس سے خارج نہین ھوتی ۔ صور علمیہ کا وجود ذات عالم سے الگ یا مستقل نہین پایاجاتا ۔ بالفاظ دیگر وجود واحد ھوتاھے اور اس کے ظہور کے مظاھر مختلف یا کثیر ھوتے ھین ۔

صوفیہ وجودیہ کے نزدیک یہی تعلق اس کائنات اوراس کے خالق مین ھے۔ سارے موجودات ظہور ھین معلومات باطنی صورتون کے اور علمی صورتین ظہور مین صفت علم کی اورعلم ظہور ھے ذات حق کا یا وجود واحد یعنی اللہ کا۔

محققین صوفیہ وحدت الوجود کے اس نظریہ کا جس کا اوپر بیان ھوا ھے اس آیت قرآنی سے استنباط کرتے ھین:۔

ھو الاول والا خر والظاھر والباطن	اللہ ھی اول ھے وھی آخر ھے
وھو بکل شئی علیــــــم ۔	وھی ظاھر ھے وھی باطن ھے
(پ ۲۷ ع ۱۷)	اور وہ ھرشئے کا جاننے والا ھے۔

حدیث مین اس آیت کی مزید تشریح آئی ھے: ۔

انت الاول فلیس قبلک شئی	توھی اول ھے لہذا تجھ سے پہلے کوئی شئے نہین
انت الاخر فلیس بعدک شئی	توھی آخر ھے لہذا تیرے بعد کوئی شئے نہین
انت الظاھر فلیس فوقک شئی	توھی ظاھر ھے لہذا تیرے اوپر کوئی شئے نہین
انت الباطن فلیس دونک شئی	توھی باطن ھے لہذا تیرے نیچے کوئی شئے نہین

(ابوداود ومسلم وترمذی وابن ماجہ)

اس آیت اور اس کی تشریحی حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر شے کا اول و آخر ظاہر و باطن اللہ تعالی ہی کی ذات یا اس کا وجود ہے۔ اس صورت میں ہر شے میں اللہ کے سوا کیا رہ جاتا ہے جس کو غیر اللہ کہا جا سکے۔ اس سے بڑھ کر وحدت الوجود یا خالق و مخلوق کی عینیت کیا ہو سکتی ہے اور بظاہر اس سے ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ یعنی ہر شے خدا یا عین خدا ہے مگر دیکھو ساتھ ہی "بکل شئی علیم" کی قید میں اس قرآنی وحدت الوجود کی طرف صاف صاف اشارہ فرمادیا کہ یہ حلول واتحاد کی وحدت ہرگز نہیں جس میں خدا اور بندے یا خالق و مخلوق میں کوئی غیریت نہیں رہ جاتی بلکہ یہ عالم (علیم) و معلوم بالفاظ دیگر ذات عالم اور اس کے معلومات کی وحدت ہے نہ کہ ذات عالم اور ذات معلومات کی ۔ اس طرح ذات عالم کو ذات معلوم کا نہ عین کہا جا سکتا ہے نہ غیر - یعنی باعتبار ذات عالم کی ذات معلوم کی ذات کی غیر ہے۔ لیکن باعتبار وجود معلوم کی ذات کا وجود عالم کی ذات کے علاوہ یا اس سے الگ ہوکر نہیں پایا جاتا بلکہ معلوم کا اول و آخر ظاہر باطن سب عالم ہی کا وجود ہوتا ہے۔

خلاصہ اس وحدت الوجود کا یہ ہے ایک وجود دو ذات یعنی وجود تو صرف ذات واحد یا عالم ہی کا ہے لیکن موجودات یعنی معلومات کی ذوات کثیر ہیں۔[1]

نظریہ وحدت الوجود کے معنی و مفہوم کا اس طرح تعین کرنے کے بعد ہم

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی تعلیمات کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور وہاں وحدت الوجود کے مختلف مفاہیم پر غور کرتے ہیں تاکہ حضرت کے صحیح مقصد تک پہنچ سکیں ۔

ملفوظات قادریہ میں شیخ جیلی ابتداً وحدت وجود کے معنی وجود غیر کو ملحوظ نہ رکھنے کے قرار دیتے ہیں جیساکہ عاشق اپنے وجود کو معشوق کے وجود میں فنا کردیتا ہے اور اس کو سوائے معشوق کے کچھ نظر نہیں آتا گو وہ خود موجود ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۔"محبت میں عاشق ہر چیز کو ترک کردیتا ہے۔ حتی کہ دنیا کے ساتھ آخرت کو بھی ۔ کیونکہ حقیقی محب یا عاشق تو وہ ہے جو اپنی ہستی سے بھی وحشت کرنے لگے اور بالکل اپنے وجود کو محو کردے۔ اس وقت سوائے خدا کے اس کی نظر میں کوئی نہیں آئے گا اور اپنے آپ کو بھی غیر حق نہ سمجھے گا ۔ جب وہ اس وہم میں کامل ہوجائے گا تو وہ جو کچھ کہے گا اس وقت ہوگا کہ

القول من العارف ککُن من اللــــه   "عارف کا قول بھی اللــه کے کُن کی طرح ہے" ۔

آ گے چل کر آپ فرماتے ہیں :-

" عشق مجازی میں بھی فنائے ہستی کے بعد وحدت وجود کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیساکہ مجنون لیلی کی محبت میں ہوگیا۔ یعنی اس کے اندر لیلی کی محبت اور الفت اس قدر راسخ وقائم ہوگئی کہ وہ خلق سے کنارہ کش ہوگیا اور تنہائی

اختیار کرلی وحشی جانوروں اور پرندون کے ساتھہ میل جول اور دوستی پیدا کرلی اور بستی سے بھاگ کر ویرانہ میں پناہ لی - ایک دن کسی نے اس سے پوچھا تو کون ہے جواب دیا - میں لیلی ہون - پھر پوچھا کہان سے آیا ہے اورکہان جائیگا جواب میں پھر وہی کہنے لگا کہ میں لیلی ہون - پوچھا کہ لیلی کہان ہے جواب میں پھر کہا کہ میں لیلی ہون - گویا کہ وہ غیر لیلی کو دیکھنے سے اندھا ہوگیا تھا - اورلیلی کے سوا کسی آواز کے سننے سے بہرا ہوگیا تھا - ملامت کرنیوالون کی ملامت اس کو عشق لیلی سے باز نہ رکھہ سکی کیونکہ مجنون خود عین لیلی ہوگیا تھا "-

حضرت غوث اعظم عاشق حقیقی کو عاشق مجازی سے تشبیہہ دیتے ہیں کیونکہ عاشق مجازی بھی معشوق مجازی کی محبت میں سب کچھہ ترک کردیتا ہے اور فرماتے ہیں کہ عاشق حقیقی کے لئے بھی لازم ہے کہ عاشق مجازی سے کم نہ رہے - تاکہ عشق حقیقی میں وہ صادق ثابت ہو - اسی لئے وجود یہ کا یہی دعوی ہے کہ وجود ایک سے زیادہ نہیں گو دنیا وآخرت کے موجودات مختلف و متنوع ہیں تاہم یہہ سب مظاہر ہیں اور تعدد مظاہر میں ہوتا ہے ظاہر میں نہیں مثلاً اگر آفتاب کے مقابل ہزار آئینے رکھے جائیں تو ہر آئینہ میں آفتاب نظر آتا ہے اگر تمام آئینے فنا ہوجائیں تو آفتاب کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تعدد آئینوں میں ہے آفتاب میں نہیں - فافہم واطلم (۲)

ملفوظ قادریہ میں اس سلسلے میں ایک حکایت پیش کی گئی ہے:-

ایک شخص کسی شہر میں بردہ فروشوں کے بازار سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک نوجوان حسین لونڈی پر پڑی - اس کا اس پر اتنا دل آگیا کہ وہاں سے ہٹ کر آنا تو کجا اپنی نظر ہٹانے پر بھی قادر نہ ہوسکا - اس کا ایک نہایت قیمتی گھوڑا اور کچھ ہزار دینار تھے- اس کے کپڑے ریشم کے تھے- تلوار میں بھی بہت سا سونا لگا ہوا اورجواہرات جڑے ہوئے تھے- اس کے علاوہ ایک غلام حبشی بھی اس کے ساتھ تھا - اس طرح یہ اپنی ساری دولت اور پوری شان کے ساتھ لونڈی فروخت کرنے والے کے سامنے آیا اور اس کی قیمت پوچھی - فروخت کرنے والے نے دیکھا کہ اس کا حال تو کچھ مختلف ہے اور وہ لونڈیا کے عشق میں دیوانہ ہوگیا ہے- اس لئے اس نے کہا کہ اس لونڈی کی قیمت بہت زیادہ ہے- اس عاشق صادق نے کہا کہ یہ میری ساری دولت نذر ہے- اس طرح اس عاشق زار نے اپنا سارا مال واسباب اس کی نذر کردیا - جسم پر ایک تار بھی رہنے نہ دیا اور پھر اس سے ایک پیرہن عاریتاً مانگ کر پہن لیا -

اس حکایت کو بیان فرماکر شیخ جیلی فرماتے ہیں کہ عاشق حقیقی کی حالت بھی ایسی ہی ہونی چاہئے- اس کو دنیا تو کیا آخرت بھی اپنے یار کوں کے قدموں پر نثار کرنے پر تیار ہونا چاہئے- اگر اس کی یہ حالت

نہین تو وہ عاشق حقیقی نہین - اور وہ شرک جلی وخفی سے پاک نہین - البتہ اس مقام انکسار پر پہنچنے کے بعد وہ اپنے محبوب کو ہر مظہر مین بے نقاب دیکھنے لگتا ہے- اس لئے طالب حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا وآخرت کی شہوتون اور لذتون سے اپنے نفس وقلب کا تزکیہ وتصفیہ کرلے اور پہرا پنے وجود یعنی اپنی ہستی کو بہی حق کے وجود مین فنا کردے اور وحدت وجود کا عقیدہ اپنے دل مین مضبوطی کے ساتہہ قائم کرلے اور شریعت محمدیہ صلعم کی ظاہر مین بہی پوری پوری محافظت کرے- اور ایک آن واحد کے لئے بہی شریعت کے دائرے سے قدم باہر نہ نکالے ۔[٣]

خود حضرت غوث اعظم کا بہی یہی مقام تہا چنانچہ ابومحمد طس بن ادریس یعقوبی نے بیان کیا ہے کہ شیخ ابوالحسن علی بن ہیتی سے حضرت غوث اعظم کے طریقہ کا حال دریافت کیا گیا - شیخ نے بیان کیا کہ حضرت غوث اعظم بضمیر مدد وقوت خود ہر امر کو اللہ جل شانہ کے تفویض کرتے ہین - آپ کا طریقہ تجرید - توحید اور تفرید ہے- آپ کو مقام عبدیت مین مع اسرار عبدیت حضوری حاصل ہے- آپ کو کمال رویت کا ملاحظہ ہے- آپ ایسے بندے ہین جو کثافت تفرقہ سے صاف ہو کر جمع تک باوجود پابندی احکام شریعت کے بلند ہوئے ہین -

شیخ عدی بن مسافر نے کہا ہے کہ آپ کا طریق بموافقت روح وقلب

واتحاد ظاہر وباطن ۔ قضا وقدر کی فرمان برداری ہے۔ آپ کا طریق صفات نفس اور نفع وضرر اور قرب وبعد سے علحدگی ہے۔

شیخ بقا ابن بطو بیان کرتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم کا طریقہ اتحاد قول وفعل اور اتحاد نفس وقلب اور اتحاد اخلاص وتسلیم تھا ۔ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم سے ہر لحظہ خطرہ نفس و وارد حال پر حکم کرتے تھے۔ آپ کو ہر آن اللہ جل شانہ کے ساتھ ثبات تھا ۔[۴]

شیخ عارف ابوالحسن علی القریشی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کا طریق یہ تھا کہ آپ کو از روئے وصف وحکم وحال کے توحید تھی ۔ شریعت پر ظاہراً اور باطناً ثبات اور قیام تھا۔ اغیار سے قلب آپ کا فارغ تھا ۔ آپ اللہ جل شانہ کا ایسے اسرار کے ساتھ مشاہدہ کرتے تھے جس میں شکوک کو دخل نہ تھا۔ آپ جملہ اہل طریق سے شدت ولزوم میں قوی تھے۔

مشائخ نے بیان کیا ہے کہ ایک دن حضرت غوث اعظم نے فرمایا کہ میرے نفس نے تنگی کی اور طالب راحت وفرحت ہوا مجھ سے کہا گیا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ میں نے کہا " ارادہ کرتا ہوں کہ مجھے ایسی موت آئے جس میں حیات نہ ہو اور ایسی حیات ملے جس میں موت نہ ہو " ۔ دریافت کیا گیا وہ موت جس میں حیات نہ ہو اور وہ حیات جس میں موت نہ ہو کیا ہے میں نے کہا جس موت میں حیات نہیں وہ میرا ایسا مرنا ہے جس میں ضرر اور نفع اپنی جنس مخلوق کا نہ

دیکھوں - اپنے نفس وخواہش اور دنیا وآخرت سے ایسا مروں کہ ان سب میں پھر مجھے حیات نہ ہو - لیکن حیات جس میں موت نہ ہو وہ یہ ہے کہ فضل رب جل شانہ کے ساتھ پھر میرے اپنے وجود کے مجھے حیات ہو اور اللہ جل شانہ کے ساتھ میرے وجود کا ہونا موت ہے" - گویا حضرت کا حال اللہ جل شانہ کے ساتھ ترک اختیار اور سلب ارادہ تھا (۵)

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے یہی لکھا ہے کہ

تسلیم وتفویض اور توحید کامل حضرت کا خصوصی حال تھا - کبھی کبھی تسلیماً اس حال اور مقام کی تشریح فرماتے تھے - وہ درواصل آپ کا حال تھا

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران - گفتہ آید در حدیث دیگـــران

فتوح الغیب میں ایک موقع پر آپ توحید الوھیت و توحید فی الافعال کے ذاتی تجربہ کو اس طرح واضح فرماتے ہیں :-

" جب بندہ کسی بلا میں مبتلا کیاجاتاہے تو پہلے وہ خود اس ســے نکلنے کی کوشش کرتا ہے - اگر نجات نہیں پاتا تو مخلوقات میں سے اوروں ســـے مدد مانگتا ہے - مثلاً بادشاہوں یا حاکموں یا دنیاداروں یا امیروں سے اور درد دکھ میں طبیبوں سے - جب ان سے بھی کام نہیں نکلتا تو اس وقت اپنے پروردگار کی طرف دعا اور گریہ وزاری - حمد وثنا کے ساتھ رجوع کرتا ھـــے - (یعنی) جب تک اپنے نفس سے مدد مل جاتی ہے - خلق سے رجوع نہیں کرتا اور

جب تک خلق سے مدد مل جاتی ہے خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا - پھر جب خدا کی طرف سے بھی کوئی مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہوکر) خدا کے ہاتھوں میں آ رہتا ہے اور ہمیشہ سوال دعا اور گریہ وزاری اور سفارش واظہار حاجمندی امید وبیم کے ساتھ کیا کرتا ہے - پھر خدا اس کو دعا سے بھی تھکا دیتا ہے اور قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ کل اسباب (منقطع ہوجاتے ہیں اور وہ سبب) سے علحدہ ہوجاتا ہے اس وقت اس میں (احکام) قضا وقدر کا نفاذ ہوتا ہے اور اس کے اندر (خدا اپنا) کام کرتا ہے - تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے ہوا ہوجاتا ہے اور وہ صرف روح رہ جاتا ہے - اسے فضل حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور وہ ضرور بالضرور صاحب یقین موحد ہوجاتا ہے - قطعی طور پر جانتا ہے کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی (کچھ) کرنے والا ہے اور نہ حرکت وسکون دینے والا - نہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی ہے اور نہ برائی - نفع ونقصان - بخشش وحرمان - کشائش وبندش - موت وزندگی عزت وذلت - غنا وفقر - اس وقت (احکام قضا وقدر میں) بندے کی یہ حالت ہوتی ہے جو شیر خوار بچے کی دایہ کی گود میں - یا مردے کی غسال کے ہاتھ میں یا (پولو کا) گیند سوار کے قبضے میں جس کے ہاتھوں الٹا پلٹا جاتا بگاڑا بنایا جاتا ہے - اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوتی نہ اپنے لئے نہ کسی اور کے لئے یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس سے غائب ہوجاتا ہے

اور اپنے مالک اور اس کے فضل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے نہ کچھ سوجھتا سمجھتا ہے۔ اگر دیکھتا ہے تو اس کی صفت اور اگر سنتا ہے تو اس کا کلام اس کے علم سے (ہر چیز کو) جانتا ہے۔ اس کی نعمت سے لطف اٹھاتا ہے اس کے قرب سے سعادت پاتا ہے۔ اس کے تقریب (جانبدہ) سے آراستہ ہوا ستہ ہوتا ہے۔ اس کے وعدے سے خوش ہوتا ہے۔ سکون پاتا اور اطمینان حاصل کرتا ہے اس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے۔ اس کے غیر سے وحشت ونفرت کرتا ہے۔ اس کی یاد میں سرنگون ہوتا ہے اورجی لگاتا ہے۔ اس کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے ۔ اس کے نور معرفت سے ہدایت پاتا ہے اور اس کا خرقہ اور لباس پہنتا ہے۔ اس کے علوم عجیب ونادر پر مطلع ہوتا ہے۔ اس کی قدرت کے اسرار سے مشرف ہوتا ہے۔ اس کی ذات پاک سے (ہدایات) سنتا اور اسے یاد رکھتا ہے۔ پھر ان (نعمتوں) پر حمد وثنا و شکر وسپاس کرتا ہے[٦]

اس التباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ " توحید فعلی " حضرت غوث کا مسلک ہے۔ فنائے ہوئی فنائے خلق کے بعد فنائے ارادہ کی تعلیم بار بار فتوح الغیب کے صفحات میں پیش کی گئی ہے۔ لیکن آپ یہیں پر رک نہیں جاتے " توحید ذاتی" کی تعلیم بھی واضح طور پر دیتے ہیں ۔ ملفوظات قادریہ کے چند التباسات سے یہ چیز واضح ہوجائے گی ۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:-

هو الاول والآخر   وہی اول ہے۔ وہی آخر ہے

والظاهر و الباطن	وهی ظاهر هے۔ وهی باطن هے
کل ذا لک هو لا غیره	سب کچهه وهی هے نه اس کے سوا کوئی اور
احقق هذا بقلبک	اس عقیدے کا اپنے دل میں اقرار کر
واحسن معاشرة الخلق بظاهرک	اور اپنے ظاهر کے ساتهه خلق سے اچهی طرح مل جل ۔

اس کا مطلب یهه هے کہ شریعت کے دائرے میں رہ کر مراقبه میں بس حق تعالیٰ هی کو دیکهو ۔ چنانچه مراقبه وجود کے بیان کے سلسله میں هم نے اوپر دیکها هے که آپ سالک کو تاکید فرماتے هیں که وہ همیشه " لیلاً ونهاراً وسراً وجهاراً " عاشق وار مشتاق دیدار اپنے باطن میں اور خلا وملا میں یهی جانے اور دیکهے که " هو الاول والاخر والظاهر والباطن کل ذالک هو وغیره "

جس شخص کا یهه مراقبه قائم هو جاتا هے اس کا مکاشفات کا دروازه کهل جاتا هے اور عجیب عجیب اسرار الهیه کا انکشاف هونے لگتا هے۔ اور وہ محسوس کرنے لگتا هے که اس نے جو نغمه یهی نکل رها هے۔ اس کے هر راگ میں ایک شیرینی هے حلاوت هے (یے) اس لئے یهاں علی کی ضرورت هے اور یهه علی مراقبه وجود هے۔ مطمح ظهت هے۔ دید نظری هے۔ انهی امور کی روشنی میں ایک رباعی کے ذریعه جامی نے یوں اظهار حقیقت فرمایا هے۔ رباعی

خواهی که شوی داخل ارباب نظر ۔ ازقال بحال بایدت کرد گذر

ازگفتن توحید موحد نشوی ۔ شیرین نشود دهان از نام شکر

توحید ذاتی یا وحدت وجود کو ملفوظ قادریہ میں دوسری جگہہ یوں پیش فرماتے ہیں : -

لا سما ولا ارض ولا ساکن	نہ تو آسمان ہے اور نہ زمین ہے نہ انکے
فیہما الا ہو -	بیچ میں کوئی رہنے والا ہے سوائے اس ذات کے -

اس کے علاوہ قصیدہ عینیہ کے یہہ اشعار بھی اسی عقیدے کی تائید کرتے ہیں:-

وما الخلق فی التمثال الا کثلجۃ	عالم کی مثال برف کی سی ہے
فانت لہا الماء الذی ہو نابع	اور اسکی حقیقت پانی ہے جسکے یہہ تابع ہے
فما الثلج فی تحقیقنا غیر مائہ	ہماری تحقیق میں برف کچھہ نہیں سوائے اسکے پانی کے -
وغیر ان فی حکم دعتہ الشرائع	البتہ شریعت کے فیصلہ کے لحاظ سے دونوں غیر ہیں - (برف اور پانی) -
ولاکن یذہب الثلج یرفع حکمہ	مگر جب برف گھل جاتی ہے تو یہہ فیصلہ بھی ختم ہوجاتا ہے-
ویوضع حکم الماء والا مر واقع(۸)	اور صرف پانی کا فیصلہ رہ جاتا ہے اور جو حقیقت حال ہے وہ ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی -

یہاں حضرت غوث اعظم نے خلق کی تشبیہہ برف سے دی ہے یعنی برف پگھلنے کے بعد جب پانی ہوجاتا ہے تو اس کو برف نہیں کہتے یعنی جب سالک سے صفات بشریہ رفتہ رفتہ زائل ہوجاتے ہیں اور وہ اپنی ذات سے فنا اور ذات حق سے بقا پاتا ہے یا دوسرے الفاظ میں وہ فنا الفنا کے درجہ پر

پہنچ جاتا ہے تو صفات الہی اس کے اندر اثر کرجاتے ہیں ۔ اور اس کے تسمیے کے طور پر وہ بعض اوقات " انا الحق " کہہ اٹھتا ہے۔ لیکن تزکیہ نفس اور تصفیہ دل مجاہدے اور ریاضت کے بعد جب روح میں جلا آتی ہے بعض تمام اذکار ناسوتی ملکوتی جبروتی اور لاہوتی کے درجے وہ طے کرلیتا ہے اور صفات قدسیہ کا مشاہدہ کرلیتا ہے تو وہ " راز درون پردہ " کو پالیتا ہے اور اس راز کا اظہار وہ مختلف طریقوں سے کرنے لگتا ہے۔ بعض دفعہ چیخ اٹھتا ہے: —

لیس فی جبتی سوی اللہ   میرے جبہ میں سوائے خدا کے کچھ نہیں

گویا کہنے والا اپنے مظہر میں غیر کی تجلی نہیں دیکھتا لیکن اس کلام میں دوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جبہ اور متکلم ایک نہیں ۔

بعض وقت وہ چلا تا ہے : —

" سبحانی ما اعظم شانی "

لیکن یہاں بھی وہ اپنے مظہر میں مقید سا معلوم ہوتا ہے لہذا اس کلام میں بھی دوئی ہے کیونکہ " شان " اور "متکلم " ایک نہیں ۔

بعض مستوں نے پکارا :—

" قسم باذنی "

یہاں بھی دوئی کا نشان موجود ہے۔

دوئی کی واضح مثال دیکھنے کے لئے ہمیں لازم ہے کہ بعض صوفیائے کرام

کے اس قول کو پیش نظــــر رکھیں :-

ھو فی الخلق کالطیب فی السورد   وہ مخلوق میں ایسا ہے جیسا کہ
خوشبـــو گلاب کے پھول میں -

اس کلام سے بہی غیریت اور دوئی کا پتہ چلتا ہے کیونکہ خوشبو پھـــول

سے غیر ہوتی ہے-

بعض صوفیہ نے کہا :-

ھو فی العالم کالملح فی الدقیق   وہ عالم میں ایسا ہے جیسا آٹے میں نمک-

اس میں بہی اثنیت صاف نظـــر آتی ہے--

اس طرح ہم بادہ توحید کے مستوں کے کلام پر نظر ڈالیں تو ان میں

کچھہ نہ کچھہ شرکہ خفی کا پتہ چلتا ہے- یاوہ کلام اتنا تام نہیں جو اس

نازک مسئلہ کی پوری طرح وضاحت کرسکے- لیکن شیخ جیلی نے خلق کی

برف سے جو تشبیہہ دی ہے وہ اصل مقصود کی پوری ترجمانی کرتی ہے- کیونکہ

برف اورپانی میں کوئی فرق نہیں - ہر دو ایک ہیں - اور کس طرح ان میں

دوئی نہیں پائی جاتی کیونکہ برف کی اصل پانی ہے-

جب صفات بشریہ بالکل فنا ہوجاتے ہیں تو " اناالحق " کا دعوی

درست ہوجاتا ہے -

چون نہستی تو شد محقق - آید زتو نعـــرہ اناالحق

یعنی سالک اپنے وجود سے بالکل فنا ہوجاتا ہے اور " ھو " ہوجاتا ہے۔
یہی " توحید مطلق " ہے اسی کا نام وحدت الوجود ہے۔

وحدت الوجود کے مسلک کی وضاحت میں حضرت شیخ کا ایک اور بہی شعر نہایت واضح ہے: -

" وماالخلق فی التمثال الا کدحیۃ ۔ تصور روحی فیہ شکل مخادع "[۹]

یعنی جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی الٰہی لے کر مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں نمودار ہوتے تھے اور اپنی حقیقت کو پردہ راز میں مستور کیا کرتے اسی طرح اس کائنات کے مظاہر و صور میں حقیقت الحقائق پوشیدہ ومستور ہے۔ لہـــذا

ع - " ماہمہ العیان الا الا ذعان "

حضرت شیخ کی تاکید کا کہ دنیا اور اہل دنیا بلکہ آخرت کو بہی دوست نہ رکھو راز یہہ ہے کہ عاشق حقیقی اپنے وجود سے بہی وحشت کرتا ہے اور اس صورت میں وہ اپنے محبوب تک پہنچ سکتا ہے۔ یہہ تاکید اسی مسلک عشق کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔ یعنی عاشق کی مثال مجنون کی سی ہوتی ہے جو لیلی کی محبت میں اس قدر محو ہوگیا تھا کہ اس کے پاس سب کچھــــ لیلی ہی لیلی تھا ۔ وہ خود بہی لیلی تھا اور غیر لیلی اس کے پاس " عدم ملفوظ " تھا ۔ کیونکہ عشق کا کام ہی یہہ ہے کہ محبوب کے سوا اور

تمام اشیاء کو جلادیتی ہے :-

" العشق ھو نار یحرق ما سوی المحبوب "

اس طرح جب محب حقیقی اپنے صفات بشریہ کو محبوب حقیقی کے عشق میں فنا کردیتا ہے تو اب جو چیز اس میں باقی رہ جاتی ہے وہ محبوب حقیقی کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے اور اس طرح اس کا دعوی " انا المحبوب " بجا ہوتا ہے۔(۱)

کیا خوب کہا ہے کسی سوختہ جان نے :-

سر بسر طاعت عبادت را بسوز
آتش عشق از درون خود فروز

عشق آن شعلہ است کان چون فروخت
ہر چہ جز معشوق باشد پاک سوخت

حضرت شیخ نے وقت آخر اپنے صاحبزادے عبدالوہاب کو اپنے نزدیک بلاکر کچھ وصیتیں فرمائی تھیں - ان میں سے بعض یہ ہیں :-

" تقوی کو لازم کرلو - ہمیشہ طاعت حق میں رہو - غیر حق سے نہ خوف رکھو نہ امید - اپنی تمام حاجتیں حق تعالی ہی کے تفویض کردو اور اسی پر بھروسہ اور اعتماد کرو " -

اور آخر میں تین بار تاکیداً واصراراً فرمایا :-

" التوحید التوحید التوحید "

تین بار توحید کی تکرار میں نکتہ یہہ ہےکہ
توحید کی اول منزل عشق ہے۔ دوم فنافی اللہ اور سوم بقا باللہ ـ(۱)

ان تمام اقوال واحوال سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہےکہ حضرت شیخ جیلی کا مسلک وحدت الوجود ہے۔ چنانچہ ہمارے اس خیال کی تائید مخازن قادریہ کےمصنف حضرت شمس الدین بن ولی اللہ کی اس تحقیق سے ہوتی ہےجو انہوں نےاپنی بے نظیر تصنیف میں پیش کی ہے اورجس سے ہم نے اس مقالہ میں نادر استفادہ کیا ہے۔

شعر ہے :-

در کون ومکان نیست عیان جز یک نور
ظاهر شده آن نور بانواع ظهور
حق نور تنوع ظهورش عالم
توحید همین است دگر وهم وغرور
(جامی)

اس سارے بیان کا خلاصہ یہی نظر آتا ہےکہ وجود ایک ہے اور وہ حق تعالیٰ کا وجود ہے اس کےسوائےجو کچھہ ہےوہ عدم ہے عدم اضافی تمام ممکنات فی نفس الامر اولیائےکرام کی نظر کشفی میں اعدام اضافیہ ہیں مگر بوجہہ کمال صنعت حضرت رب العزت (صنع اللہ التی اتقن کل شئی) یہہ اعدام

گویا شیشے ہیں جن میں آفتاب وجود حضرت رب معبود کا عکس نمایاں ہے۔
جو شیشہ پاک وصاف وصیقل اور سیدھا ہوتا ہے اس میں عکس بھی سیدھا
نظر آتا ہے اور اگر شیشہ میلا ہے یا ٹیڑھا ہے یا بالکل ہی تاریک ہے تو
عکس بھی اسی کے موافق اس میں پڑتا ہے۔ اب اس عکس کا صحیح نظر
آنا دو امور پر موقوف ہے -

(۱) قلب کے تصفیہ پر کہ دل کو ماسوی اللہ سے حب وطمع تعلق نہ رہے اور
طالب عاشق حق تعالی کے ذکر میں ایسا مصروف ہوجائے کہ اپنے آپ کو بھول
جائے جو محتوی ہے اس آیت کریمہ کا ۔ " اذکر ربک اذا نسیت "

(۲) نفس کا تزکیہ یعنی رذائل اخلاق اور عادات قبیحہ سے نفس پاک
ہوجائے اور ارتقا کے زینے طے کرکے مقامات فنا ومراتب بقا کو طے کرلے۔ " قد افلح من زکیہا "
حضرت غوث نے فتوح الغیب میں ان امور کو فنائے خلق فنائے ہوی اور
فنائے ارادہ سے تعبیر کیا ہے (دیکھو قول چہارم فتوح الغیب) ۔ یہ امور ریاضت
شاقہ اور مجاہدہ کامل پر موقوف ہیں ۔ " والذین جاھدو فینالنہدینہم سبلنا "۔
ظاہر ہے کہ یہ مجاہدہ اتباع شریعت کے موافق کیا جانا چاہئے۔ ایسے مجاہدہ سے
کشود کار ہوتا ہے مایوسی کو یہاں دخل نہیں ۔

تو مگو مارا بدان شہ بار نیست ۔ با کریمان کارہا دشوار نیست

اس مجاہدہ کی برکت سے طالب کو ذکر حق سے قلب میں ذوق وحلاوت کا

احساس شروع ہوجاتا ہے اور اس ذوق کے بعد شوق اور شوق کے بعد محبت پیدا ہوتی ہے اور جب محبت اپنے کمال کو پہنچتی ہے تو عشق پیدا ہوتا ہے اور عشق جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا محبوب کے سوا تمام اشیاء کو جلادیتی ہے۔ اس آگ کے شعلہ زن ہونے پر توحید کا علم کھلتا ہے اور محبوب کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا اور عاشق چیخ اٹھتا ہے:۔

چنان فراخ نشستہ است یار در دل تنگ

کہ ہیچ زحمت اغیار در نمی گنجد

٢- رویت باری تعالیٰ

رویت باری تعالیٰ کے بارے میں اہل اسلام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ متکلمین اس کو صرف علم اور دلیل سے ثابت کرتے ہیں - ان کے نزدیک رویت باری تعالیٰ دنیا میں دل کی آنکھ سے اور آخرت میں سر کی آنکھوں سے ممکن ہے۔ لیکن فرقہ معتزلہ جہمیہ زیدیہ اور بعض فلسفی اور خوارج کہتے ہیں کہ رویت نہ دل کی آنکھوں سے ممکن ہے اور نہ سر کی آنکھوں سے کسی طرح بھی ممکن نہیں - کیونکہ رویت میں مقابلہ شرط ہے اور مقابلہ کے لئے شے مرئی کا محدود ہونا ضروری ہے اور خدائے تعالیٰ ہر حد وجہت سے ماوریٰ ہے۔ وہ اپنے بیان کی تائید میں ان آیات قرآنیہ کو پیش کرتے ہیں :-

لا تدرکه الابصار و هو یدرک الابصار - (پ ٧ ع ١٩)	اس کو آنکھیں نہیں پاسکتیں ہاں وہ آنکھوں کو پاسکتا ہے۔
قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی - (پ ٩ ع ٦)	(موسیٰ نے) کہا تو مجھے اپنی ایک جھلک دکھلادے کہ میں تجھے دیکھوں - (خدا نے موسیٰ سے کہا) تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔
فقد سالوا موسیٰ اکبر من ذالک فقالو ارنا الله جهرةً فاخذ تهم الصعقة بظلمهم (پ ٩ ع ١)۔	موسیٰ کی قوم نے اس سے بڑھکر کہا تھا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھلادو تب ان کی شرارت کی وجہ سے بجلی نے لے ڈالا۔

اذ قلتم یموسیٰ لن نؤ من لک حتی نری اللہ جھرۃً فاخذتکم الصاعقہ ۔
(پ ۱ ع ٦)

جب تم نے موسیٰ سے کہا تھاکہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائین گے جب تک خدا کو آنکھون سے نہ دیکھہ لین اس لئے تم پر بجلی گری ۔

ان الذین لا یرجون لقاء نا الخ
(پ ۱۱ ع ۵)

وہ لوگ جو ہماری لقا کی امید نہین رکھتے ۔۔۔۔۔۔ الخ

ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من وراء حجاب
(پ ۲۵ ع ۵)

کسی بشر کی یہہ مجال نہین ہے کہ خدا خود اس سے باتین کرے سوائے اس کے کہ وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے۔

ان آیات سے یہہ استدلال کیاجاتاہے کہ رویت باری تعالی کسی صورت ممکن نہین ۔ لیکن جمہور متکلمین کہتے ہین کہ ان آیتون سے رویت باری تعالی کا محال ہونا ثابت نہین ہوتا ۔ بلکہ اس سے مراد کچھہ اور ہے ۔ قیامت کے دن تو خدائے تعالی مومنون کی آنکھون مین ایک ایسی قدرت اور طاقت عطا کریگا کہ جس سے وہ اس کو بلاکیفیت اور مقابلہ دیکھہ سکینگے اور آنکھہ مین اس کا عکس پڑنے وغیرہ کے جو شرائط دنیا مین لازمی ہین ان کی وہان ضرورت نہ ہوگی ۔ قیامت کی تو اور بات ہے دنیا مین بھی بعض اولیاء کا خدا کو ان سر کی آنکھون سے دیکھنا مروی ہے جیسا کہ آئندہ اس کا بیان آتا ہے۔ نیز جبرئیل علیہ السلام جب خدا کو ہمیشہ دیکھتے ہین تو

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت " لاتدرکہ الابصار " عام لوگوں کے لئے ہے یا اس
کا مفہوم صرف یہہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح دنیا کی چیزوں کو دیکھا جاسکتا
ہے اس طرح اس کو نہیں دیکھا جاسکتا ۔

دوسرے یہہ کہ منطقی اعتبار سے یہہ قضیہ مہملہ ہے اور قضیہ مہملہ
اگر لفظ کل اور بعض سے (جس کو علم منطق میں سُوَر کہتے ہیں) الگ کردیا
جائے تو اس میں قوت جزئیہ کی پیدا ہوجاتی ہے تو اس میں ابصار سے مراد
بعض ابصار ہونگے۔ یعنی کافروں کے ابصار ۔ اور " لن ترانی " کی جو آیت
پیش کی جاتی ہے اس کی تفصیل یہہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر
خدا سے کہا تھا " رب ارنی (ذاتک فی الدنیا) " تو اپنی ذات کو مجھے
دنیا میں دکھادے تو خدا سے جواب ملا " لن ترانی " یعنی " لن ترانی
موجودک فی الدنیا " یعنی تو دنیا میں اپنا وجود قائم رکھکر مجھے دنیا
میں نہیں دیکھہ سکتا ۔ گویا خدا کا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے آپ کو نہ دکھلانا
مشروط تھا۔ اگر اس کی رویت واقعی وقطعی محال ہوتی تو وہ کہتا " لا تصح
رویتی " میری رویت ممکن نہیں اس کے علاوہ حضرت موسیٰ نے حق تعالی کی اجازت
حاصل کئے بغیر اس کی رویت طلب کی تھی ۔ اور تمہید کے بعد توبہ کرلی ۔
توبہ کرنا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رویت ممکن نہیں اور کلمہ " لن " تاکید
کے لئے ہے نہ کہ تابید کے لئے ۔

تیسری آیت " فقد سالوا موسی " جو پیش کی جاتی ہے اس کا جواب یہہ ہے کہ کافرون پر اللہ تعالی نے بجلی گرائی اس وجہہ سے کہ انہون نے آشکارا طریقہ پر رویت طلب کی تہی جو لفظ " جہرۃً " سے ثابت ہے تو یہہ تمسخر تہا اور اس تمسخر کا جواب بجلی کی صورت مین دیا گیا۔

" ان الذین لا یرجون لقاء نا " کی آیت تو اس مین صرف کفار کے عقائد کا بیان ہے وہ تو حشر اور نشر کے بہی منکر ہین ان کا بیان حجت کیسے قابل نہین ہوسکتا ۔

البتہ " ماکان لبشر " والی آیت کے متعلق یہہ کہا جاسکتا ہے کہ وحی ایک ایسا کلام ہے جو بہت جلدی کے ساتہہ سنا جاتا تہا ۔ چاہے بات کرنے والا بات کے وقت پردہ مین رہے یا نہ رہے۔ سننے والے کو نظر آئے یا نہ آئے۔ رویت کی اس مین نفی نہین اگر اس مین بتلادیا جاتا کہ رویت باری تعالی ہر جگہہ ممکن ہے تو یہہ ہر ایک کے لئے ضروری ہوجاتی ۔ جب لازم باطل ہے تو ملزوم بہی باطل ٹہہرا [1]

اب ہم ان آیات واحادیث کو پیش کرینگے جن سے رویت باری تعالی کا اثبات ہوتا ہے۔

ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی ۔ (پ ۹ ع ٦)

تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو (ہم اس پر اپنی تجلی کرتے ہین) پس اگر (پہاڑ) اپنی جگہہ پر قائم رہے تو (سمجہنا) کہ مجہے دیکہہ سکوگے۔

یعنی حق تعالی نے اپنی رویت سے انکار کے عوض اس کو مشروط کردیا ایک ایسی شرط پر جو ممکن الوقوع ہے۔ کیونکہ پہاڑ اس وقت لرزرہاتھا اور وہ پارہ پارہ نہین ہواتھا تو رویت اس کے استقرار پر موقوف رکھی گئی ۔

فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکاً و خر موسی صعقاً ۔ (پ ۹ ع ٦)

پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو چکنا چور کردیا اور موسی بے ہوش ہوکر گر پڑے۔

یعنی جب تجلی ہوئی اور اس کے نتیجہ مین (تاب تجلی نہ لاکر) پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تو دعوائے عدم رویت اس سے غلط ٹھہرا مخلوق کا تاب تجلی نہ لانا اور امر ہے مگر اس سے انکار رویت کا استدلال کیسے کیاجاسکتاہے۔

للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ ۔ (پ ۱۱ ع ۷)

جن لوگون نے (دنیامین) بھلائی کی ان کے لئے (آخرت مین) (اسکا بدلہ) بھلائی ہے (بلکہ) اور کچھہ بڑھکر بھی ہے۔

تو یہہ بھلائی یا اچھا بدلہ بہشت ہے اور اس پر اضافہ رویت باری ہے کیونکہ جنت سے بڑھکر اگر کوئی نعمت ہوسکتی ہےتو رویت باری ہی قسور پاتی ہے۔

اسکے علاوہ یہہ آیت تو اس امر کو صاف طور پر واضح کرتی ہے:۔

وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ (پ ۲۹ ع ۱٦)

اس روز بہت سے چہرے تو تر و تازہ بشاش ہونگے اور وہ اپنے پروردگار کو دیکھہ رہے ہونگے۔

اس آیت مین لفظ " الیٰ " سے واضح ہورہا ہے کہ دیکھنا سر ہی کی آنکھ سے ثابت ہے۔ مگر معتزلہ کا استدلال ہے کہ " ناظرہ " بمعنی " منتظرہ " ہے۔ اور الیٰ بمعنی " نعمت " ہے اور الیٰ حرف جار نہین ۔ تو اس کا جواب یہہ ہوسکتا ہے کہ دارالنعیم یعنی جنت مین ہر قسم کی نعمتین تیار رہتی ہین تو پھر وہان انتظار کے کیا معنی ہین ۔ انتظار تو وہان ہوتا ہے جہان نعمتین موجود نہ ہون لہذا یہان الیٰ حرف جر ہی ہے نہ کہ اسم ۔ اب ہم احادیث نبوی کی طرف رجوع کرتے ہین ۔

احـــادیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ستـرون ربکم کما ترون القمـر لیلـة البدر لا تضامون فی رویته یری الیوم و غداً ۔ یری الیوم با عین القلـــوب وغداً با عین الرؤس (۲)

قریب مین تم دیکھو گے اپنے رب کو اس طرح جس طرح کہ تم چودھوین رات مین چاند کو دیکھتے ہو اس کی رویت مین تم کو دھوکا نہ ہوگا اس کو تم آج بھی دیکھوگے اور کل بھی۔ آج دل کی آنکھون سے۔ اور کل سر کی آنکھون سے۔

اس مسئلہ پر تفصیلی بحث تو علم کلام کی کتابون مین ملے گی ۔ جیسے شرح عقائد نسفی ۔ اور شرح مقاصد اور شرح مواقف وغیرہ لیکن حضـرت غوث اعظم کے پاس بھی خدائے تعالیٰ کی رویت دل کی آنکھ سے دنیا مین اور

سر کی آنکھوں سے آخرت میں ثابت ہے۔

اب ہم حضرت کے وہ اقوال پیش کرینگے جو ہمارے اس بیان کی تائید کرتے ہیں ۔ حضرت غوث اعظم ملفوظ قادریہ میں فرماتے ہیں کہ :-

ولقاء ' ہم علی ضربین لقاء' فی الدنیا بقلوبہم واسرا رہم وہو نادر (۳)	اولیاء' اللہ کی ملاقات خدا سے اس دنیا میں دو قسم کی ہے ایک دل کی آنکھوں سے دوسرے روح کی اور یہ آخری ملاقات نادر ہوتی ہے۔

" لقاء' " یعنی ملاقات سے مراد " رویت " نہیں ہے جیساکہ بعض کا خیال ہے بلکہ لقاء' سے مراد " وصال " ہے۔ لہذا اولیاء' کا وصال دو قسم کا ہوتا ہے ۔ ایک دل کا وصال جو اکثر اولیاء' کو حاصل ہوتاہے۔ دوسرے دل اور سر کا وصال جو نادر ہے۔ کیونکہ تن دل کا قالب ہے اور دل سر کا قالب ہے۔ اور جب سالک تزکیہ نفس اورتصفیہ قلب کےبعد اپنے قلب کا دروازہ کھولتا ہے تو اسکو فنائے قلب حاصل ہوتی ہے اورجب تجلیہ روح بھی حاصل ہوتی ہے یعنی روح میں کشادگی پیدا ہوتی ہے تو اس کو فنا ' الفنا' حاصل ہوتی ہے۔ یہہ دل اورسر کا وصال ہے اور یہہ نادر ہے۔ اور یہی وہ مقام ہےجہاں باری تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے۔ ان دونوں دروازوں کی کشادگی کے معنی یہہ ہیں کہ گویا لاکھوں آفتاب طلوع ہوگئے اور کروڑوں چاند ضیاء' پاشی کررہے ہیں اور اس جگہہ سالک کو " خلعت قطبیت " عطا ہوتی ہے۔ اور

فرشتون کو حکم ہوتا ہے کہ اس سالک کو سجدہ کرین ۔ اس وقت سالک کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لامحدود نور کی موجین چلی آرہی ہین اور جب یہ نور کی موجین اس کے لوح دل پر پڑتی ہین تو اس وقت سالک محبوب حقیقی کے جمال کو بلاکیف دیکھتا ہے۔ اور اس مقام پر اس کو " قطب الاقطاب " کی خلعت بخشی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم کا شعر ہے۔

انا قطب الاقطاب الوجود حقیقۃً	مین وجود کے تمام اقطاب کا حقیقت مین قطب ہون ۔
علی سائر الاقطاب قولی وحرمتی(۴)	تمام اقطاب پر میرا حکم چلتا ہے اور میری عزت لازم ہے۔
فاعطانی المولی اجل ولایۃ	میرے مولا نے مجھ کو بزرگ ترین ولایت دی
فلم یعطہا غیری لیوم القیامۃ (۵)	ایسی ولایت قیامت تک میرے سوا کسی کو نہین دیگی ۔
وقد قلت حتی قیل لی قل ولا تخف	مین نے کوئی بات نہین کی یہانتک کہ مجھ سے کہا گیا
فانک لدینا امن من نقیصۃ (۶)	بات کر اور مت ڈر ۔ ہمارے پاس تو ہر بلا سے امن مین ہے۔

اسکے علاوہ " لقاء " کے معنی رویت کے بھی ہوتے ہین ۔ جب اس کو اللہ یا اس کے صفات کی طرف مضاف کیا جائے۔ چنانچہ ملفوظ قادریہ مین ہے

القوم ینظرون لقاء اللہ   قوم اللہ کے لقاء کو دیکھتی ہے۔

" قوم " سے مراد " علم اولیاء " ہین اور " لقاء " سے مراد " رویت باری "

مطلب یہ ہے کہ اولیاء یا صوفیاء رویت باری سے مشرف ہین ۔ اس طــــرح شیخ جیلی کے پاس دل کی آنکھہ سے خدا کا دیدار ثابت ہے۔ اور آپ نے دل کی آنکھہ سے خدا کی رویت کا کئی جگہہ ذکر کیا ہے۔ چنانچــــــــہ آپ فرماتے ہین :۔

القــوم یبتلون لترفع درجاتہم عند ملکہــم یبصرون بعد لانہــم یریدون وجہــہ اذ اتم الہــم ہذا فقــد تم الہــم الملکہ واذا لم یتم الہم ہذا اختلفت وانہم فی ملکہ اللہــم لا ہلکہ نسئلکہ القرب منکہ والنظر الیکہ فی الدنیا والاخــرۃ فی الدنیا بقلو بنــــا وفی الاخــرۃ با عینـــا ۷)

اولیاء اللہ آزمائے جاتے ہین ان کے درجات بلنــد کرنے کے لئے ان کــے بادشاہ کے نزدیک وہ اس کے ساتھہ ہوکر دیکھتے ہین کیونکہ وہ ذات کے طالب ہین جب ان کا یہہ صبر پورا ہوجاتا ہے تو ان کے صبــر کی بادشاہت کے واسطے مین ہین ۔ اے اللــہ ہم کو اپنے دوستــــون کے طفیــل مین اپنا قرب نصیب کر اور اپنـا دیدار نصیب کر دنیا و آخرت مین ۔ دنیا مین ہمارے دلون سے اور آخرت مین ہم کو اپنی آنکھون سے۔

یون تو ملفوظ قادریہ مین ایسی کئی عبارتین ملتی ہین جن سے شیخ جیلی کے رویت باری کے قائل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن ہم یہان صرف چند اہم عبارتین پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہین ۔

ملفوظ قادریہ مین مذکور ہے کہ آپ نے ۲۳۔ جمادی الاخری اتوار کے دن

سنہ ۵۴۵ ھجری کو رباط میں صبح کے وقت اثنائے تقریر میں فرمایا :-

من رای محب اللہ عز وجل فقد رای من رای اللہ عز وجل بقلبہ دخل علیہ بسرہ۔ وما شیئ موجود مرئی۔ قال النبی صلعم ستروں ربکم کما ترون القمر فی لیلۃ البدر لا تضامون فی رویۃ یرئ الیوم وغداً یری الیوم باعین القلوب وغداً باعین الرؤس لیس کمثلہ شئی وھوالسمیع البصیر ۔ (۸)

جس نے کہ خدا کے دوست کو دیکھا اس نے اس شخص کو دیکھا جس نے کہ خدا کو اپنے دل سے دیکھا اور اس کے پاس خدائے تعالی اپنے راز کے ساتھ آیا۔ اور ہمارا پروردگار وہ ہے جو موجود ہے دیکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلعم نے فرمایا تم قریب میں اپنے رب کو دیکھوگے جس طرح کہ تم مہینے کی چودھویں رات والے چاند کو دیکھتے ہو۔ تم آج اس کے دیکھنے کا اہتمام نہیں کرتے مگر وہ آج کے دن تمہاری دل کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور کل بعث سر کی آنکھوں سے قیامت کے دن (دیکھا جائے گا) اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حق تعالی کی رویت حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس چشم دل سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو :-

یرونہ یقظۃ ومناماً باعین قلوبہم وصفاء اسرارہم ودوام یقظتہم ۔ (۹)

تم اس کو دیکھ سکو گے جاگتے بھی اور سوتے بھی اپنے دل کی آنکھوں سے اپنی روح کی صفائی سے اور ہمیشہ کی بیداری سے۔

حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا

لو كشف الغطاء ما ازددت يقيناً
وقال لا اعبد رباً مالم اره
وقال ارانى قلبى ربى (10)

اگر میری آنکھوں سے پردہ اٹھالیا تو بھی
میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔
فرمایا میں رب کی عبادت اس وقت تک
نہیں کرتا جب تک وہ مجھے نظر نہیں آتا
اور فرمایا میرے دل نے میرے رب کو دکھلادیا۔

حضرت غوث اعظم کسی صالح کا ذکر کرتے ہوئے رویت قلبی کی تصدیق کرتے ہیں ۔

كان بعض الصالحين يتكلف النوم
فى بعض الليل ويتهيأ له
من غير حاجة اليه فسئل
عن ذالك فقال يرى قلبى ربى
عزوجل صدق فى قوله لان المنام
الصادق وحى من الله عزوجل
كانت قرة عينه فى نومه (11)

ایک صالح آدمی تھے جو رات کے کسی حصہ
میں بہت تکلّف سے سونے کی کوشش کرتے
تھے اور باوجود نیند نہ آنے کے اس کا
انتظام کرتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا اس کی
وجہہ کیا ہے۔ تو کہا کہ نیند
میں میرا دل اپنے رب کو دیکھتا ہے
تو ان بزرگ نے سچ کہا کیونکہ سچا
خواب اللہ کی طرف سے وحی ہوتا ہے
تو ایسے شخص کے آنکھوں کی ٹھنڈک
واقعتاً نیند ہی میں ہوسکتی ہے۔

آگے آپ فرماتے ہیں :-

يا جاهل كيف ترى قلبك الحق
عزوجل وهو ملاء بالخلق -
كيف ترى باب الجامع و انت
قاعد فى بيتك اذا خرجت

اے جاہل تیرا دل حق تعالیٰ کو کیسے
دیکھے گا جب کہ وہ خلق کی محبت سے
بھرا ہوا ہے تو جامع مسجد کے دروازے کو
کیسے دیکھے گا جب کہ تو اپنے گھر کے
ایک کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔

من دارك واهلك وانت باب الجامع (۱۲)	جب تو اپنے گھر سے اور اپنے خاندان سے باہر نکلے گا تو جامع مسجد کا دروازہ نظر آئیگا ۔

اس کلام سے بھی رویت باری ثابت ہوتی ہے اور خدا کو دیکھنے کے لئے ماسوی اللہ کی محبت کے تنگ حجرے سے نکلنا ضروری ہے۔

ملفوظ قادریہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلہ کا بیان نہایت فصیح اور بلیغ ہے اور سارے کا سارا توحید عشق اور حقائق سے لبریز ہے۔ پھر " عیان راچہ بیان " ۔

جیسا کہ اوپر ہم نے دیکھا حضرت غوث اعظم وحدت وجود کے قائل ہیں اور جس کے پاس وحدت وجود ثابت ہے۔ اس کے پاس رویت حق تعالی کیوں ثابت نہ ہوگی۔ وہ تو حق تعالی کو چشم دل سے ہر شئے میں مشاہدہ کرے گا ۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے: ــ

هو الاول والاخر	وہی اول ہے اور وہی آخر ۔
والظاهر والباطن	وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ۔
كل ذالك هو لا غيره	سب کچھ وہی ہے نہ کہ اس کا غیر اپنے دل سے اس عقیدہ
اعتقد هذا بقلبك	پر ایمان رکھو اور اپنے ظاہر سے خلق اللہ کے ساتھ
واحسن معاشرة الخلق بظاهرك۔	عمدگی سے پیش آو ــ

اس بیان کے ختم پر ہم حضرت غوث اعظم کے کچھ اشعار پیش کرتے ہیں جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت رویت باری کے قائل تھے ۔

اشعـــــار

(۱) فخاطبت من اھوی علی الطور عاشقاً
لرویة محبوبی بعین البصیرتی [13]

میں نے خطاب کیا اس سے جس نے کوہ طور پر عاشق کہا تھا مجھ کو تاکہ میں درخواست کروں اس محبوب کے دیکھنے کی اپنی بصیرت کی آنکھ سے۔

(۲) واطلق عنان الحق فی کل ما تریٰ
فتلک تجلیات من ھو صانع [14]

جو کچھ تو دیکھتا ہے اس میں عنان حقیقت کو ڈھیلی کردے کہ یہ تجلیات ہیں اس کی جو صانع عالم ہے۔

یعنی حق تعالی ہر چیز میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کلام سے حق کو ہر شئے میں دیکھنے کی تلقین کی جارہی ہے اور جو شخص دن رات اس مشاہدے میں مصروف رہتا ہے یقیناً اس کو حق تعالی کی رویت نصیب ہوتی ہے۔

ہر سو کہ روئے کردم آن دلستان دیدم
ہرجا نظر افگندم او را عیان دیدم
درہرچہ نظر کردم غیر از تو نمی بینم
غیر از تو کسے باشد حقا کہ محال ست این

گناه آمد شهود ما سوی الله

ازین نوع گناه استغفرالله

سر نازک بگویم بشنو ای جان پدر !

در خود نگر آن وجه مطلق تا نگردی دربدر

(۶) سلوک قادریہ

تمام صوفیائے کرام نے سالک کی تربیت میں خاص خاص طریقوں کا استعمال کیا ہے اور وصول الی اللہ کی راہیں بتلائی ہیں - جب سالک ان طریقوں سے حق کی طلب میں ریاضت اور مجاہدہ کرتا ہے تو منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے " فقد فازفوزاً عظیماً " اور اگر راہ طلب میں مرجاتا ہے تو " فقد وقع اجرہ علی اللہ " کا مصداق ہوتا ہے - بہرحال طلب ضروری ہے کہ " ان اللہ لا یضیع اجرالمحسنین " اس کے پیش نظر کسی عاشق نے کہا ہے -

دست از طلب ندارم تاکارمن برآید
یا تن رسد بجانان یاجان زتن برآید
طلب آنست کہ در راہ طلب جان بدھد
این نگوید کہ بہ مقصود رسم یا نرسم

سلوک کے لغوی معنی راستہ چلنے کے ہیں جو ایک حسی عمل ہے جس کو ہم انتقال مکانی سے تعبیر کرسکتے ہیں لیکن اصطلاحی معنی میں سلوک سے مراد انتقال مکانی نہیں بلکہ انتقال معنوی ہے/ سیرالنفس ہے - اس کو مرتبہ نفس میں " تزکیہ " کہاجاتا ہے اور " تزکیہ نفس " سے مراد یہ ہے کہ سالک کو اس کے اپنے حیوانی اور مذموم عادات سے پاک وصاف کرکے اوصاف حمیدہ سے

سے آراستہ کیا جائے[۱] سلوک قلب کو " تصفیہ " کہتے ہیں اور تصفیہ قلب سے مراد یہ ہے کہ آئینہ قلب کو ہموم و غموم دنیوی اور تمام آلائشوں اور حب دنیا سے پاک و صاف کیا جائے اور ان ہی مقاصد کے حصول کے لئے ذکر فکر اور مجاہدہ ہیں - ہم ذکر سے ابتداء کرتے ہیں - ع القلب یدرکہ مالا یدرکہ البصر -

۱- ذکر

ذکر کے فضائل قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ثابت ہیں - یہاں پر ہم صرف چند ہی آیات احادیث اور اقوال کبرائے ملت پیش کرینگے جن سے معلوم ہو جائیگا کہ صوفیائے کرام کا ذکر پر زور دینا کتنا صحیح اور ضروری ہے۔

آیات قرآنیہ

(۱) فاذکرونی اذکرکم   تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کرتا ہوں
(پ ۲ ع ۲)

اور ذاکرین اور ذاکرات کے اجر و مغفرت کے متعلق فرمایا گیا -

(۲) والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات   اور اللہ ذکر کرنے والوں اور ذکر کرنے والیوں
اعد اللہ لہم مغفرۃ واجراً عظیماً   کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔
(پ ۲۲ ع ۲)

" فاذکرونی اذکرکم " کی تفسیر میں حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حلاوت تین چیزوں میں ڈھونڈنی چاہئے۔ نماز ذکر اور قرآن پڑھنے میں - اور اگر ان میں حلاوت نہ ملے تو جان لوکہ تم قید و بند میں ہو - اور ظاہر ہے کہ یہ تین چیزیں

نہیں ہیں بلکہ سب ایک ہیں اور وہ صرف ذکر ہے۔ کیونکہ نماز اور قرآن ذکر ہی پر مشتمل ہیں بلکہ ذکر تو تمام قرآن ہی کا ہے اور نماز سے مراد ذکر حق ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں " اس آیت کے مطابق جو شخص زبان یا دل یا جوارح سے ذکر کریگا اور امور معاش میں مشغول رہیگا وہ بھی ذاکرین میں شمار ہوگا یعنی سارے مسلمان جو اوامر الہیہ کی تعمیل کرتے ہیں اور منہیات سے باز رہتے ہیں وہ سب ہی ذاکر ہونگے اور شرع کے خلاف عمل کرنے والے فاسق اور غافل قرار پاتے ہیں گو وہ رات دن ذکر وشغل میں مصروف ہوں " ۔

(۳) واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار ۔ (پ ۳ ع ۱۲)

کثرت سے اپنے رب کا ذکر کر اور صبح ومسا تسبیح کر ۔

(۴) واذکروالله کثیرالعلکم تفلحون ۔ (پ ۱۰ ع ۲)

اور کثرت سے ذکر کرو تاکہ فلاح پانے والوں سے ہوجاؤ ۔

(۵) یا ایہاالذین آمنوااذکروا الله ذکراً کثیراً وسبحوه بکرة واصیلا۔ (پ ۲۲ ع ۳)

اے ایمان والو تم الله تعالی کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو ۔

مجاہد نے ذکر کثیر کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ " الذکرالکثیر ان لاینساه بحال "
یعنی ذکر کثیر وہ ہے کہ کسی حال میں بھی فراموش نہ ہو اس کو صوفیا کی اصطلاح

میں" ذکر دوام " یا " یادداشت " کہاجاتا ہے اور ذکر کثیر کے حکم کی تفصیل

میں حضرت ابن عباس نے یہی کہا ہے کہ :-

" ذکر دراصل ایسی عبادت ہے جو ہروقت ہرحال میں جاری رکھی جاسکتی

ہے اور اس کی کوئی حد یا مقدار مقرر نہیں کی گئی " چنانچہ حق تعالی نیک بندوں

کے متعلق فرماتے ہیں -

(٦) الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبہم - (پ ۴ ع ۱۱)

کہ وہ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کا ذکرکرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے-

اس کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایاکہ " شب وروز سفر وحضر میں

پریشانی وآرام میں سمندر میں زمین پر صحت میں بیماری میں ظاہر اور پوشیدہ

غرض ہرحال میں ذکر کا حکم فرمایاگیا ہے" -

(٧) فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم - (پ ۵ ع ۱۱)

جب نماز پوری کرچکو تو ذکر میں مشغول ہوجاو - کھڑے بیٹھے لیٹے غرض کسی حال میں ذکر سے غافل نہ ہو -

اور ذکر کی اہمیت کا اندازہ اس آیت سے ہوگا -

(٨) ولذکراللہ اکبر - (پ ۲۱ ع ۱)

اور ذکر اللہ بہت بڑی چیز ہے-

منافقین کے متعلق فرمایا گیا

(۹) واذا قاموآ الی الصلوۃ قاموا کسالی یرآ ون الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلاً ۔ (پ ۵ ع ۱۸)

(منافقین) جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو اپنا نمازی ہونا دکھلاتے ہیں اوراللہ کا ذکر بھی قلیل کرتے ہیں۔

اور ذکر نہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا

(۱۰) ومن یعش عن ذکرالرحمن نقیض لہ شیطاناً فہولہ قرین ۔ (پ ۲۵ ع ۹)

جو شخص رحمن کے ذکر سے اندھا ہوجاتے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں پس وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔

(۱۱) ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذاباً صعداً ۔ (پ ۲۹ ع ۱۱)

اورجو اللہ کے ذکر سے رو گردانی کرے گا اللہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

اور نیک بندون کی تعریف مین فرمایا گیا

(۱۲) رجال لاتلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکراللہ ۔ (پ ۱۸ ع ۱۱)

اور نیک بندون کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے مانع نہین ہوتی۔

اب اسی ضمن مین چند احادیث پیش کی جاتی ہین ۔ حضرت ابو ہریرہ سے

روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے :-

(۱) سبق المفردون قالو وما المفردون یا رسول اللہ قال الذاکرون والذاکرات (مسلم شریف)

مفردین بازی لے گئے۔ کہا گیا مفردین کون لوگ ہیں یا رسول اللہ فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کرنے والے اور کرنے والیاں ۔

ابی موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا -

(۲) مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی والمیت ۔ (بخاری ومسلم بیہقی)

جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔

(۳) ما من شئی انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ قالوا ولا الجہاد فی سبیل اللہ قال ولا ان یضرب بسیفہ حتی ینقطع ۔ (بخاری ومسلم)

کوئی شئے ذکر خدا سے زیادہ خدا کے عذات سے نجات دینے والی نہیں عرض کیا کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں۔ فرمایا کہ نہیں اللہ کے ذکر کی برابری کرتا یہہ کام کہ مرد مجاہد اپنی تلوار سے اس قدر مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔

ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا

(۴) لو ان رجلا فی حجرہ دراھم یقسمھا وآخر یذکر اللہ لکان الذاکر اللہ افضل۔ (طبرانی)

اگر ایک شخص کے پاس بہت سے روپیے ہوں اور وہ ان کو تقسیم کررہا ہو اور

دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتو ذکر کرنے والا افضل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا

(۵) ان اللہ تعالی یقول انا مع عبدی اذا ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ ۔ (بخاری)

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے ہونٹ مجھ ہی سے حرکت میں ہوں ۔

حضرت انس سے مرفوع ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ۔

(٦) یقول اللہ تعالی انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ ۔ (متفق علیہ ۔ ترمذی)

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور اسکے ہمراہ ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے۔ اگر وہ میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہوں اگر وہ میرا ذکر مجمع میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر مجمع میں کرتا ہوں اور یہ مجمع اس کے مجمع سے بہتر ہوتا ہے۔

حدیث ابی درداء میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ۔

(۷) الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعہا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والورق و خیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقہم

کیا خبر نہ دوں میں تم کو تمہارے خیر اور پاکیزہ تر اعمال کی جو تمہارے مالک کے نزدیک ہیں اور تمہارے بلند درجات کی اور جو تمہارے سونے چاندی کے خرچ سے

و تضربوا اعناقکم قالو بلی قال الذکراللہ
(ترمذی وابن ماجہ)

زیادہ بہتر ہیں اور بہتر ہیں اس سے بھی کہ تم اپنے دشمن سے لڑو پھر تم ان کی گردن مارو اور وہ تمہاری گردن ماریں ۔ کہا ہاں ۔ فرمایا ذکر اللہ تعالیٰ کا ۔

حدیث عبداللہ بن بسر میں ہے کہ :-

(۸) ان رجلاً قال یا رسول اللہ ان شرائع اسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشئی اتشبث بہ قال لا یزال لسانک رطباً من ذکراللہ ۔
(ترمذی ۔ ابن ماجہ)

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلعم شرائع اسلام مجھ پر کثرت سے ہوگئے ہیں مجھے ایسی چیز بتلائیے کہ میں اس کو اپنا مشغلہ اور دستور بنالوں ۔ فرمایا تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے ۔

(۹) مسند احمد میں ہے حضرت سہل حضور اقدس صلعم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا ذکر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات لاکھ حصے زیادہ ہوتا ہے[۲]

(۱۰) حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں کی جاتی بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے ۔ ایک وہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے دوسرے مظلوم تیسرے وہ بادشاہ جو ظلم نہ کرتا ہو[۳] حضرت سلمان سے کسی نے پوچھا سب سے بڑا عمل کیا ہے انہوں نے کہا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا قرآن میں ہے " ولذکراللہ اکبر " کوئی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں ۔ حضرت نے جس

آیہ شریفہ کی طرف اشارہ فرمایا وہ اکیسوین پارےکی پہلی آیت ہے اور صاحب " مجالس الابرار " کہتے ہین کہ حدیث مین جو اللہ کے ذکر کو صدقہ جہاد اور ساری عبادات سے افضل کہاگیا وہ اس لئےکہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ساری عبادتین اس کا ذریعہ اور آلہ ہین اور ذکر لسانی سےافضل ذکرقلبی ہے کیونکہ وہ مراقبہ یا دل کی سوچ ہے اور یہی مراد ہےاس حدیث سےجس مین کہا گیاہےکہ ایک گھڑی کا سوچنا ستر برس کی عبادت سےافضل ہے۔[۲]

اور جو حدیث اوپر بیان کی گئی جس مین کہا گیا ہےکہ مفرد لوگ آگےبڑھگئے اور مفرد لوگ وہ ہین جو اللہ کےذکر مین والہانہ طور پرمشغول ہین۔ اس حدیث کی بناء پر صوفیہ نےلکھا ہےکہ سلاطین اور امراء کو اللہ کے ذکر سے نہ روکنا چاہئیے کہ وہ اس کی وجہہ سے درجات اعلی حاصل کرسکتےہین ۔

حضرت ابودردا فرماتےہین کہ تو اللہ کےذکر کو اپنی مسرتون اور خوشیون کےاوقات مین کور وہ تجھہ کو مشقتون اورتکلیفون کےوقت کام دےگا۔ حضرت سلمان فارسی فرماتےہین کہ جب بندہ راحت وخوشی وثروت کےاوقات مین اللہ کا ذکرکرتاہے اور پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہےتو فرشتے کہتےہین کہ مانوس سی آواز ہے جو ضعیف بندےکی ہے پھر وہ اللہ کےہان اس کی سفارش کرتےہین۔ اور جو شخص اللہ کو راحت مین نہ یاد کرے پھر کوئی تکلیف اس کو پہنچےاور اس وقت یادکرے تو فرشتے کہتےہین کہ کیسی غیر مانوس آواز ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہین کہ جنت کے آٹھہ دروازے ہین اور ان مین سے ایک صرف ذاکرین کےلئے ہے۔

ایک حدیث مین هےکہ جو شخص اللہ کا ذکر کثرت سے کرے وہ نفاق سے بری
هے۔ دوسری حدیث مین هےکہ اللہ جل شانہ اس سے محبت فرماتے هین ۔ ایک سفر
سے واپس هورهی تهی کہ ایک جگهہ پہنچ کر حضور صلعم نے فرمایا آگے بڑهنے
والے کہان هین ۔ صحابہ نے عرض کیا بعض تیز رو آگے چلے گئے۔ حضور صلعم نے
فرمایا وہ آگے بڑهنے والے کہان هین جو اللہ کے ذکر مین والہانہ مشغول هین ۔
جو شخص یہہ چاهے کہ جنت سے خوب سیراب هو تو وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔
بعض علما نے فرمایا یہہ دل کی حالت کا بیان هےکہ جو اللہ کا ذکر کرتا هے
اس کا دل زندہ رهتا هے اور جو ذکر نہین کرتا اس کا دل مرجاتا هے۔ بعض نے
کہا یہہ تشبیہہ نفع ونقصان کے اعتبار سے هےکہ اللہ کے ذکر کرنے والے کو جو شخص
ستائے وہ ایسا هے جیسا کسی زندہ کو ستائے اور اس سے انتقام لیا جائے گا اور
ستانے والا کیفر کردار کو پہنچے گا اور غیر ذاکر کو ستانے والا ایسا هے جیسا
کہ مردے کو ستانے والا وہ خود کوئی انتقام نہین لے سکتا ۔ صوفیا کہتے هین
کہ اس حدیث سے ثابت هوتا هےکہ اللہ کا ذکر کرنے والا زندہ اور نہ کرنے والا
مردہ هے۔ اس سے مراد همیشہ کی زندگی هےکہ اللہ کا ذکر کثرت سے بہ خلوص
کرنے والے مرتے نہین بلکہ وہ اس دنیا سے منتقل هوجانے کے بعد بھی زندون هی کے
حکم مین رهتے هین - چنانچہ قرآن پاک مین شہید کے متعلق کہا گیا هے
کہ " بل احیاء عند ربهم یرزقون " اس طرح ان کے لئے بھی ایک خاص قسم

کی زندگی ہے۔ حکیم ترمذی کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کو تر کرتا اور نرمی پیدا کرتا ہے۔ اور جب دل ذکراللہ سے خالی ہوتا ہے تو نفس کی گرمی اور شہوت کی آگ سے خشک ہوکر سخت ہوجاتا ہے، اور سارے اعضا' سخت ہوجاتے ہیں اور طاعت سے رک جاتے ہیں اور اگر ان اعضا' کو اس حالت میں کھینچا جائے تو ٹوٹ جائینگے جیسے کہ خشک لکڑی جھکانے سے جھکتی نہیں بلکہ ٹوٹ جاتی ہے۔[۵]

صاحب " الفوائد فی الصلوۃ والفوائد " نے لکھا ہے کہ آدمی ذکر پر مداومت کرنے سے تمام آفتوں سے محفوظ رہتا ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں تمہیں ذکراللہ کی کثرت کا حکم کرتا ہوں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پیچھے کوئی دشمن لگ جائے اور وہ اس سے بھاگ کر کسی قلعہ میں محفوظ ہوجائے اور ذکر کرنے والا اللہ کا ہم نشین ہوتا ہے اور اس کو شرح صدر ہوتا ہے۔ خدا کی ہم نشینی سے بڑھ کر اور کیا فائدہ اس کو چاہئے۔ اس کے علاوہ اور بہت سارے ظاہری اور باطنی فائدے ہوتے ہیں - بعض نے ان کو سو تک شمار کیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان گھٹنے جمائے ہوئے آدمی کے دل پر مسلط رہتا ہے - جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ عاجز و ذلیل ہوکر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر آدمی غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالنا شروع کردیتا ہے اس لئے صوفیائے کرام ذکر کی کثرت پر زور دیتے ہیں تاکہ قلب میں شیطان کے وساوس کی گنجائش نہ رہے اور وہ اتنا قوی ہوجائے کہ اس کا مقابلہ کرسکے اور

یہی وجہہ ہے کہ صحابہ کرام کو حضور صلعم کے فیض سے قوت قلبیہ اعلی درجے پر حاصل تھی اور انہیں ضرب لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی ۔ لیکن حضور صلعم سے جتنا بعد زمانی ہوتا گیا اتنی ہی اس کی ضرورت ہوتی گئی ۔[٦] حافظ ابن قیم نے ذکر کے فضائل میں ایک رسالہ " الوابل الصیب " لکھا ہے جس میں انہوں نے ذکر کے سو سے زیادہ فائدے شمار کئے ہیں ان میں سے ہم چند یہاں نقل کرتے ہیں جو صوفیائے کرام کے زیادہ پیش نظر رہے ہیں ۔

(۱) ذکر شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑ تا ہے ۔

(۲) اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے ۔

(۳) اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے ۔

(۴) ذکر سے مراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبہ احسان تک پہنچادیتا ہے ۔ اور یہ وہ مرتبہ ہے جس میں ایسی عبادت نصیب ہوتی ہے گویا کہ عابد اللہ تعالی کو دیکھ رہا ہے اور یہی مرتبہ صوفیا کا منتہائے مقصد ہوتا ہے ۔

(۵) اللہ تعالی کا قرب نصیب ہوتا ہے اور صوفیا کا اہم مقصد اللہ کے قرب ہی کا حاصل کرنا ہے ۔

(٦) اللہ تعالی کی معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے ۔

(۷) یہ دل کو زندہ کرتا ہے اور حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کے لئے ایسا ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی ۔

(۸) یہہ دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے اور جب تک دل پاک وصاف نہ ہو صوفیا کا مقصد حاصل نہین ہوسکتا یا دوسرے الفاظ مین انسان مین خدا کی قربت اور اس کی محبت کا شوق پیدا نہین ہوسکتا ۔

(۹) ذکر تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیا کے طریقون مین واضح ہے جس شخص کے لئے ذکر کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے اللہ تعالی تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے۔

(۱۰) ذکر ایک درخت ہے جس پر " معارف " کے پھل لگتے ہین اور صوفیا کی اصطلاح مین یہہ " احوال " اور " مقامات کہلاتے ہین [۲۷]

ذکر کی اہمیت اور فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے گو ابھی کثرت سے دلائل پیش کئے جاسکتے ہین تاہم صرف اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نکتہ بسیار دقیق است وسخن بر نازک

دامن عجز بدست آر کہ ملـــــزم نشوی

اس مقام پر ہمین ایک سوال کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہہ کہ ذکر دوسری تمام عبادتون کے مقابلے مین جن مین بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے اتنا آسان اور سہل ہونے کے باوجود ان سب سے زیادہ افضل اور مفید کیون ہے اس کے جواب مین ہم امام غزالی کی تحقیق پیش کرتے ہین ۔ آپ فرماتے کہ اس امر کی تحقیق تو علم مکاشفہ ہی سے ہوسکتی ہے لیکن اس معاملے مین

یہہ ضرور کہاجاسکتا ہےکہ نفع بخش اور موثر وہی ذکر ہوسکتا ہےجو بپابندی حضور قلب کےساتھہ اور ہمیشہ ہو۔ اوروہ ذکر جو صرف زبان سےہوتا اوردل کسی اور طرف مشغول رہتاہے اس سےبہت تھوڑا سا فائدہ حاصل ہوتاہے۔ چنانچہ احادیث بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہین۔

زبان در ذکرودل در فکر خانہ

چہ حاصل زین نماز پنجگانہ

اور وہ ذکر بھی زیادہ مفید نہین ہوتا جو کچھہ دیر تو حضور قلب کےساتھہ ہو مگر پھر غفلت ہوجاتیہے۔ اور دنیا مین مشغولیت ہوجاتیے۔ ساری عبادتون پرجو چیز مقدم ہے وہ ذکر دوام ہے حضور مع اللہ کےساتھہ بلکہ ساری عبادتون کو اس قسم کےذکر سے ایک طرح کا شرف حاصل ہوتاہے اور یہہ ذکر عبادت عملیہ کا ثمرہ یا غایت ہوتاہے۔ ہر چیز کی طرح ذکر کا بھی ایک اول ہوتا ہے اور ایک آخر۔ اول ذکر موجب حب و انس ہوتاہے اور آخر ذکر حب و انس کو قلب کےلئے لازم کردیتاہے۔ اور سالک کا مطلوب و مقصود ہی حب وانس مع اللہ ہوتا ہے اور جس طرح ہرکام کی ابتدا مین مشقت اور بار ہوتاہے اسی طرح سالک بھی ذکر کی ابتداء مین تکلیف اور بار ہی سے اپنی زبان اور دل کواللہ کی طرف پھیرتاہے لیکن جب رفتہ رفتہ وہ اس کا عادی ہوجاتا اورذکر کی مداومت نصیب ہوجاتی ہے تو وہ مانوس بذکر ہوجاتا ہے، اور پھر وہ وقت آتاہے

جب کہ اس کے قلب میں " حب مذکور " پیوست ہوجاتی ہے اور پھر اس کے بغیر وہ بے چین رہتا اور گاہ گاہ چیخ اٹھتا ہے۔

عمرم ہمانست انچہ کرم یاد روئے تو

جانم ہمانست انچہ نہم زور پائے تو

اس وقت سالک سمجھتا ہے کہ اس کی عمر کا وہی حصہ اور صرف وہی حصہ کارآمد ہے جو اس کے خالق اور محبوب حقیقی کی یاد میں بسر ہوا ہے اور دل غافل اور موت اس کی نظر میں ایک ہوجاتے ہیں اور ایسے عاشق اور " صاف دل " کو کسی سے کوئی کام نہیں رہتا سوائے اس محبوب حقیقی کے تعلق کے اور اس حال کو کسی عاشق نے یوں بیان کیا ہے :—

تیرا خیال ہی مشغلہ تیری تلاش ہی خیمہ زن

میری آہ میں میری واہ میں میرے سوز میں میرے ساز میں

نہ کسی سے کلام نہ واسطہ کام اپنے کام سے

تیرے ذکر سے تری فکر سے تری یاد سے تیرے نام سے

اوپر کی بحث سے یہ بات صاف ہوگئی کہ ذکر اللہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے مگر ذکر میں نہ صرف مطلق ذکر شامل ہے بلکہ ہروہ طریقہ بھی جس سے خدائے تعالیٰ کے صفات وکمالات اور وہ خود یاد آئے چنانچہ اس لحاظ سے نماز قرآن تسبیح وتحمید تکبیر کلمہ طیبہ استغفار اور درود سب ہی کو

ذکر مین داخل کیا جاسکتا ھے چنانچہ اس کے ثبوت مین قرآنی آیات موجود ھین اور حضور صلعم نے خود اکثر دعائین تعلیم فرمائی ھین ۔

جملہ اذکار مین سے مشائخین طریقت نے ذکر اسم ذات (اللـــہ) اور ذکر نفی واثبات " لا الـہ الا اللـــہ " کو خصوصیت کے ساتھہ اختیار فرمایا ھــے ذکر " لا الـہ الا اللـــہ " کو تو اس لئے اختیار کیا گیا کہ حدیث نبوی بھی اس کو افضل ذکر قرار دیتی ھے ۔ " افضل الذکر لا الـہ الا اللـــہ " (رواہ ترمذی) یہہ کلمہ تمام کلمات مقدسہ کا جو ھر ھے اور قرآن مجید اس کے معنی ومفہوم سے مملو ومعمور ھے ۔ دراصل یہہ کلمہ نور تفرید اورجان توحید ھے اور اس سے تمام الـہ باطل کی نفی ھوتی ھے اورحق تعالی کا اثبات ھوتا ھے ۔ یہــــہ غیر حق کی نفی کرکے معبود ومطلوب ومقصود حقیقی واحد کا اثبات کرتا ھے اور دل کو شرک کی آلائش سے پاک وصاف کرتا ھے اور ذکر اسم ذات کو اس لئــــے اختیار کیا گیا ھے کہ تمام اسمائے حسنیٰ دراصل اسمائے صفات ھین اور مختلف صفات کی طرف دلالت کرتے ھین اور اللـــہ اسم ذات ھے جو ذات جامع صفات و کمالات کی طرف دلالت کرتا ھے اور اس مخصوص نام سے خداوند تعالی کو یاد کرنا ایسا ھے جیسا کہ اسکو تمام صفات واسما" کے ساتھہ یاد کرنا ۔ اس کے علاوہ ذکر کثیر بھی آسانی سے اللہ ھی کے ذکر سے ممکن ھے اورتمام اسمائے حسنیٰ کا ذکر نہ جامعیت مین نہ تعداد مین کسی لحاظ سے اس کے برابر ھوسکتا

ہے۔ مشائخین عظام نے اپنے روحانی تجربات سے یہہ واضح اور ثابت کردیا ہے کہ ہر اسم کا ایک خاص اثر اور ایک خاص نور ہوتا ہے لیکن اسم ذات جامع انوار ہے۔ اور ذات مطلق کے ساتھہ مناسبت اور ربط پیدا کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ اسم ذات اللہ جل جلالہ نوع انسانی کا رب بہی ہے۔ لہذا ہر انسان کو فطری طور پر اس اسم مقدس سے مضبوط تعلق ہے۔ اور اس طرح اسکو اس اسم پاک سے ہر حالت مین فیض پہنچ سکتا ہے اور وہ اس کی ہر تکلیف اور پریشانی کا علاج ہوسکتا ہے گویا ہر درد کا یہہ درمان ہے۔

گر شوی یار مرا من نکنسم یار دگر
گوشہ گیرم ودر گوشہ نہم کار دگر

یہی وجہہ ہے کہ اسم اللـہ کو اسم اعظم کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم فرماتے ہین کہ " اسم اعظم " اللـہ " ہے بشرطیکہ جب یہہ مقدس نام لیـا جائے اس وقت طرف کے دل مین اللہ کے سوا کچھہ نہ ہو " ۔ فرماتے ہین کـہ " عوام کو تو اس پاک نام کو اس طرح لینا چاہئے کہ یہہ جب زبان پر جاری ہو تو عظمت اور خوف کے ساتھہ ہو اور خواص کو چاہئے کہ ان کے دل مین سوا اس کے کچھہ نہ ہو اور اس پاک ذات والے کی ذات وصفات کا استحضـار ہو " [8]

اسم ذات کے ذکر کے سلسلے مین ہمین امام ابن تیمیہ کے اس اختلاف پر غور کرنا ضروری ہے جو انہون نے اپنی کتاب " العبودیت " مین کہـا ہے۔

اس اعتراض کا خلاصہ یہہ ہےکہ امام صاحب فرماتےہین کہ اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا ذکر بغیر اس کو کسی دوسرے لفظ سے مرکب کرنےکےبدعت ہےکیونکہ اللہ تعالی نےکسی کو اسم مفرد کے ذکر کاحکم نہین دیا اور نہ ہی مسلمانون کےلئے کوئی اسم مفرد مجرد مشروع کیا ہے اسم مفرد و مجرد ایمان کےلئےمفید نہین ہوسکتا اور احادیث سے یہی جملہ مرکبہ کیتعلیم ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً " سبحان اللہ الحمدللہ اللہ اکبر " ؟ جواب مین کہاجاسکتاہے کہ بہت سی قرآنی آیات سے یہہ ثابت ہےکہ ذکراسم ذات یعنی محض اسم اللہ کا ذکر جائز ہے۔

(۱) فاذکرونی اذکرکم ۔ (پ ۲ ع ۲)

تم میرا ذکر کرو مین تم کو یاد رکہونگا ۔

(۲) قل ادعوا اللہ وادعوا الرحمن ایاما تدعو فلہ الاسماء الحسنی۔ (پ ۱۵ ع ۱۲)

خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہکر پکارو جس نام سےبہی پکاروگے سو اس کےبہت سےاچہےاچہے نام ہین۔

(۳) واذکراسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا ۔ (پ ۲۹ ع ۱۳)

اور اپنےرب کانام یاد کرتےرہو اور سب سےقطع کرکےاس کی طرف متوجہہ رہو ۔

اور احادیث کےمطالعے سےپتہ چلتا ہےکہ کوئی حدیث ایسی نہین ہےجس مین ذکراسم مفرد کےناجائز ہونےکی خبر دی گئی ہو بلکہ وہ حدیث موجود ہےجس

سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ جس کا ہم نے اوپر بھی ذکر کیا ہے۔

لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ ۔
(صحیح مسلم)

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ زمین پر اللہ اللہ نہ کہا جائے۔

اس کے علاوہ امام صاحب " سبحان اللہ " کے ذکر کو جملہ مرکبہ سمجھ کر جائز سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ " سبحان اللہ " دو لفظ مضاف و مضاف الیہ ہیں ۔ اس پر کلام اور جملہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر " غلام زید " دو لفظ مضاف ومضاف الیہ ہیں ۔ جملہ یا کلام نہیں ۔ جب " جاء غلام زید " کہا جائے تو کلام تام ہوگا۔ چنانچہ کافیہ میں کلام کی تعریف یہہ کی گئی ہے کہ کلام وہ ہے جو دو کلموں پر شامل ہو۔ مع اسناد کے۔ یعنی ایک مسند دوسرا مسند الیہ ۔ جیسے " قام زید " اس پر مخاطب خاموش ہوسکتا ہے۔ اس بیان کی تائید تفسیر بیضاوی سے بھی ہوتی ۔ چنانچہ " سبحانک لاعلم لنا " کی تفسیر میں بیضاوی فرماتے ہیں کہ " سبحانک مصدر ہے اور صرف اسی حال میں استعمال ہوسکتا ہے کہ وہ مضاف ومنسوب ہو اور اس کا فعل پوشیدہ ہو "۔ اور سبحان اللہ کے ساتھہ سبحت یا اسبح فعل پوشیدہ ہوتا ہے اور اس وقت اس پر کلام کا اطلاق ہوگا اس لئے ہم یہہ کہہ سکتے ہیں کہ اسم ذات یعنی اللہ منادی ہے اور جائز ہے کہ منادی سے حرف ندا دور

کہاجاتاہے۔ قرآن مین اس کی دلیل " یوسف اعرض عن ھذا " سے ملتی ھے اور

کافیہ مین منادی کی تعریف یہہ کی گئی ھے کہ " ھوالمطلوب اقبالہ بحرف نائب

مناب ادعو " یعنی منادی وہ ھے کہ اس کا روبرو ھونا طلب کیاجاتا ھے۔ ایک حرف

کے واسطہ سے جو قائم مقام لفظ " ادعو " ھوتا ھے لہذا پوشیدہ لفظ " ادعو"

کو ملاکر " ادعو اللہ " یعنی " مین اللہ کو پکارتا ھون - سمجھنے سے

اللہ اللہ کلام تام ھوجاتا ھے۔ جیسے سبحان اللہ کے ساتھہ لفظ پوشیدہ

" سبحت سبحان اللہ " سمجھنے سے سبحان اللہ کلام تام ھوجاتا ھے۔ لہذا

اللہ اللہ کے ذکر سے یہہ مراد لی جاسکتی ھے کہ " ادعو اللہ لیغفرلی ولیرحمنی

یا اللہ انت معبودی وانت مقصودی " [۱] ذکر کی اھمیت اور جواز پر اس

تفصیلی بحث کے بعد ھم ذکر کے اقسام اور سلسلہ قادریہ مین اذکار کے مختلف

طریق کو پیش کرتے ھین -

اقسام ذکر

ذکر چار قسم کا ھوتا ھے:-

(۱) ناسوتی لاالہ الااللہ (۲) ملکوتی الااللہ

(۳) جبروتی اللہ اللہ (۴) لاھوتی ھو ھو

ذاکر جب ناسوتی ذکر پر مداومت کرتا ھے تو اس پر ناسوتی اسرار کھل جاتے

ھین - اگر ذکر ملکوتی کو لازم کرلیتا ھے تو فرشتون کو دیکھتا ھے اور عالم ملکوت

مین جو کچھہ ھے اس کا نظارہ کرتاھے - جب ذکر جبروتی کو لازم کرتاھے توتمام روحون، کروبیون کا مشاھدہ کرتاھے۔ اگر ذکر لاھوتی کو ھمیشہ دل مین رکھے تو اس پر دوجہان کے اسرار کھل جاتے ھین اور اشیا' کی حقیقت نظر آنے لگتی ھے۔ صرف زبان کے ذکر کو بھی ناسوتی ذکر کہتے ھین دل کے ذکر کو ملکوتی اور روح کے ذکر کو جبروتی اور سر کے ذکر کو لاھوتی کہتے ھین -

(۱) ناسوتی ذکر

ناسوتی ذکر کے بھی چار قسم ھین - یک حلقی - دو حلقی - سہ حلقی چہار حلقی - اس کو دور مدور بھی کہتے ھین -

یک حلقی ذکر کے چار طریقے ھین:-

(۱) کلمہ لااله ناف کے نیچے سے کھینچتے ھین پھر سیدھی طرف اوپر لے جاتے ھین پھر " الاالله " کی دل پر ضرب لگاتے ھین -

(۲) کلمہ لااله کو دل سے کھینچتے ھین اور نظر آسمان پر اٹھاتے ھین اور الاالله کی ضرب دل پر لگاتے ھین - اس ذکر مین ارواح فرشتے اور کروبیان حاضر ھوجاتے ھین -

(۳) ذاکر اپنے دونون ھاتھہ منھہ کے نزدیک رکھے اور کلمہ نفی یعنی لا کو شروع کرے اور مٹھی باندھکر ھو کی طرف مد کے ساتھہ لے جائے اور کھولے۔ اسکے بعد ھوا مین ھاتھہ باندھے اور منھہ سے، کلمہ لااله کی ضرب کرے۔ ذاکر کو

چاهئیے کہ هوا میں نفی کے کلمہ کے اخراج کے وقت دو زانو کھڑا هو اور ضرب کے وقت بیٹھہ جائیے۔

اس ذکر میں دو رموز هیں - ایک یہہ کہ ذاکر خیال کرے کہ جو غیر حق هے اس کو میں نے منہہ سے اور دل سے کھینچ کر هوا میں اڑادیا - دوسرے یہہ کہ خیال کرے کلمہ اثبات کی ضرب کے وقت انوارالہی هوا سے آرهے هیں اور منہہ سے هوکر دل میں داخل هورهے هیں - یہی ذکر سماع اور وجد کے وقت بھی کیا جائیے تو بہت پر لطف هوگا وجد کرنے والے کو چاهئیے کہ کلمہ نفی کو اپنے سینے سے اٹھہ کر هوا میں گرتا هوا دیکھے اورسیدهی طرف سے هواسے نکل کر دل پر ضرب لگاتا خیال کرے۔

(۴) کلمہ نفی کو منہہ سے کھینچے اورسیدها هاتھہ هوا میں لے جائیے - پھر وهاں سے واپس لائیے پھر وهیں کلمہ اثبات کو هاتھہ بالا هکر منہہ میں ضرب کرے پھر بائیں هاتھہ سے بھی اسی طرح کرے - اس ذکر کے بہت سے فوائد هیں اس سے بعض روحیں اس کے ساتھہ مل کر ذکر کرتی هیں ۔

(۲) ذکر ناسوتی دوحلقی

یہہ نو قسم کا هوتا هے۔

(۱) ادائیے جلی معہ ضرب جلی - کلمہ لا کو دل سے بلند آواز کے ساتھہ سیدهی طرف کھینچے اس کے بعد حلقہ کرے اورالہ کو بائیں طرف لے جائیے اور کلمہ

الااللـه کی دل پر ضرب لگائے۔ امر ذکر مین بہی چند رموز ھین ۔ ایک یہہ ھےکہ ذاکر حلقہ کےوقت پہلے لف کونین کرے یعنی ھردو عالم کو لپیٹ کر سینہ ھی طرف پہینکدے دوسرے حلقہ مین لف خود خاکرے۔ یعنی اپنی ھستی کو لپیٹ کـــر پیچہے کی طرف ڈال دے اور اس طرح قول وفعل کےساتھہ ماسویٰاللـہ ســے منقطع ھوجائے۔ جس ذکر مین ذاکر خدا کو دیکہنا چاھتاھےتو خدا بہی اس کو دیکہتا ھے۔ طلب ذکر مین خدا سے ھرگز غفلت نہ کرے اورکسی چیز مین دل نہ ڈالے ہوئے حضور قلب اور توجہہ کےساتہہ ذکر کیاکرے ۔ خواطر سے بہی دل کو محفوظ رکہے۔ جب غیرکا خطرہ آئے تو اپنےپیرومرشد کی طرف توجہــــہ کرے۔ تمام خطرات دور ھوجائینگے۔ بحول الله وقوتــہ ۔

(۲) ادائےخفی وضرب خفی ۔ گذشتہ سند کےموافق کلمہ نفی اوراثبات کوآھستہ آھستــہ کہے۔

(۳) ادائی جلی وضرب خفی ۔ کلمہ لاالــہ کو اس طرح بآواز بلنـد کہےاور الا اللــہ کی ضرب آ ھستــہ لگائے۔

(۴) ادائےخفی وضرب جلی ۔ کلمہ نفی کو اسی طرح آھستہ کہے اور کلمہ اثبات کو بلند آواز سےدل پر ضرب دے۔

(۵) ادائےوھمی وضرب وھمی ۔ کلمہ نفی واثبات کو صرف خیال مین ادا کرے۔

(٦) ادائےجلی وضرب وھمی ۔ کلمہ نفی کو اس طریقہ پر بآواز بلندکہے اور

کلمہ اثبات کا خیال مین ضرب کرے۔

(۷) ادائے وہمی وضرب جلی - کلمہ نفی کو اسی طرح خیال مین کہے اور کلمہ اثبات کو دل مین بلند آواز سے ضرب کرے۔

(۸) ادائے خفی وضرب وہمی - کلمہ نفی کو اس طریقے سے آہستہ کہے اور کلمہ اثبات کو خیال مین ادا کرے۔

(۹) ادائے وہمی وضرب خفی - کلمہ نفی کو خیال مین کہے اورکلمہ اثبات کو آہستہ سے دل مین ضرب کرے۔

(۳) ذکر ناسوتی سہ حلقی

یہہ ہے کہ کلمہ نفی کو مد کے ساتھہ ناف سے کھینچے - پہلے سیدھی پھر بائین طرف لے جائے اس کے بعد الہ کو بائین سے سیدھی طرف لائے اسکے بعد کلمہ اثبات کی دل پر ضرب کرے۔

(۴) ذکر ناسوتی چار حلقی

کلمہ لا کو ناف سے یعنا دل سے مد کے ساتھہ نیچے سے اوپر تک پھر سیدھی سے بائین طرف لے جائے۔ پھر کلمہ الہ کو بائین سے سیدھی طرف لائے۔ پھر کلمہ الااللہ کو دل پر ضرب کرے اور اس حالت مین نفی کلی واثبات کلی کا تصور دل سے نہ نکالے۔

(۲) ذکر ملکوتی

یہہ سات قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ حدادی ۔ یکہ ضرب و یکہ رکنی ۔ یہہ اس طرح ہے کہ سر کی گود ہی مین لاالہ (لامطلوب اور لا موجود کی فکر کے ساتھہ) تصور کرے اور الاالله کو حداد کی طرح دل مین آواز سے یا سکون کے ساتھہ ضرب کرے۔

۲۔ دورکنی و دوضرب ۔ کلمہ الاالله کو سیدھی طرف لیجائے اور پھر دل پر ضرب کرے۔

۳۔ سہ رکنی وسہ ضرب ۔ کلمہ الاالله کو سیدھے رکن پر لیجائے اور ضرب کرے پھر بائین رکن پر لیجائے اورضرب کرے اور پھر رکن دل پر لے جائے اور ضرب کرے۔

۴۔ چار رکنی وچار ضرب ۔ اس مین وہی تین رکن ۔ تین ضرب اور چوتھا رکن سامنے کی طرف ۔

۵۔ پنج رکنی وپنج ضرب ۔ چار رکن اور چار ضرب وہی اور رکن یا ضرب پنجم پیچھے کی طرف ۔

۶ ۔ شش رکنی وشش ضرب ۔ پانچ رکن اور پانچ ضرب وہی اور چھٹا رکن یا ضرب آسمان کی طرف ۔

۷۔ ہفت رکنی وہفت ضرب ۔ چھہ رکن اورچھہ ضرب وہی ۔ ساتوان رکن یا ضرب نیچے کی طرف ۔

بعض مشائخ قادریہ دوازدہ ضرب اور دوازدہ رکنی تک بھی ذکر کرتے ہین اور ہرذکر مین کلمہ الااللہ کو یا دوسرے کلمہ کو دل پر ضرب کرتے ہین اور یہہ کامل الاثر ہوتاہے۔ وہ زبان سے الااللہ کہتے ہین اور تصور " لامعبود " اور " لا مقصود " کا کرتے ہین ۔ اور جو ذکر بے فکر کیاجاتا ہے وہ ہرگز مقصد تک نہین پہنچاتا ۔

ذکر کی ایک قسم " ذکر فنا ٔ وبقا ٔ " ہے ۔

اس کے سات طریقے ہین :-

(۱) پہلا طریقہ یہہ ہے کہ نماز کے قاعدے مین بیٹھہ کر سیدھے زانو کو کھڑا کرے ۔ پھر ایک بار کلمہ الااللہ کا زانو پر ضرب کرے دوسری بار دل پر شدت کے ساتھہ ضرب کرے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہہ ہے کہ دونون زانوون کو کھڑا کرے اور حالت ضرب مین سینہ کو آگے بڑھائے۔

(۳) تیسرا طریقہ یہہ ہے کہ کھڑا ہوجائے اورسیدھے پاون کو ذرا آگے بڑھاکر رکوع کرے ۔ اس حالت مین اپنے سینے پر ضرب کرے۔ پھر سر اٹھاکر دل پر ضرب کرے ۔

(۴) چوتھا طریقہ یہہ ہے کہ قرآن مجید کے چار نسخے اپنے چارون طرف رکھے۔ یعنی سیدھے۔ بائین ۔ آگے اورپیچھے۔ ذاکر بیٹھہ بھی سکتاہے مگر بہترہے کہ

کھڑا ہو - پہلی بار الااللـہ کا سیدھی طرف ضرب کرے- پھر کہے یا حی پھر بائین طرف ضرب کرے اور کہے یاقیوم - تیسری بار آگےکی طرف ضرب کرے اور کہے یا سمیع - چوتھی بار پیچھے کی طرف ضرب کرے اور کہے یا علی - اس ذکر مین قرآن کےاسرار اور معنی اور " سبع مثانی " (سورہ فاتحہ) کے حقائق ودقائق کھل جائینگے-

(۵) پانچوان طریقـہ - ایک انگھوٹھی مین آگ پھونکنا - پہلی بار الا اللـہ کا آگ کےشعلے پر ضرب کرے- دوسری بار اسی طرح محمدالرسول اللـہ کا ضرب کرے- اس ذکر مین کشف باطنی حاصل ہوتا ہے- لیکن کسی کو اس کا حال نہ بتلائے-

(٦) چھٹا طریقہ - اس طرح ہےکہ الااللـہ کی ایک ضرب سیدھےکاندھے پر کرے اور ایک بائین کاندھے پر -

(٧) ساتوان طریقہ - یہہ طریقـہ مجوسیون کےفصل کی طرح ہے- اس طرح کہ پانچ انگلیان اپنی پیشانی پر رکھے اور کہے لاالـہ اور پھر ان کو بائین ہتھیلی پر رکھے اور کہے الااللـہ -

(۳) ذکر جبـروتی (اسم ذات)

اس مین لفظ اللـہ اللہ زبان سےکہے یا احد - یا صمد کا وہم یا خیال کرے- اسم ذات اللـہ کو پکار کرکہے اوراسمائے صفات مثلاً رحمن ورحیـم کا

دل مین خیال کرے۔ یا سید ھی طرف یا احد اوربائین طرف یا قیوم کہےاور دل مین یااللہ اورسید ھی طرف یا سبوح اور بائین طرف یا قدوس کہے اور دل مین یااللہ کہے۔ اس طرح جملہ اسمائے صفات اسم ذات کےساتھہ ذکر کرے اورجو حاجت ہو پیش کرے انشا ٔ اللہ پوری ہوگی ۔

(۴) ذکر لاھوتی (ھو)

ذکر لاھوتی بھی ذکر جبروتی کی طرح ہوتا ہے مگر اسکی تاثیر کشف حقائق ہے " ھو " کو زبان سے کہتےھین اور دل مین " اللہ الحی القیوم " سانس باہر چھوڑتےوقت لفظ " ھو " کا تصور کیاجاتاھے ۔ ذکر خفی بھی ذکر جلی کی طرح کیاجاتاھے اور اس مین ذرا دم لیتےھین تاکہ زیادہ تنگی محسوس نہ ہو ۔

حضرت شاہ اسمعیل شہید اپنی کتاب مستطاب صراط مستقیم مین اپنے پیر حضرت سید احمد شہید کےتلقین کردہ ان اذکار قادریہ کا ذکر کیاھےجو انھین سلسلہ قادریہ کے مشائخ سے پہنچے ھین یہان ھم اسم ذات " اللہ " کےذکر کے ان طریقون کو پیش کررھےھین جو اس کتاب مین دئیےگئےھین :۔

یک ضربی ذکر

ذکر یک ضربی کا طریقہ یہہ ھےکہ نماز کی ھیئت پر یعنی دوزانو بیٹھہ کر لفظ مبارک اللہ کو سینے کےوسط سے شدت کےساتھہ بآواز بلند نکالے

اور اپنے منھہ کے سامنے ضرب لگاتی جائے۔اور لفظ مبارک کا تلفظ ادا کرتے وقت سوچاجائے کہ ایک نوراسی لفظ کے ہمراہ اس کے منھہ سے نکلا ۔ جب ضرب مکمل ہوجائے تو اس وقت ایک لمبی سی آواز گھڑیال کی صدا کی طرح خیال میں رہیگی ۔ کیونکہ جب انسان بہت زور سے کوئی آواز نکالتاجاھتا ہے توقبل اس کےکہ وہ آواز سنائی دے اس کو ایک حرکت سی معلوم ہوتی ہے اور اس کو " صوت خیالی " کہہ سکتے ہیں اور جب زور کی بلند آواز ختم ہوجاتی ہے تو اس کے تمام ہونےکےبعد اورقبل اس کےکہ سانس اپنی جگہہ پر آجائے اورلب و زبان اپنی پہلی حالت پر آئیں ایک ایسا امتداد صوتی خیال میں رہتا ہےکہ کان تو اس کو نہیں سنتے لیکن آواز کرنےوالا اس سے واقف ہوتا ہے۔ پس اس پچھلی آواز متخیل کو زیادہ تر کھینچے اور اس آواز کے کھینچنےکےساتھہ نور متخیل کو زیادہ لمبا اور پھیلا ہوا چادر نورانی کی طرح بناکر اپنے منھہ کی طرف سے سر پر ڈالے۔ اس طرح کہ تمام بدن سر سے پاوں تک اس سے احاطہ کرلے۔ پھر اس آواز متخیل سے بھی سکوت اختیار کرلے اور ایسا سوچےکہ چادر نورانی ہر طرف سے اس کےبدن میں داخل ہوگی اور سینےکےوسط میں جاکر جمع ہوگی ۔ پھر اسی طرح بار بار کرنےسے نور کی تہ پر تہ چڑھ جائیگی ۔ اور تمام جسم پر وہی نور قائم ہوجائیگا اور اس سکوت میں ذات بحت کی طرف متوجہ ہوجائے اس توجہہ کےقائم ہونے اور نور کےسینے میں جمع ہونےکےبعد اس طرح

اس ذکر کو کثرت سے لگاتار کرتا جائے تاکہ اس پر پوری طرح قابو حاصل ہو جائے۔

ذکر دو ضربی

ذکر یک ضربی کے راسخ ہو جانے کے بعد بطریق مسطور ذکر دو ضربی کرنا چاہئے اس کا طریقہ یہہ ہے کہ دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک " اللـــــہ " کو وسط سینہ سے شدومد کے ساتھہ بآواز بلند نکال کر داہنے زانو پر ضرب لگائے۔ پھر متخیل آواز کے امتداد کو آہستگی سے داہنے کندھے تک کھینچ کر وسط سینہ میں پہنچائے اور اس طرح خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ نور برآمد ہوا ہے اور زانو اور پہلو اور کاندھے اور داہنے ہاتھہ کی جگہہ تمام نور ہی نور ہوگیا ہے۔ یعنی یہہ تمام اعضا باطل اور نابود ہوگئے ہیں اور نور نے ان کی جگہہ لے لی ہے۔ پھر تھوڑی سی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں نور کا اعضائے مذکورہ کی بجائے ہونا ملحوظ رکھے۔ حتی کہ اس کے ذہن میں اس نور کی صورت ان اعضا کے بجائے خوب بیٹھہ جائے پھر اس لفظ کو اس نور کے ہمراہ سینے کے وسط سے داہنے شانے تک کھینچکر دل پر شدت سے ضرب کرے اور ایسا خیال کرے کہ وہی نور جو اس کی داہنی جانب پر محیط ہو گیا تھا دل میں اترگیا اور پھر تھوڑی دیر کے لئے سکوت اختیار کرے اور اپنے اس سکوت میں اس طرح خیال کرے کہ وہی نور جو اس کے دل میں اتر گیا تھا اس شخص کے تمام بدن کے اندر سرایت کر گیا ہے۔

سہ ضربی ذکر

ذکر سہ ضربی کا طریقہ یہہ ہے کہ چار زانو بیٹھہ کرایک ضرب اس طرح داھنی جانب لگائے۔ اور دوسری ضرب بائیں جانب اور تیسری ضرب دل پر اور چوتھی ضرب اپنے روبرو لگائے۔ اس چوتھی ضرب کے ساتھہ خیال کرے کہ جو نور اس کے ساتھہ برآمد ہواتھا نیچے سے اس کا احاطہ کررھا ہے اور اس کو پوری طرح گھیر لیا ہے تاکہ وہ اس نور میں کامل طور پر محو اور مستغرق ہوجائے۔

اس ذکر سے فائدہ اور مقصد یہہ ہے کہ اس ذات کے ذکر کا اثر ذاکر کے تمام بدن پر اجمالاً اور تفصیلاً احاطہ کرلے۔ اور بشریت کی ظلمت تمام بدن سے عموماً اوراعضائے مذکورہ سے خصوصاً نکل جائے ۔ اور فنائے جسمانی کی تمہید ہوجائے۔

جب اذکار چہارگانہ کے آثار پہلے ضرب سے لیکر چار ضربی تک ظاھر ہوجائیں اس وقت فکر یا مراقبہ کیاجاتاہے۔(۱۱)

شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب قول الجمیل میں " دورہ قادریہ " کاذکر کیا ہے جو یہہ ہے:۔(۱۲)

ذاکر اپنی آنکھوں اورلبوں کو بند کرلے اور زبان قلب سے بطریق صعود و عروج کہے اللہ سمیع ۔ اللہ بصیر ۔ اللہ علیم کہے اس طرح کہ اللہ سمیع

تو دل سے کہے اور اپنے تصور میں ناف سے سینے تک صعود کرے - پھر الله بصیر کہکر سینے سے دماغ تک پہنچے اور پھر اللــه علیم کہتے ہوئے عرش تک عروج کرے- پھر بالعکس زبان قلب سے بطریق ھبوط ونزول الله علیم - الله بصیر - الله سمیع کہتے ہوئے درجه بدرجه نزول کرے- اس طرح اللــه علیم کہتے ہوئے عرش ســے دماغ پر آٹھہرے- پھر اللــه بصیر کہتے ہوئے دماغ سے سینے پر اور اللــه سمیع کہتے ہوئے سینے سے ناف پر ھبوط کرے- یہه ایک " دوره " ہے اس کو " دورقادر" کہتے ھین - اس طرح پر بار بار دور کرتا رہے- بعض " اللــه قدیر " کا اضافه کرتے ھین - اس صورت مین تیسری بار آسمان تک اورچوتھی بار عرش تک ذکــر خفی کرے بعض انوار و آثار یہه ھین - حب الہی کا قلب مین پیدا ہونا - فکر کی طرف میلان - شوق پیدا ہونا خاموشی مین حلاوت محسوس کرنا - طلب حق کی ھمت پیدا ہونا - ہرشئے پرحق تعالی کو مقدم رکھنا- امور دنیامین مصروفیت سے نفرت کا پیـدا ہونا وغیره -

ملائکــه علوین اور ارواح کے کشف کا ذکر

جس روح کی بہی حاضری مطلوب ہو یہه ذکر کرناچاھئے-

" سبــوح قدوس رب الملائکــة والروح "

اس طرح که سبوح پہلے سیدھی طرف کہے اور قدوس بائین طرف - رب الملائکه آسمـان کی طرف اور والروح کا دل پر ضرب کرے-

دفع امراض کے لئے ذکر

اس ذکر میں یا احد سیدھی طرف کہے یا صمد بائیں طرف اور یا وتر آسمان کی طرف اور دل میں یا حی یاقیوم ۔ اور یا احد یا صمد کا یہہ ذکر اشیاء کے کشف حقائق میں بہی ہوتاہے سیدھی طرف یا احد کہے اور بائیں طرف یا صمد اور یا حی یا قیوم کا ذکر ایک حلقہ میں شروع کرے۔ سیدھی طرف یاحی کہکر سر کو پہیرے اور دل میں یاقیوم کی ضرب کرے۔

امور بستہ کے کہولنے کے لئے ذکر

نماز تہجد کے بعد ہزار مرتبہ یاحی سیدھی طرف کہے اور یاقیوم بائیں طرف اور یا وہاب آسمان کی طرف اور دل میں یااللہ کا ضرب کرے۔[۱۳]

اوقات ذکر

ذکر جلی خلوت میں کرے۔ البتہ ذکر خفی جلوت میں کیاجاسکتاہے۔ چونکہ رات دن میں ایک ساعت خاص قبولیت کی ہوتی ہے اس کی تلاش میں رہنا ضروری ہے۔

احادیث نبوی میں تفکر اور طاعت کی جو دعوت دی گئی ہے۔ ان مشائخ قادریہ کے ہاں تفکر اور طاعت سے مراد پاس انفاس اور ذکر خفی ہے۔

اصول وشرائط ذکر

ذاکر جب ذکر جلی کرناچاہے تو اسکو چاہئے کہ ایسی جگہہ اختیار کرے

جہان کسی کی آواز نہ سنائی دے - اسکے علاوہ ظاہر وباطن کی پوری طہارت کا التزام رکھے- غسل یا وضو کرکے پاک کپڑے پہن لے اور بہتر ہے کہ خوشبو جلائے اوراپنے کپڑون مین بھی لگائے- کیونکہ ملائکہ اورارواح طیبہ اس سے خوش ہوتی ھین - اور پھر چار زانو یا دو زانو ہوکر قبلہ رو بیٹھ جائے اور دونون ہاتھ زانو پر رکھے اور انگلیون کو حالت نفی مین اٹھائے کہ یہ اشارہ فنا کا ھے اور حالت اثبات مین نیچے کرلے کہ یہ اشارہ ھستی باری کا ھے پھر پوری توجہ سے خدا کا نام لینا شروع کردے اورغیر حق سے بالکلیہ اعراض کرلے- پھر کلمہ توحید کے ذکر جلی یا خفی مین مشغول ہوجائے ماسوی اللہ سے نفی کرے وقت پہلے اپنی ذات کی نفی کرے- جب وہ اپنی خودی کی نفی کرتا ھے تو ماسوی اللہ کی نفی خود بخود ھوجاتی ھے- کلمہ اثبات مین حق تعالی کو حاضر وناظر جانے کوئی وقت کوئی ساعت ذکر سے خالی نہ ہو- یہان تک کہ ذکر اور ذاکر دونون مذکور مین فنا ھوجائین - ابتداء مین کلمہ لاالہ الااللہ کا نو بار ذکر کرے پھر دسوین بار محمد الرسول اللہ کہے- جب ذکر کا غلبہ ہوتو محض نفی اور اثبات پر اکتفا کرے- جب کبھی ذکر کرنا چاھے خواہ تنہا یا جماعت مین تو اول دس بار یہ درود پڑھے:-

" اللہم صلی علی محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم " اور دس بار " استغفراللہ ربی من

کل ذنب واتوب الیہ " پڑھے اور کلمہ تمجید اس طریقہ پر پڑھے:-

سبحان اللہ	تین مرتبہ
والحمدللہ	تین مرتبہ
لاالہ الااللہ اور	تین مرتبہ
واللہ اکبر	تین مرتبہ

اس کے بعد لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ایک مرتبہ پھر اللہ ایک بار یاحی ایک بار یا قیوم ایک بار برحمتک استغیث ستر بار۔ اور یہہ آیت تین بار پڑھے۔ " فاذکرونی اذکرکم واشکر والی ولا تکفرون ۔ اوریہہ آیت تین بار
(پ ۲ ع ۲)

پڑھے۔ " والہکم الہ واحد لاالہ الا ھوالرحمن الرحیم "۔ ایک بار یہہ آیت
(پ ۲ ع ۳)

واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبو الی ولیو منو ابی لعلھم یر شدون "۔ اور یہہ آیت تین بار پڑھے " اللہ لاالہ
(پ ۲ ع ۷)

الا ھوالحی القیوم "۔ اور یہہ آیت تین بار " شہداللہ انہ لاالہ الا ھو
(پ ۳ ع ۲)

والملئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط لاالہ الا ھوالعزیزالحکیم "۔ اوریہہ
(پ ۳ ع ۱۰)

آیت دس بار پڑھے " وما محمد الا رسول قدخلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضراللہ شیئاً

وسیجزی اللـہ الشکرین "۔ اور یہہ آیت تین بار پڑھے " وتو بو الی اللہ
(پ ۴ ع ٦)

جمیعـاً ایہاالمومنون لعلکم تفلحون ۔ اور یہہ آیت سات بار پڑھے " ہل من
(پ ۱۸ ع ۱۰)

خالق غیراللہ "۔ اوریہہ آیت تین بار پڑھے " ہواللہ الواحد القہـار " ۔ اور
(پ ۲۲ع ۱۳) (پ ۲۳ ع ۱۵)

یہہ آیت دس بار پڑھے " ربی اللـہ " ۔ اور یہہ آیت تین بار پڑھـــے۔
(پ ۲۴ع ۹)

" الا انہ بکل شئی محیط "۔ اور یہہ آیت تین بار پڑھے ۔ " انما الـحکم
(پ ۲۵ ع ۱)

الـہ واحد "۔ اور یہہ آیت تین بار پڑھے۔ " ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا
(پ ۱٦ ع ۳)

صراط مستقیم "۔ اور یہہ آیت تین بار پڑھے ۔ " وھوالذی فی السماء الـہ
(پ ۳ ع ۱۳)

وفی الارض الہ ھوالحکیم العلیم "۔ اور یہہ آیت تین بار پڑھے۔ " ھوالحی
(پ ۲۵ ع ۱۳)

لاالـہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمدللہ رب العلمین "۔ اور یہہ آیت
(پ ۲۴ ع ۱۲)

دس بار پڑھے ۔ " ایاک نعبد وایاک نستعین "۔ اس کے بعد باقی سورہ فاتحہ
(سورہ فاتحہ)

پڑھے ۔ اس کے بعد ذکر شروع کرے اس طرح کہ فاعلم انہ لاالـہ الااللـــہ ۔

ذکر ناسوتی شروع کریں تو تین بار بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے
(پ ۱۹ ع ۱۴)

پھر یہہ دعا تین بار پڑھے۔ " ربنا اخرجنا من الظلمت الی النور "۔

پھر ذکر ملکوتی شروع کریں تو تینتیس (۳۳) بار سے کم نہ کریں۔ پھر تین بار

بسم اللہ پڑھکر یہہ آیت تین بار پڑھے۔ " قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی

انما الہکم الہ واحد فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً

ولا یشرک بعبادة ربہ احداً "۔
(پ ۱٦ ع ۳)

اس کے بعد ذکر جبروتی شروع کریں ۔ پانچ رکنی و پانچ ضربی ۔ اور ابتداء

اور انتہا ذکر کی اس شخص کی جانب سے ہو جو جماعت کا صدر بنایا گیا ہو اور

ذکر جبروتی پورا ہونے کے بعد اگر ممکن ہو تو یہہ پڑھے۔ بسم اللہ تین بار

کلمہ طیبہ تین بار اور یہہ دعا ایک بار ۔ " الہی بجلال قدسک وجمال

انسک نظرک الی اولیائک وشربک الی اصفیائک وشوقک الی مشتاقک و

بمحبتک لطالبیک ان تنور قلوبنا بنورک وتجعلنا من اهل حضورک حتی تیسر لنا

سیاحة بحر الانوار وتهیئ لنا امواج در الاسرار اللہم شرفنا نعمة لقائک

واحشرنا فی زمرة اولیائک ۔ اللہم طهر من محبتی الدنیا قلوبنا ببصر

عبو تنا فی عبو بنا اللہم زین ظواهرنا برحمتک وبواطننا بخشیتک وقلوبنا

بمعرفتک اللہم وفقنا بمرضاتک وثبتنا علی دینک وطاعتک ۔ اللہم صل والد نبا

باعصننا وعظم جلالك فی قلوبنا ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب اللهم اشغل جوارحنا بطاعتك ونور قلوبنا بمعرفتك واشغلنا طول حیاتنا فی لیلنا ونهارنا بمراقبتك والحقنا بالذین تقدموا من الصالحین وارزقنا ما رزقتهم وکن لنا کما کنت لهم آمین یارب العالمین ۔ سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدلله رب العالمین"۔ اس دعا کے بعد مشائخ قادریہ کی ارواح کے نام فاتحہ پڑھے اوراسی فاتحہ مین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمة الله علیه حضرت علی ۔ حضرت فاطمه حضرت امام حسن و امام حسین علیهم السلام اور باقی نو اماموں کانام بهی لے پهر حضرت رسول الله صلعم کا نام لے اول وآخر گیارہ مرتبه درود پڑھے۔ پهر حصول مرادات اور دفع بلیات کےلئے سب حاضرین کی آمین کےساتهه دعامانگے اور شیرینی بهی تقسیم کرےتو بہتر ہے۔ اسکےبعد سب جماعت کهڑے ہوکر مصافحه کرے ١٣)

زکوٰاة اسماء

طریقه قادریه مین بعض اسماء کی زکوٰاة دلواتےهین ۔ زکوٰاة اس طرح ہےکہ ایك لاکهه یا سوا لاکهه دفعه الله تعالی کےکس نام کو پڑھاجائے۔ قرآن شریف مین کثرت بتلائی گئی ہےتو مائة الف اویزیدون یعنی لاکهه یا اس

سے کچھ زائد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر اسم الہی کے ساتھ ایک " توجہ شریف " رہتی ہے وہ دراصل ایک دعا ہے جو سو یا پانچسو کے بعد پڑھی جاسکتی ہے اس کی تفصیل ہم کو موجودہ کتابوں میں کشکول شریف اور فیوضات قادری میں ملتی ہے مگر ہم یہاں چند اسماء کی زکواۃ کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں ۔

طریقہ قادریہ میں جن اسماء کی زکواۃ دیجاتی ہے وہ یہ ہیں:۔

لاالہ الاالله ۔ الله الله ۔ یاحی حی حی ۔ یا واحد واحد واحد ۔ یا عزیز یا وہاب ۔ یا ودود ۔

بعض مشائخ چند اور اسماء کی بھی زکواۃ دلواتے ہیں:۔

یاذوالجلال والاکرام ۔ یاحی یا قیوم ۔ یارحم الراحمین ۔ اللھم رب النبی محمد (۱۵)

جلسات ذکر

اذکار کے جلسات کی تعداد کل چوراسی بتلائی جاتی ہے اور ہر جلسے یعنی بیٹھک میں ایک خاص نفع ہوتا ہے۔ اور ہر ذکر کا ایک خاص فائدہ اور خاص تجلی ہے ان جلسات میں سے ایک وہ ہے جس میں تمام جلسوں کی خاصیتیں موجود ہیں اس وجہہ سے مشائخ قادریہ اس بیٹھک کو اختیار کرتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے۔ ذکر کرنے والا آلتی پالتی مارکر یا مربع ہوکر بیٹھے اور دونوں پاوں کو جمع کرکے خصتین کو پائیں پاوں کے ٹخنے کے نیچے رکھے اور سیدھے پاوں کے ٹخنے کو اسکے نزدیک رکھے۔ پھر دم کو نیچے سے اوپر کھینچے اور پیٹھ سیدھی رکھے اور دونوں ہاتھ

زانو پر رکھے پھر حبس نفس یعنی دم روک کر ذکر پاس انفاس یا کوئی ذکر کرے۔
ذاکر کو چاہیے کہ اس جلسہ میں نماز تہجد کے بعد سے طلوع فجر تک رہے ۔
اس کے فائدے اس قدر ہیں کہ تحریر میں نہیں آسکتے ۔

عالم غیب کا مشاہدہ کرنے کا جلسہ

عالم غیب کا مشاہدہ کرنا ہو تو اس طور پر بیٹھے کہ دونوں آنکھوں کی نظر
ناک کے منہہ پر رکھے۔ اس حالت میں لفظ اللہ کا دل میں تصور کرے جب یہہ
تصور کمال پر پہنچ جائیگا تو جو اس کی نظر میں آئیگا اس کا تابع ہوجائیگا ۔ اس پر
زہر اور جادو اثر نہ کریگا اور کوئی بیماری نہ ہوگی ۔ دعائیں قبول ہونگیں اور وہ
کشف غیب میں مشہور ہوگا ۔ مگر یہہ بیٹھک کسی کے سامنے نہ کرے لوگوں کے سامنے
معمولی طریقے پر ذکر کرے۔ سب بیٹھک کے طریقوں کا ذکر یہاں لاحاصل ہے۔ ضروری
کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ البتہ ذکر اور تصور میں کمال حاصل ہوجائے تو پھر
کسی قسم کی بیٹھک کی ضرورت نہیں ۔ (۱۶)

(۲) فکــــر یا مراقبــــــه

صوفیائے کرام کے پاس وصول الی اللہ کا دوسرا طریقــہ " فکر " یا " مراقبہ " ہے۔ " مراقبہ " کے لغوی معنی ہیں اونٹ کی گردن پر سوار ہوکر دوست کی جانب روانہ ہونا ۔ اور اصطلاح سلوک میں اس کا مفہوم دوست کو اپنی نظر میں رکھنــا اور دوست کے حضور میں گردن جھکادینا ہے۔[۱] امام قشیری فرماتے ہیں کہ " مراقبــــہ " دراصل بندہ کا یہہ علم ہے کہ اس کا رب اس کے حال پر مطلع ہے اور اس علم کا استدام ہی بندہ کا مراقبــہ رب ہے اور مراقبــہ اصل ہے ہر خیــر کا ۔ " مراقبــہ کا حاصل یہہ ہے کہ سالک اپنی قوت ادراک کو پوری طــرح اللہ تعالی کی صفات کے تصور میں لگادے ۔[۲] مراقبــہ رقیب سے مشتق ہے اور رقیب کے معنی نگاہبــان کے ہیں ۔ اس لحاظ سے مراقبــہ دل کی غیر حق سے پاسبانی کرنا ہے۔

پاسبــان دل شو اندر کل حــــــال
تا نیاید هیـچ دزد آنجــــا مجـا ل

هر خیال غیر حق را دزد دا ن
این ریاضت سالکان را فرض دا ن
(مزید)

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی ہمارے رقیب ہیں اور انسان سے پوشیدہ رہ کر بھی وہ اس کے معمولی سے معمولی عمل سے باخبر ہیں :-

وکان اللہ علی کل شئی رقیباً (پ ۲۲ ع ۳)	اور اللہ تعالی ہر چیز کا پورا پورا نگران ہے-
ان اللہ کان علیکم رقیباً (پ ۴ ع ۱۲)	بالیقین اللہ تعالی تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں -
ان ربک لبالمرصاد (پ ۳۰ ع ۱۴)	بیشک آپ کا رب نگہبان (یا گھات میں) ہے -

دوسری اور آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز بھی اللہ تعالی سے مخفی نہیں اور وہ ہر وقت ہر شخص کے عمل کی نگرانی کرتے ہیں اور حاضر وناظر ہیں -

افمن هو قائم علی کل نفس بما کسبت - (پ ۱۳ ع ۱۱) (پ ۳۰ ع ۲۱) الم یعلم بان اللہ یری	پھر کیا جو ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو (اور ان لوگوں کے شرکاء برابر ہوسکتے ہیں)- کیا خبر نہیں کہ اللہ تعالی دیکھ رہا ہے۔

بعض احادیث نبوی سے بھی اس مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور صلعم کے پیچھے تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا :-

یا غلام احفظ اللہ یحفظک — اے لڑکے نگاہ میں رکھ اللہ تعالی کو

احفظ الله تجده تجاهدك الخ — کیونکہ وہ تجھہ کو نگاہ مین رکھیگا
(رواہ احمد وترمذی) — حفظ کر اللہ کو تو اللہ کو سامنے پائیگا۔

دوسری روایت غیر ترمذی مین یہہ الفاظ هین کہ تو نگاہ مین رکھہ اللہ کو ۔ تو اس کو اپنے روبرو پائیگا ۔ (تجدہ امامک)

حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلعم سے کہا " اخبرنی عن الاحسان " تو حضور صلعم نے فرمایا

ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔ (رواہ مسلم) — عبادت اس طرح کر کہ تو خدا کو دیکھتا هے اور اگر تو نہین دیکھہ سکتا تو خدا تجھہ کو دیکھتا هے۔

ابن عطا سکندری کا قول هے:۔

افضل الطاعات مراقبۃ الحق علی دوام الاوقات ۔ — بہترین طاعت دوام مراقبہ حق هے۔

امام غزالی نے کہا هے کہ کسی شخص نے ابن المبارک سے مراقبہ کے نسبت دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ :۔

کن ابداً کانک تری اللہ عزوجل — یعنی تو همیشہ کے لئے ایسا هو جاکہ گویا تو اللہ عزوجل کو دیکھہ رہا هے۔

چنانچہ عبدالواحد بن زید نے کہا تھا:۔

اذا کان سیدی رقیباً علیّ فلا ابالی بغیرہ ۔ — جب میرا مالک میرا پاسبان و نگہبان هے تو پھر مجھے کسی دوسرے کی پروا نہین۔

" ذالك لمن خشی ربه " كی تفسیر مین بیان كیا گیا هے كه :-

ای ذالك لمن راقب ربه عزوجل وحاسب نفسه وتزود لمعاده۔

یعنی یه اس كے لئے جس نے اپنے رب كو پیش نظر ركھا اور اپنے نفس كا محاسبه كیا اور اپنی آخرت كے لئے زاد راه تیار كرلیا۔

اس معنی مین ایك عرب شاعر نے كها هے:-

اذا ما خلوت الدهر یوما فلا تقل
خلوت ولكن قل علی رقیب

جب تو خلوت مین هو تو یه نه كهه كه مین خلوت مین هون بلكه كهه كه مجھ پر ایك نگهبان هے۔

ولا تحسبن الله یغفل ساعةً
ولا ان ما تخفیه عنه یغیب

الله كو هرگز ایك لمحه غافل نه سمجھ كه جو چیز تو اس سے چھپاتا هے وه مخفی هے۔

الم تر ان الیوم اسرع ذاهب
وان غداً للناظرین قریب

كیا تو یه نهین دیكھتا كه آج كا دن كتنی تیزی سے جا رها هے اور كل كا دن دیكھنے والون كے قریب هے۔

هم مراقبه كا دو قسمون مین صاف امتیاز كرسكتے هین:-

(۱) صدیقین اور مقربین كا مراقبه - جس كا مقصد یه هوتا هے كه قلب حق تعالی كے اجلال وتعظیم كے ملاحظه مین مستغرق هوجائے اور اس كی وجه سے قلب هر طرف سے ٹوٹ جائے اور پھر همین غیر كی طرف بالكل توجه یا التفات كی گنجائش نه رهے۔ یه مراقبه قلب پر مقصور هوتا هے اور اس كے

تیجے کے طور پر اعضا وجوارح مناجات کی طرف سے بھی التفات نہیں کرپاتے۔ اور ان سے صرف طاعات ھی سر زد ہوتے ھیں ۔ گویا ان کا حال یہہ ہوتا ھے کہ ان کا خود نہ ارادہ ہوتا ھے نہ مشیت ۔ کسی کے چلائے ہوئے حرکت کرتے ھیں ورنہ رکے جاتے ھیں اس طرح بندگی کے اعلیٰ مقام پر ہوتے ھیں ۔

چند پرسی کہ بندگی چہ بود ۔ بندگی جز فگندگی نہ بود

(۲) دوسرا مراقبہ اصحاب یمین کا ھے۔ یہی وہ حضرات ھیں جو حق تعالی کے ناظر ورقیب ہونے کا کامل اعتقاد رکھتے ھیں لیکن مالک حقیقی کے جلال کے ملاحظہ نے انہیں مدہوش نہیں کیا ھے وہ حد اعتدال پر قائم ھیں اور احوال واعمال کی طرف التفات کرتے ھیں اور باوجود اعمال کی مشغولیت کے ان کے قلب مراقبہ سے خالی نہیں اور ان پر ہروقت " حیا " من اللہ " اس قدر غالب رہتی کہ گناہ کے قریب نہیں جاتے اور ھر وقت اپنے قریب حق تعالی کو پاتے ھیں اور حق تعالی کو ہروقت اپنے حال سے واقف جانتے ھیں ۔ اور اس مراقبہ کی وجہہ سے دنیا کی کسی لذت کا اثر ان پر نہیں ہوتا ۔ یہی وہ حضرات ھیں جن کو صوفیا " اہل عشق " یا " اہل جنون " کہتے ھیں اور ان کے حال کا یہہ شعر آئینہ دار ھے :-

این همه طمطراق کن فیکون

ذرہ نیست پیش اہل جنون

اس توضیح سے یہہ بات سمجھہ مین آتی ہےکہ مراقبہ دراصل فکر ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی فضیلت مین شیخ جلال الدین سیوطی نے " جامع صغیر " مین حدیث نقل کی ہے:—

فکر ساعة خیر من عبادة ستین سنة (جامع صغیر)	ایک ساعت کی فکر ساٹھہ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

اور قرآن حکیم مین اشارہ کیا گیا ہے:—

الذین یذکرون الله قیاماً وقعوداً وعلی جنوبهم ویتفکرون فی خلق السموات والارض۔ (پ ۴ ع ۱۱)	جو الله کا ذکر کرتے ہین ۔ کھڑے بہی بیٹھے بہی لیٹے بہی اور آسمانون اور زمینون کے پیدا ہونے پر غور کرتے ہین ۔

اس کے متعلق مولانا قمرالدین نے " نورالکریمتین " مین یہہ نکتہ پیش فرمایا ہےکہ " یتفکرون " کا " یتذکرون " کےبعد ذکر کرنا یہہ بتلا رہا ہےکہ مقام مدح مین فقرہ ثانیہ فقرہ اولی سے بلند وبرترہے —(۳) چنانچہ صوفیہ کرام مبتدی کو پہلے ذکر کی تلقین کرتے ہین پہر مراقبہ کا حکم دیتے ہین اور مختلف خانوادون مین مختلف آیات کے مراقبات کرائے جاتے ہین ۔

ملفوظات قادریہ مین مراقبہ کی نسبت حضرت غوث اعظم کے یہہ ارشادات نہایت واضح ہین ۔

ان اراد الفلاح فعلیک بالسکون بین یدیه عزو جل ۔	اگر تو فلاح چاہتا ہے تو حق تعالی کے سامنے بالکل ساکن ہوجا۔

بھی سکون ظاہری مع باطنی سکون حق تعالی کی طرف سے عطا ہوتا ہے مراقب بالکل خاموش ہوتا ہے ظاہراً وباطناً اوراپنے تمام مدارک وقوی کے ساتھ متوجہ بحق -

ان اردتم الوصول الیہ فقیدوا السنتکم الظاہرۃ والباطنۃ فان علیکم رقیبا الملائکۃ یراقبون ظواہرکم والحق عزو جل یراقب بواطنکم۔

اگر تم وصول الی اللہ چاہتے ہو تو اپنی ظاہری باطنی زبانوں کو قید کرلو کیونکہ تم پر فرشتے نگران ہیں جو تمہارے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور حق تعالی تمہارے باطن کو دیکھتا ہے۔

اس کے باوجود وہ حق تعالی اوراس کے بندوں کے سارے حقوق ادا کرتا ہے:-

علیک بالمراقبۃ اللہ عزوجل والمطالبۃ نفسک بما یجب علیہا من حقوق الحق عزو جل وحقوق خلقہ ان اردت الخیر دنیاً وآخرۃ فراقب علم اللہ عزوجل فیک و طالب نفسک بالعمل -

تجھ کو اللہ کا مراقبہ لازم ہے دوسرے اپنے نفس سے تقاضا کرتے رہنا خدا اور بندوں کے ان حقوق کا تقاضا جو اس پر واجب ہیں - اگر تو دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو تیرے اندر جو خدا کا علم ہے اس پر دھیان رکھ اور اپنے نفس سے عمل کا مطالبہ کرتے رہو -

خلوت وجلوت میں قلب کی اغیار کے خطروں سے کامل حفاظت ہوتی ہے:-

علیک بالمراقبۃ اللہ عزوجل فی الخلوت والجلوت - المراقبہ

تم پر مراقبہ حق لازم ہے- خلوت میں بھی جلوت میں بھی - صرف

الجلوة للمنافقين وفي الخلوة والجلوة للمخلصين -	جلوت مين مراقبه منافقين کا هوتا هے اور خلوت وجلوت مين مخلصين کا۔

اسی سلسلہ مین آپ فرماتے هين:۔

وبحك اذا رايت مستحسناً او مستحسنة فغض عينی نفسك وهواك وطبعك واذکر نظر ربك عز وجل اليك فغض عينيك عن النظر الی المحرم۔	جب تو کسی خوبصورت مرد یا خوبصورت عورت کو دیکھے تو اپنے نفس وهوا وطبیعت کی آنکھون کو بندکرلے اوریادکر کہ الله عزوجل کی نظر تجھے دیکھ رهی هے۔ اپنی آنکھ اس شئے سے بند کرلے جو تجھ پر حرام کردی گئی هے۔

پھرنہایت تاکید کے ساتھ یاد دلاتے هين:۔

الله عليك شاهد وهو معك اينما توجهت فثم وجه الله الله ربنا عزوجل عالم بکل شئ شاهد في کل شئ حاضراً علی کل شئ رقيب۔ ومن کل شئ قريب۔	الله تجھ پر شاهد وحاضر هے وہ تیرے ساتھ هی تو هے۔جدھر تو منھ کریگا ادھر خدا کا رخ هے۔ الله همارا رب هے۔ جاننے والا هرچیز کو دیکھتا هے۔ هرچیز پر حاضر هے۔ هرچیز کا نگران هے۔ هر شئے سے قریب هے۔

اور آخر مین مراقبہ کے نتیجے کی طرف اشارہ فرماتے هين:۔

کن بلا وجود ولا تدبير ولا اختيار وطبك بالمحو ابداً (۲)	بے وجود بے تدبیر بے اختیار هوجا اور همیشہ کے لئے محو هوجا۔

مانند آن اللـه باقی جمله رفت ۔ اللـه لیس فی الوجود غیـر اللـه ۔

شیخ عالی مقام کے ہاں اصل مراقبہ کی دو ہی قسمیں ہیں ۔

۱۔ مراقبـہ شہود و ۲۔ مراقبـہ وجود

۱۔ مراقبہ شہود یہہ ہے کہ :۔

ہم یہہ جان لیں کہ حق تعالی شاہد حاضر وناظر ہیں ۔ جب تک کہ

اس علم کا استحضار ہے۔ ہم مراقبـہ شہود میں ہیں ۔

اس مراقبہ کے الفاظ حضرت شیـخ نے یہہ وضع فرمائے ہیں :۔

" یا عالماً بی ویا قریب منی ویا شـاہداً علیّ ـ ـ "

ذکر سے پہلے اگر ان الفاظ کو ہزار دوہزار مرتبہ تکرار کرلی جائے تو

ذاکر انوار الہی میں مستہلک ہوجاتا ہے۔

۲۔ مراقبـــہ وجود یہہ ہے کہ :۔

مراقب ہمیشہ لیلاً ونہاراً سراً وجہاراً عاشق دار مشتاق دیدار ،

اپنے باطن میں اور خلا وملا" میں رہے اور تصور کرے کہ " ہمہ اوست "

" ہمہ وست " اور ذکر ذات " اللـــہ " پر مداومت کرے۔ کیونکہ وجود دواصل

ایک سے زیادہ نہیں چنانچہ حضرت شیخ کا واضح قول ہے" ہوالاول والاخر

والظاہر والباطن کل ذالک ہو لا غیـــر ، "۔

طلسم لیقَینی گفته حق یقین کردم این نکته را ازان تضمین

که همه اوست هرچه هست یقین جان جان ودلبـــردل ودین

(جامی)

بر سراین وآن ناز وه خـــط پندار دوی دلیل بمداست وسخط

درجمله کائنات بی سهو وغلـط یک عین فحسب دان ویک ذات فقط

(جامی)

غیر یکذات در دو عالـم کو لیس فی الکائنـات الا هـــو

(جامی)

کتاب بهجة الاسرار اور کتاب تکملـه مین مراقبـه کی بیٹھک کا طریقـه

یهه بتلایاگیا هے کـه :-

رانون کو پیٹ سے جهکادیا جائے - هاتهون کو پنڈلیون پر رکهین اور ســر

نیچے کرلین اور اس حالت مین کلمات مراقبـه دل مین کهین ۵ مثـــلاً

" هوالاول والاخر والظاهر والباطن کل ذالک هو ولا غیـــره "

(وهی اول وهی آخر وهی ظاهر وهی باطن سب کچهه وهی نه کہ کوئی

اور هے) -

شاه ولی الله نے اپنی کتاب قول الجمیل مین مشائخ قادریه کے اشغال کاذکر

کرتے هوئے فرماتے هین:-

مراقبه کی اصل وسند وه حدیث هے جو حضرت عمر بن خطاب سے مروی

ہے (جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے) کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور انور صلعم سے کہا :-

" اخبرنی عن الاحسان "

تو حضور نے فرمایا :-

" ان تعبدالله کانک تراہ فان لم یکن تراہ فانہ یراک "

اور اقسام مراقبہ کے بے شمار ہیں لیکن جامع اقسام کثیرہ کا ایک ہی امر ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی کلمہ یا کوئی آیت قرآنی زبان سے پڑھی جائے۔ اس کے معنی کو اچھی طرح سمجھا جائے اور پھر غور کرے کہ اس معنی کی حقیقت کیا ہے اور اس کا تحقق کس طرح ہوسکتا ہے، اور پھر اس معنی پر فکر کو مرکوز کیا جائے کہ سوا اس کے کوئی دوسرا خیال یا خطرہ قلب میں خطور نہ کرے اور اس میں ایک قسم کا استغراق ہوجائے اور ماسوی سے ذہول ہوجائے۔

مشائخ قادریہ نے اپنے مراقبہ کے لئے ان کلمات وآیات قرآنیہ کو منتخب فرمایا ہے :-

(۱) الله حاضری الله ناظری الله معی

(۲) وھو معکم اینماکم کنتم - (پ ۲۷ ع ۱۷) — وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی رہو -

یہ فکر معیت حق ہے۔ سالک کامل طور پر یقین کرتا ہے کہ حق تبارک و تعالی ہرجا میرے ساتھ ہی ہیں - عشا کے بعد یا وقت سحر تنہا بیٹھ کر فکر

کرتا ہے کہ حق تعالی میرے ساتھہ ہیں - جہاں بھی میں رہوں - اس مراقبہ کا

اختتام یہہ ہے کہ بہر حال و ہرجا خلا میں ہو یا ملا میں - معیت حق کو

وہ اپنے ساتھہ جاننے لگتا ہے اور اسی میں مستغرق ہوجاتا ہے - اس کیفیت کو کسی

شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے:-

ہرزمان وہرمکان با من بود دلدار من - در سپہر وبیابان ہمیشہ باشد یار من

نیست آن رفتنے - نہ آن جائیے کہ گردد او جدا - چون حجاب ابر رفتہ از رخ انوار من

وہو معکم - این معیت کرد مسکین آن کسیتے کالکہ می شنود بگوش قلب این گفتار من

(۳) فاینما تولوا فثم وجہ اللـہ (پ ۱ ع ۱۴) تم لوگ جس طرف بھی منہہ کرو ادھر اللـہ کا رخ ہے -

اس شغل کی روش یہہ ہے کہ مراقبہ حضور میں تنہا بیٹھہ کر فکر کرے

کہ میں ہرجا حق جلالہ کو ہر سمت ویے کیفیت دیکھہ رہا ہوں کہ احسان کے

یہی معنی ہیں - " الاحسان ان تعبد ربک کانک تراہ " -

یہہ صورت فکر وہی دل پر ایسی نقش کرنی چاہئے کہ خیالات کا پانی اس

کو دھو نہ سکے اور جس جا نظر پڑے حق ہی کو بچشم دل عیان پائے -

ہرسو کہ روئے کردم آن دلستان بدیدم - ہرجا نظر فگندم او را عیان بدیدم

(۴) ہوالاول والاخر والظاہر والباطن (پ ۲۷ ع ۱۷) وہی پہلے سے ہے وہی پیچھے ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے -

سالک سمجھتا ھےکہ اول وآخر ظاھر وباطن وھی حق ھے۔ اس کا غیر نہین ۔ ھرچہ ھست ھمہ اوست ۔ اسکا غیر جو نظر آرھاھے وہ محض وھم ھے جیساکہ حضرت موسٰی نے درخت مین آگ دیکھی اوروھان سے آوازسنی " فاخلع نعلیک " اسی طرف اشارہ ھے اس حدیث مین :۔

" رایت ربی فی صورۃ الحمیرا " "

اور اس حدیث مین بھی :۔

" رایت ربی فی صورۃ الامرد "

جب یہہ نظر حاصل ھوجاتی ھےتو غیر نظر نہین آتا ۔ " وکیف ینکرالعشق مافی الوجود الا ھو (عراقی)

دوعالم یار غیر او خیال است ۔ مشو جانان گرفتار خیالات

(۵) اسی طرح " نحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ (پ ۲٦ ع ۱٦) — ھم انسان کی شہ رگ سےبھی زیادہ قریب ھین ۔

سے مراقبہ قرب اور

(٦) انہ بکل شئی محیط (پ ۲۵ ع ۱) — بےشک خدا سب چیزون کو گھیرے ھوئے ھے۔

سے مراقبہ احاطت کیاجاتاھے۔

قطع علائق بےخودی اور فنا کےلئے اس آیت کا مراقبہ کیاجاتاھے۔(٦)

کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ۔
(پ ۲۷ ع ۱۲)

زمین پر سب کچھ نیست ونابود ہونےوالا ہے اورصرف اللہ ذوالجلال والاکرام باقی رہےگا۔

مراقبہ کا طریقہ یہہ ہےکہ اس آیت کی تلاوت کرے اورتصورکرےکہ وہ مرگیا ہے اورایسی خاک راکھہ ہوگیا ہےجس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں ۔آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور ہرچیز کی شکل اور ترکیب مٹ‌گئی اور صرف اللہ ہی‌باقی اور موجود ہے۔ وہ اس تصور میں دیر تک قائم رہے۔ یہہ محویت سکر اورفنا کےلئے بہت مفید ثابت ہوگی ۔۔

اس‌قسم کا مراقبہ اس آیت سے بہی کیاجاتاہے:۔

قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملقیکم ۔
(پ ۲۸ ع ۱۱)

آپ کہہ دیجئےجس موت سے تم بہاگتے ہو وہ ضرور تمہارے آگےآئےگی۔

این ماتکونو ایدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ ۔
(پ ۵ ع ۸)

تم جاہےکہیں بہی ہو وہاں بہی موت آجائیگی اگرچہ تم کیسے ہی مضبوط گنبدوں میں جابیٹہو ۔

(۷) بعض مشائخ قادریہ نے " وقائع آئندہ " کے کشف کےلئے اس مراقبہ کو مجرب پایا ہے۔

طالب غسل کرے ۔ عمدہ لباس پہنے ۔ اورخوشبو لگائے۔ خلوت میں اعتکاف

کرے۔ مصلے پر بیٹھ کر ایک کھلا ہوا مصحف اپنی داہنی طرف اور ایک کھلا ہوا مصحف اپنی بائیں طرف اوراسی طرح ایک مصحف اپنے آگے اورایک اپنے پیچھے رکھے۔ پھر حق تعالی سے بکوشش تمام یہہ دعا کرے کہ فلان واقعہ کو اس پر (یعنی طالب کی ذات پر) ظاہر کردے - پھر اسم ذات کا ذکر شروع کرے اور بغیر آنکھہ بند کئے ہوئے داہنے مصحف پر ضرب لگائے اور ایک بار بائیں پر اورایک بار پیچھے اور ایک بار آگے ضرب لگائے - یہان تک کہ اپنے دل مین کشائش نور کو پالیگا اور اسطرح ۳ یا ۴ دن خلوت کے ساتھہ مداومت کرے تو اس پر کشف حال ہوگا -

(۸) کشف ارواح :-

مشائخ قادریہ نے کہا ہے کہ ہمارا طریقہ جو کشف ارواح کے واسطے مجرب ہے شروط مذکور کے ساتھہ وہ یہہ ہے :-

داہنی طرف " سبوح " کی ضرب لگائے اور بائیں طرف " قدوس " کی اور آسمان کی طرف " رب الملائکة " کی اوردل پر " والروح " کی -

(۹) حصول امور مشکلہ :-

امور مشکلہ کو حاصل کرنے کے واسطے انہین شروط کے ساتھہ یہہ طریقہ ہے کہ تہجد کی نماز پڑھے پھر داہنی طرف " یا حی " کی ضرب لگائے اور بائیں طرف " یا وہاب " کی ۔ اس طرح ہزار کی تکمیل کرے -

(۱۰) انشـراح خاطـر

انشراح کی خاطر اور دفع بلایا کےلئے یہہ طریقہ ہے کہ " اللـہ" کی ضرب دل پر لگائے یا "لاالہ الا ھو" کی ضرب اس طرح لگائے جیسا کہ ذکر نفی اثبات مین بیان کیاگیا ہے یا " الحی " کی ضرب داھنی طرف اور " القیوم " کی ضرب بائین طرف لگائے۔

(۱۱) شفـائے مرض وغیـرہ

اورجب اللہ تعالی سے دعا کرنا چاھئے۔ بیمار کی شفا یا دفع گرسنگی یا کشائش رزق یا مغلوبی دشمن کےلئے تو کوئی اسم الہی اپنی حاجت کے موافق اسمائے حسنیٰ سے پسند کرلے اور اس کا دو ضرب یا تین ضرب یا چار ضرب کے ساتھہ ذکر کرے۔ اس طرح شفائے بیمار کےلئے " یا شافی " اوردفع گرسنگی کےلئے " یا صمد " کشائش رزق کےلئے " یارزاق " اور دفع دشمن کےلئے " یا مذل کہیے ۔)

شـاہ اسمعیل شہیدؒ اپنی کتاب صراط مستقیم مین قادریہ سلسلہ کے مراقبات بیان کئے ھین - ہم یہان صرف دومراقبون کا ذکرکرتےھین جو سالک کے لئے ابتدا مین نہایت مفید ھین - شاہ صاحب نے ان کو مراقبہ و حدانیت اور مراقبہ صمدیت کا نام دیا ہے اور ان کی کیفیت خوب بیان فرمائی ہے۔

مراقبہ وحدانیت ۔ اس کا طریقہ یہہ ہے کہ حق تعالی کی وحدانیت کو

یعنی اسکے " لاشریک له " هونےکا هرجگہه لحاظ کرےکه هرزمان ومکان مین وهی ذات پاک یگانه موجود وقائم هے۔ اس ملاحظه کی تین صورتین خیــــال مین گذرتی هین :۔

اول یهه که هرچیز کی نفی کی جائے اور اس کی جگہه حق تعالی کے وجود کا ملاحظــه کیاجائے۔

دوسرے یهه که وجود حق تعالی کو ان چیزون کا عین خیال کیاجائے۔

دراصل یهه دونون طریق مقصود نہین بلکه اس سے پرهیز اور اجتنــاب لازم هے۔

تیســری صورت جو مراد هے وه یهه هےکه اس کےوجود کو یگانه اورتمام اشیا" کا غیر هر جگہه تصور کرین نه ان چیزون کی نفی کرین نه ان کو خدائےتعالی کا عین خیال کرین - مثال اس کی یهه هےکه هرشخص جانتاهےکه جس معنی کو فارسی مین لفظ " هست " اور هندی مین لفظ " هے" سےتعبیــر کرتےهین وه معنی هر جگہه موجودهین اورکس چیز کا عین نہین بلکه هرچیز کا غیــر هین - حالانکه کوئی چیز اس سےخالی نہین -

اس معنی مین وجود مطلق کو هر جگہه ملاحظه کرین -

مراقبــه صمدیت ـ مراقبه وحدانیت کےاستحکام کےبعد " مراقبه صمدیت " کیا جاتاهے۔ اس کے دو مرتبے هین - ایک ابتدائی اورایک انتہائی -

ابتدائی سے مراد یہہ ہے کہ حق تعالی کی طرف تمام چیزوں کے لئے خود کو تو محتاج پائے اور حق تعالی کے تمام اشیاء سے مستغنی اور بے نیاز ہونے کا اجمالاً ملاحظہ کرے - جب یہہ مرتبہ مستحکم ہوجائے تو اس کے انتہا کے حاصل کرنے کی کوشش کرے -

انتہا سے مراد یہہ ہے کہ تمام امور معاش و معاد میں اپنی احتیاج کا اس کی طرف تفصیل سے ملاحظہ کرے اور یہہ ملاحظہ نہایت عجز و نیاز محبت و الفت سے ممتزج ہو - یعنی یہہ یقین کرے کہ مجھے ہر چیز میں حق تعالی ہی کی حاجت ہے - اور اس کی مدد اور اعانت کے بغیر میرا کوئی کام انجام کو نہیں پہنچ سکتا وہ کام خواہ بڑا ہو یا چھوٹا - آسان ہو یا مشکل اس کا تعلق معاش سے ہو یا معاد سے -

اس مراقبے سے سالک کو حق تعالی سے نہایت الفت و محبت ہوجائے گی - اور ایک راہ جناب کبریائی میں حاصل ہوجائے گی اور اپنی ہر چیز جان مال عزت آبرو اس کی رضا پر بلکہ اس کے نام پر فدا کرنا اس کے لئے آسان ہوجائے گا -

اس مراقبے سے " ایاک نعبد وایاک نستعین " کے معنی بخوبی ذ ہن نشین ہوجاتے ہیں - اور اسی مراقبے سے توحید الہی کا انکشاف ہوتا ہے - یعنی باوجود اس کثرت کے ایک ہی فاعل اور ایک ہی موثر حقیقی ہر فعل میں ہر حرکت اور سکون میں ظاہر ہوتا ہے -[8] اور سالک چیخ اٹھتا ہے -

تیری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہین

نہ گلہ ہے دوستون کا نہ شکایت زمانہ

زین پیش دلی بود و هزار اندیشه

اکنون همه لا اله الا الله است

۳ - رابطـــــہ یا صحبت شیـــخ

وصول الی اللـہ کا تیسـرا ذریعہ رابطــہ یا شیخ کی صحبت ھـــے۔

ھرسلسلــہ کےسلوک کا تیسـرا ذریعہ یہی نظرآتاھے۔ مشائخ قادریہ کےھان بھی وصول الی اللــہ کےلئے شیـخ کا وسیلــہ ضروری ھے۔ چنانچہ حضرت غوث اعظـــم فرماتے ھین :۔

ومعنى الوصول الى اللـــــه خروجك عن الخلق والهـوى والارادة والمنا والنهوت مع فعلـه وارادته من غير ان يكون منك حركة فيك ولا فى خلقه بك بل بحكمه وفعلــــه وامره فهى حالة الفنـاء يعبـــر منها بالوصول فالوصول الى اللـــــه عز وجل ليس كالوصول الى احد من خلقه المعقول المعهود ليس كمثلـه شئ وهوالسميع البصيـر جلالخالق ان يشبه بمخلوقاته او يقاس على مصنوعه فالوصول اليه معروف عنـد اهل الوصول ـــ(1)

وصول الی اللہ یعنی اللہ تک پہنچنے کے معنی یہہ ھین کہ مخلوق، خواھش اور ارادہ وآرزو سے باھر نکل آنا ۔ اوراللہ کےفعل وارادہ مین ثابت رھنا ۔ بغیر اس کے تجھہ سےکوئی حرکت نہ تیرے اندر پائی جائے نہ اس کی مخلوق کےاندر بلکہ جوکچھہ پایاجائے وہ اس کےحکم و فعل وامر سےھی پایاجائے پس یہــــہ حالت فنا ھےجسےوصول الی اللہ ســـے تعبیـــر کیاجاتاھے۔ اوراللہ تک پہنچنا کسی مخلوق کی طرف معقول اور معـــروف پہنچنےکی طرح نہین ھے۔ کیونکـــہ وہ لیس کمثلـــہ شئ ھے (اسکےمثـــل کوئی شئے نہین) حالانکہ وہ سمیع وبصیر ھےاور خالق ھےوہ اس سے پاک واعلی ھےکہ اس کی تشبیہہ اسکی پیداکی ھوئی چیزون کےساتھہ دیجائے۔ اور اسکـــے مصنوع پر اس کو قیاس کیاجائے اور وصول الی اللہ اھل وصول کیلئےمعروف ھے۔

صحبت شیخ کا حکم قرآن حکیم کے احکام سے ماخوذ ہے۔ سورہ کہف میں نبی کریم کو حکم دیا گیا ہے کہ :-

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم بالغداوۃ والعشی یریدون وجہہ -	اور روکے رکھو اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں اور اس کے چہرے کے طالب ہیں۔

(پ ۱۵ ع ١٦)

یعنی جو لوگ اللہ تعالی کی خوشنودی اور اس کے دیدار کے حصول کے لئے شوق اور ذوق صمیم سے ہمیشہ عبادت یعنی ذکر وفکر ۔ تلاوت اور نمازوں میں مصروف ومشغول رہتے ہیں اور نہ صرف خالق کے بلکہ مخلوق کے بھی حقوق کی ادائی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کے متعلق رسول اللہ صلعم کو حکم دیا جارہا ہے کہ ان لوگوں کو اپنی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع دیجئے۔ اس کے علاوہ " کونوا مع الصادقین " سچوں کے ساتھ ہوجاو (پ ۱۱ ع ۴) سے تاکیدی طور پر اسی امر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ صرف اللہ کے لئے آپس میں میل ملاپ اور تعلق رکھتے ہیں اور صرف اس کی رضا کے لئے صلہ رحمی کرتے ہیں اللہ تعالی ان سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کو پسند کرتے ہیں چنانچہ معاذ ابن جبل سے روایت کی گئی ہے کہ :-

سمعت رسول اللہ صلعم یقول قال اللہ تعالی وجبت محبتی	انہوں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ میری اوپر ان لوگوں کی محبت واجب ہوگی جو

للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی (رواہ مالک)	میری خاطر محبت کرتے ہیں اور ہم نشین ہوتے ہیں اور میری ہی خاطر آپس میں ملتے ہیں اور میری ہی خاطر آپس میں خرچ کرتے ہیں ۔

ابو موسیٰ الشعری سے روایت ہے کہ جلیس صالح اور جلیس سوء کی مثال (حامل مسکہ) خوشبو والے اور بھٹی پھونکنے والے (نافخ کیر) کی طرح ہے مطلب یہ کہ مشک والے سے یا تو تو کچھ خریدے گا یا وہ تجھ کو کچھ دے گا ۔ یعنی خوشبو تو ضرور پائے گا ۔ مگر بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلادے گا یا بدبو دے گا ۔ (متفق علیہ)

نفسیات کی مسلمہ صداقت ہے کہ اچھی صحبت انسان کو اچھا اور بری صحبت برا بناتی ہے ۔ صحبت ضرور اثر انداز ہوتی ہے خواہ وہ تھوڑی ہی دیر کے لئے کیوں نہ ہو ۔ ابو سعید خدری کا قول مرفوعاً ہے کہ :-

لاتصاحب الا مومناً ولا یاکل طعامک الا تقی ۔ (رواہ ابوداود وترمذی)	صرف مومن کی صحبت اختیار کرو اور تیرا کھانا صرف متقی لوگ ہی کھائیں ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ :-

المرء مع من احب (متفق علیہ)	یعنی آدمی اپنے محبوب کے ہمراہ ہوگا ۔

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ آدمی اپنے یار کے دین پر ہوتا ہے ۔ اب تم کو

سوچنا چاہئے کہ کس کو اپنا یار بناتے ہو - (رواہ ترمذی)

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلعم سے پوچھا کہ قیامت کب واقع ہوگی - آپ نے فرمایا - تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے - کہا " حب اللہ و رسولہ " آپ نے فرمایا " انت مع من احببت " تو اس کے ساتھ ہے جس کو تو دوست رکھتا ہے -

صحیحین کی دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ اس نے کہا کہ قیامت کے لئے میں نے نماز روزہ اور صدقہ سے تو تیاری نہیں کی مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں - تو حضور صلعم نے فرمایا کہ " تو کل اس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت رکھتا ہے " -

چنانچہ مشائخ چشت نے تو ان احکام کی روشنی میں اپنا قول فیصل یہہ سنایا ہے کہ :-

" این طریق احسن و احکم و اساس کار او محکم است " (۲)

ان ارشادات کی بناء پر جملہ مشائخ طریقت نے اس سلسلہ میں کافی زور دیا کہ نیک صحبت اختیار کی جائے اور بری صحبت سے پرہیز کیا جائے -
چنانچہ مولانا روم نے شاید کس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے :-

صحبت مردان اگر یک ساعت است

بہتر از صد چلہ و صد طاعت است

یک زمان صحبت از اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اور فرماتے ہین کہ " اے مسجد کی تعظیم کرنےوالو اہل مسجد تو اللہ والون کے سینہ مین ہین ان کی تعظیم وتکریم کرو " ۔

اس کے علاوہ حدیث مین آیا ہے کہ :-

من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب ۔	جس نے میرے ولی سے دشمنی کی مین اسکے خلاف اعلان جنگ کرتاہون ۔

(رواہ بخاری)

اس لئے مشائخ نے اولیاء اللہ کی دل آزاری اوردل شکنی اور عداوت سے سختی کے ساتھہ منع کیا ہے ۔ کیونکہ خود حق تعالی نے تہدید فرمائی ہے کہ جس سے میرا رسول محارب ہو مین اس کے ساتھہ جنگ کا اعلان کرتاہون ۔

اسی لئے مولانا روم نے فرمایا ہے کہ :-

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

تادل صاحبدلے تا ید بدرد

اب رابطہ کے لفظی معنے کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہہ " شیخ کامل" کے ساتھہ پورا پورا تعلق یا ربط پیدا کرنا ہے ۔

رابطہ کے ایک اصطلاحی معنی بہی ہین اوروہ یہہ کہ اکابر طریقت

مرید کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے شیخ یا مرشد کی صورت کو اپنے خیال میں جمائے رکھے - بعض حضرات کہتے ہیں کہ تم اپنی صورت کو ہماری صورت خیال کرو بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہماری صورت کا تصور اپنی دونوں ابروں کے درمیان رکھو - حضرت جامی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کے غیاب میں اس کی صورت کو اپنے خیال میں جماکر دل کی طرف متوجہ رہو - بعض کہتے ہیں کہ ہماری شکل کو دل کے اندر خیال کرو -

رابطہ کی اس تشریح سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو اس طرح دل میں جگہ دینا اور اس کی طرف متوجہ ہونا کھلا شرک تو نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ شرک جبھی ہوگا جب کہ کوئی کم علم یا کم سمجھ مرید یہ سمجھ لے کہ اس کا مرشد یا شیخ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے- لیکن کسی شیخ طریقت نے ایسا نہیں کہا کہ ہمیں حاضر و ناظر سمجھو - کیونکہ حاضر و ناظر تو صرف وہی قادر مطلق کی ذات ہے- لیکن اگر ایک اہم مصلحت اور مقصد کی خاطر مرشد کی صورت کا دل میں تھوڑی دیر خیال رکھنا بھی شرک قرار دیا جائے تو اس طرح سینکڑوں خیالات جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں ان پر بھی شرک کا فتوی لگایا جانا چاہئے-

اولیاء اللہ کا خیال اللہ تعالی کی محبت کے جذبات دل میں قوی کرتا ہے- اور اس کی یاد تازہ کرتا ہے- چنانچہ لسان نبوت نے بھی اس راز کی طرف

اشارہ کیا ہے کہ :-

خیارکم الذین اذا رُؤُا ذکراللہ عزو جل - (رواہ ابن ماجہ فی الزہد)

تم میں نیک وہ ہیں جن کے دیکھنے سے اللہ عزو جل یاد آئے۔

ایسے اولیاءاللہ جن کے دیکھنے سے خدا یادآجائے ان کی صحبت سے بہتر کس کی صحبت ہوسکتی ہے اوریہہ امرکہ اہل اللہ کا دیکھنا اوران کا تصور اچھا عمل ہےبلکہ عبادت ہےتو اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے

عبداللہ ابن عباس سے روایت ہےکہ :-

ما من ولد بار ینظر الی والدیہ نظرۃ رحمۃ الا کتب اللہ لہ بکل نظرۃ حجۃ مبرورۃ قالو ان نظر کل یوم مائۃ مرۃ ؟ قال نعم اللہ اکبر واطیب - (مشکواۃ باب البروالصلۃ)

نہیں کوئی فرزند نیک جو اپنے ماں باپ کی طرف نظر رحم کرے مگر یہہ کہ اللہ تعالی اس کی ہر نظر کے عوض ایک حج کامل مقبول کا ثواب لکھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اگر وہ ہر روز سو بار نظر کرے تو آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالی زیادہ بزرگ اور زیادہ پاک ہیں -

طبرانی اورحاکم نےابن مسعود سے روایت کی ہےکہ :-

النظر الی وجہ علی عبادۃ (جامع صغیر)

علی کے چہرے کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔

النظر الی الکعبۃ عبادۃ (کنزالحقائق جامع صغیر)

کعبہ پر نظر ڈالنا عبادت ہے۔

النظر الی وجه العالم عبادة — عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔
(کنزالحقائق)

ایک اور تفصیلی حدیث میں آیا ہے:-

قال رسول الله صلعم خمس من	پانچ چیزیں دیکھنا عبادت ہے
النظر عبادة - النظر الی الوالدین	والدین کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔
عبادة - والنظر الی زمزم عبادة	زمزم کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔
والنظر الی المصحف عبادة	مصحف کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔
والنظر الی الکعبة عبادة	کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔
والنظر الی العالم عبادة	اور عالم کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

(فی روضة العلماء الزندوسیه من کمحول الشامی وکذا فی العقد الثمین فی فضائل البلد الامین - عن الفاکہی) -

جب دیکھنا عبادت ہے جو ایک عمل حسی ہے تو تصور جو ایک عمل ذہنی ہے کیوں عبادت قرار نہیں دیا جاسکتا - اگر ایسا نہیں تو صحابہ کرام کا وہ عمل کہ وہ آنحضرت صلعم کے تمام خصائل اور شمائل کو نہایت ادب واحترام سے خیال میں محفوظ رکھتے اور بیان کرتے تھے تو اس کو بھی شرک کا سا عمل قرار دینا ہوگا - بات صاف ہے۔ عاشق اپنے محبوب کے تصور کو دل سے دور نہیں کرسکتا - مشائخ طریقت نے رابطہ کا جو استعمال کیا ہے وہ اصل مقصد کے

طور پر نہیں بلکہ محض ذریعہ کے طور پر - جیسے عینک سے دور کی شے دیکھی جاسکتی ہے۔ عینک ذریعہ ہے اس شے کے دیکھنے کا اوریہاں مشائخ طریقت نے اپنی ذات کو عینک کے شیشے کی طرح صاف اور خالی تصور کیا ہے۔ اور اگر عینک صاف نہ ہو تو دور کی شے دکھائی نہیں دیتی اور دیکھنے والے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا - اسی طرح ان حضرات کی ذات اگر صاف شفاف نہ ہو تو سالک کا مقصد جو قرب الی اللہ ہے حاصل نہیں ہوسکتا ان کے صاف شفاف ہونے کی صورت ہی میں تجلیات ربانی کا ان سے انعکاس ہوتا ہے۔ گویا مبتدی مرید جب شیخ کامل کا تصور نہ کرے تو مرید کی حالت ایسے شخص کی سی ہے جس کی آنکھ کمزور ہے اور بغیر عینک کے اس کو نظر نہیں آتا - اسی طرح مرید جب شیخ کامل کا تصور کرتا ہے تو اس کو باطن کی روشنی نظر آنے لگتی ہے اور اس کا دل خالق حقیقی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح دوربین سے دور کی شے آسانی سے نظر آتی ہے دریہاں میں دوربین کا آئینہ ضرور ہوتا ہے۔ لیکن وہ ملحوظ نظر نہیں ہوتا بلکہ ملحوظ ومقصود وہ شے ہوتی ہے جس کو دیکھا جارہا ہے۔ اسی طرح شیخ کی ذات واسطہ ہے۔ وسیلہ یا ذریعہ ہے۔ مقصود نہیں - مقصود تو ذات احدیت ہے جس کی طرف سالک کی ساری توجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی مفہوم کو حضرت مجدد الف ثانی نے یوں ادا کیا ہے:-

" رابطــه را چرا نفی کنند که او مسجود الیه است نه مسجود له - چرا محاریب ومساجد رانفی نه کننـــد " ۳)

ترجمہ - رابطہ کی یہہ لوگ کیون نفی کرتے هین وہ تومحض مسجود الیہ هے- مسجود له نہین هــے- (اسی حجت کی بنا پر) مسجد و محراب کی نفی کیون نہین کیجاتی-

جس طرح صف اول کے مصلیون کے لئے امام ' دیوار مسجد اور صف دوم آگی قراردین کے لئے صف اول ' امام - مسجد کی دیوار مسجود الیہ هین اسی طرح رابطہ یا صورت شیخ مسجود الیہ تو هین مگر درحقیقت مسجود له تو الله تعالی هی هین جو همارے معبود حقیقی هین اس کے علاوہ مجدد صاحب نے آگے ایک سوال کے جواب مین لکھا هے کہ مرشد کا تصور صوفیہ کے نزدیک ضروری هے اور یہہ صحیح هے۴)

شـاہ ولی الله اس سلسلـہ مین فرماتے هین کہ :-

" حضور صلعم نے جو یہہ فرمایا کہ تم سے کوئی نماز پڑھے تو منہہ کے سامنــے نہ تھوکے اس واسطے کہ الله تعالی اس کے اور قبلہ کے درمیان هین"- اور حضور صلعم نے ایک کالی لونڈی سے پوچھا کہ " الله کہان هے" تو اس نــے آسمان کی طرف اشارہ کیا - پھر آپ نے اپنے متعلق پوچھا تو اس نے پھر اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا - مطلب یہہ تھا کہ الله هی نے آپ کو بھیجا هے- تو آپ نے فرمایا کہ وہ مومنـہ هے- تو اے سالک کوئی حرج نہین اگر

تو متوجہہ نہ ہو مگر اللہ کی طرف اوراپنا دل نہ لگائے مگر اللہ کی طرف - اگر دُرکر
چنکہ عرش کی طرف متوجہہ ہوکر اس نور کا تصور کرےجس کو حق تعالی نےعرش
پر رکھا ہے اور وہ بغایت روشن رنگ ہے جاند کے رنگ کےمانند - یاقبلہ کی
طرف متوجہہ ہوکر"(۵) تو گویا حضرت شاہ صاحب کا یہی اشارہ یہی ہےکہ
اصل مقصود تو وہ معبود حقیقی ہے اور قبلہ - عرش یا نور مسجود الیہ ہیں
مقصود اور مسجود لہ نہیں - اسی طرح تصور شیخ بھی ذریعہ ہے- مسجود الیہ
ہے اور ہرگز مقصود اور مسجود لہ نہیں اور حضرت غوث اعظم فرماتےہیں کہ
ہرایک واصل باللہ رتبہ قرب میں جدا جدا ہوتاہے اوراللہ تعالی کا رازاپنے
تمام رسل انبیاء اور اولیاء سےجدا جدا ہے اورایک کےراز کاحال دوسرے کو
معلوم نہیں - یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتاہےکہ مرید کےلئے خدا کےساتھ
جو راز ہے اس کی اطلاع شیخ کو بھی نہیں ہوتی - اور کبھی شیخ کےرازسے
مرید آگاہ نہیں ہوتا اور جب مرید اپنےشیخ کی حالت پر پہنچ جاتاہےتو اسے
شیخ سےجدا کرلیاجاتاہے- اس وقت اس کا والی حق تعالی ہوجاتاہے- پھر وہ
سب مخلوق سے اسے جدا کرلیتاہے اور شیخ اس کےحق میں دایہ کےما نند
ہوجاتاہےجس کے بچےنےدوسال کےبعد دودھ پینا چھوڑدیا (۶)

ایک خاص مقام تک پہنچ جانےکےبعد شیخ جیلی بھی اس رابطہ کو
ضروری نہیں تصور فرماتے- لیکن ابتدائے سلوک میں اس کے بغیر قدم آگے

نہیں بڑھ سکتا -

تصور شیخ کے فوائد

چونکہ انسان بن دیکھی چیز کا تصور نہیں کرسکتا اور شیخ کی صورت اس کی دیکھی بھالی ہوتی ہے اس لئے آسانی سے اس کا تصور کرسکتا ہے۔ جب اس تصور سے اس کو دلجمعی حاصل ہوتی ہے تو وہ آسانی سے ترقی بھی کرسکتا ہے۔ اگرچہ کہ مراقبہ سے بھی یہہ بات حاصل ہوسکتی ہے جو تصور شیخ سے ممکن ہے لیکن اپنے تئیں ہر وقت شیخ کے سامنے تصور کرنے سے ایک اہم فائدہ یہہ ہوتا ہے کہ اگر کبھی دونوں کے قلوب ایک دوسرے کے سامنے آجائیں تو مرید کو مرشد کے قلب سے براہ راست ایسا فیض اور روشنی ملتی ہے جو وہ سینکڑوں ریاضتیں کرکے بھی حاصل نہیں کرسکتا تھا - اور یہہ ایک فضل عظیم ہے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ سورج کا عکس پانی پر پڑ رہا ہے اور پانی کے سامنے ایک دیوار ہے - اب اس دیوار پر بھی یہہ عکس پانی پر سے چمک کر پڑے گا - اس کو عکس کا عکس کہا جائے گا - یہی حال مرید کے قلب پر عکس رہنے کا ہے۔ یعنی شیخ نے ریاضتیں اور مجاہدے کرکے جو کچھہ عمر بھر میں حاصل کیا تھا وہ طالب کو پہلے قدم میں حاصل ہوجاتا ہے(٤)

ملفوظات قادریہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا ہمیں یہہ ارشاد ملتا ہے:-

الشیخ باب کن ابداً مع الدلیل
الی أن یوصلک الی المنزل ولتکن بقلبک
من عنده الی ربه لاالی غیره
لا تجاوز لحظةً ۔ الخ

شیخ دروازہ ہے۔ تو ہمیشہ رہنما
کے ساتھ رہ یہاں تک کہ تجھے وہ
منزل مقصود تک پہنچادے اور تجھ
کو قلباً اپنے شیخ سے اپنے رب
کی طرف جانا ہے۔ غیر کی طرف نہیں
ایک لحظہ بھی اس کے امر کے خلاف نہ کرے۔ (۸)

گویا مرید صادق پیر کی توجہ ہی سے منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

مزید وضاحت اس طرح فرماتے ہیں :-

کن غلام الدلیل اتبعه
اترک رجلک بین یدیه
وسر معه تارةً عن یمینه
وتارةً وراءه وتارةً امامه
لا تخرج عن رأیه ولا تخالف (۹)
فانک تصل الی مقصودک ۔

تو اپنے رہنما کا غلام ہوجا ۔ اس کی
پیروی کر اس کے سامنے اپنے پاؤں استعمال
نہ کر ۔ اور اس کے ساتھ چل۔ کبھی
اسکی سیدھی طرف کبھی پیچھے پیچھے
کبھی آگے آگے۔ مگر اس کی رائے سے
الگ نہ ہونا نہ مخالفت کرنا تبھی
تو اپنے مقصود کو پہنچے گا ۔

اس بیان میں بہت سے رموز پوشیدہ ہیں - جو شخص اپنے شیخ کے ساتھ باطن کی سیر کرتا ہے وہی جانتا ہے کہ سیدھے بائیں آگے اور پیچھے چلنے سے کیا مراد ہے۔ یہ ظاہری چلنا نہیں - نقل مکان نہیں - آگے ملاحظہ ہو:-

احسن ادبک بین یدی معلمک
ولیکن صمتک اکثر من نطقک فان
ذالک سبب یعلمک و قربک الی

اپنے استاد کے آگے اچھی طرح مؤدب ہوجا
تیری خاموشی باتوں سے زیادہ ہونی چاہئے
اور یہی سبب بنے گا تیرے علم کا تیرے قرب
کا اس کے دل تک تو اس بات پر ہمیشہ

قلبه فلا تزال على ذالك الى ان
ياتى بك الى نبيك صلعم فسلمك
اليه فيقربك عينيا ء ثم ينبيك
على القلوب والاحوال والمعانى
فتصير سفيراً بين الله عزوجل
وبين خلقه غلاماً بين يدى نبيك
صلعم انت ترى الخلع ولاكن تراه
بعين راسك لا بعين قلبك وسرك
وايمانك (۱۰)

قائم رہ یہاں تک کہ شیخ تجھسے
اپنے ساتھ نبی صلعم تک لیجائیگے۔
وہ تجھے سلام کرینگے اور تجھے اپنے
نزدیک کرینگے پھر تجھے خبردار
کرینگے قلوب احوال اور معنی کے بارے
میں ۔ پس تو اللہ اور اس کی مخلوق
کے درمیان سفیر ہوجائیگا۔ اور
نبی صلعم کے سامنے ان کے خاص
غلاموں میں بھی ہوجائیگا اور تو
اس خلع کو اپنے اس سر کی
دو آنکھوں سے دیکھیگا نہ کہ دل
روح یا ایمان کی آنکھوں سے۔

یہاں سلوک باطنی کے ایک نہایت اہم طریقے کی نشان دہی کی گئی ہے جو اس طریقہ پر چلیگا اس کا دل اتنا کھل جائیگا کہ اگر تمام عالم کو اس کے اندر رکھ دیں تو اس کا پتہ بھی نہ چلے ۔ اس کے علاوہ آگے حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں :-

المريد ليس له قميص ولا عمامة
ولا ذهب ولا مال بالاضافة الى
شخصه انما ياكل على طبقة
ما يامره باكله هو فان عنه

مرید وہ ہے جس کا نہ ذاتی کرتہ
ہے نہ شملہ ہے۔ نہ اس کے پاس
سونا ہے نہ دولت یعنی اپنے پھر
کی طرف نسبت دیتے ہوئے وہ کھاتا
ہے اپنے برتن میں وہی جس کا حکم

فی الشیخ ینتظر امرہ ونہیہ لعلمہ ان ذالک من اللہ مصالحہ علی یدہ وفت لا فی خیالہ (۱)	پھر دیتا ہے ۔ وہ اپنے پیر میں فنا ہوگیا ہے وہ اس کے امر ونہی کے انتظار میں رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہہ سب خدا کی طرف سے ہے اس کی مصلحتیں اسکے ہاتھہ پر پوری ہوتی ہیں نہ کہ اس کے خیال میں۔

اس کلام معجز نظام میں پوری توحید کا رمز ہے۔ کیونکہ توحید کی تعریف میں بعض صوفیا کہتے ہیں کہ " التوحید اسقاط الاضافات " توحید نام ہے نسبتوں کے ساقط کرنے کا ۔ یہاں مطلب یہہ ہے کہ اگر مرید کے نزدیک دنیوی اشیاء ہیں بھی تو اس کو یہہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اس کی ہیں بلکہ یہہ خیال کرنا چاہئے کہ وہ سب شیخ کی ہیں ۔ دراصل اس کو چاہئے کہ شیخ کی ذات میں اتنا محو ہوجائے کہ خود کو شیخ سمجھنے لگے۔ اس صورت میں شیخ کی ظاہر وباطنی نعمتوں کا اس کے باطن میں ظہور ہونے لگے گا۔ حضرت غوث اعظم نے توجہ شیخ کے بارے میں یہہ بھی فرمایا ہے:-

اتہمت شیخک فلا تصحبہ فانہ لاتصح لک صحبۃً ولا ارادۃ المریض اذا اتہم الطبیب لم یبرء ابدا وانہ لاتتہم	اگر تو مرشد پر تہمت لگائے تو پھر اسکی صحبت سے دور ہوجا ۔ کیونکہ ایسی حالت میں اس کی صحبت اور عقیدت صحیح نہیں ہے بیمار اگر طبیب کو جھٹلائے تو پھر اس کے علاج سے اچھا نہیں ہوسکتا ۔ لہذا

فی حالہ ولاالقالہ ولا افعالہ صحبتک لہ کصحبۃ السباع والحیات لا تنظر الی فقرہ واختلال حالہ ورثاثہ و قصور عبادتہ فان المعنی فی باطنہ لا فی ظاہرہ انتظر فاقتہ من ربہ عزوجل ھوالکاتب والامر لغیرہ ھو سفیر ۔

تو پھر پر تہمت نہ لگا ۔ نہ اس کے حال میں نہ قال میں نہ افعال میں ورنہ تیری صحبت اس کے لئے درندوں اور سانپوں کی صحبت کی طرح ہے ہاں اس کے فقر وافلاس کی طرف مت دیکھ نہ اس کے اختلال حال و راثے نہ اس کی عبادت کی طرف دیکھ کیونکہ معنی اس کے باطن میں ہیں نہ کہ ظاہر میں ۔ اس کے فاقے کا اپنے رب سے انتظار کر ۔ وہ صرف منشی اور لکھنے والا ہے منظوری دوسرے کے ہاتھ میں ہے وہ تو صرف سفیر ہے۔

آگے فرماتے ہیں :-

کن ابداً مطرقاً خائفاً وجلاً فضلہ علی کل من تعقل مخلۃً لا یطمعہ متکلمہ لا یجیبہ (۱۲)

ہمیشہ سر نیچا رکھ اور بہت مرعوب رہ اس کی سمجھ کو ہر سمجھ دار کی سمجھ سے بڑا سمجھ ۔ اس کو فضیلت دینے والا طمع نہیں رکھتا اس سے بات کرنے والا اس کو جواب نہیں دیتا ۔

توجہ شیخ کے بارے میں یہ ارشادات کافی ہیں ۔ مگر دوسرے ارشادات کو ہم نے یہاں پیش نہیں کیا ہے ۔ اگر ان ہدایات پر عمل کرلیا جائے تو سالک کا مقصد

پورا ہوسکتا ہے۔ اور دونوں جہان کی سعادت سے بہرہ وافر حاصل ہوسکتا ہے۔

شیخ جیلی نے اپنے مریدوں کو اپنی ذات میں فنا ہونے کی تاکید اس طرح کی ہے:۔

موتوا فیں وقد تنبہتم۔ (۱۳)	تم میرے اندر مرجاو ۔ میں نے تم کو متنبہ کردیا ہے۔

گویا یہہ انتباہ ہے اور اس موت سے مراد " فنا ' الفنا " ہے اور "فنا ' الفنا' " ہی میں انتباہ ہے نہ کہ فنا' اولی میں اگر سالک اس مقام پر پہنچے تو اس کو سید الاولیا' کا ظہور کائنات کے ہر ذرہ میں نظر آئے گا ۔ اس وقت وہ جان لے گا کہ وہ ان کے ہاتھ میں گویا مردہ ہے ۔ جس کی یہہ توجہ درست ہوگی اس کو ہر ذرہ کائنات میں حق تعالی کی گوناگوں تجلیات نظر آئینگی ۔

ایک جگہہ تاکید فرماتے ہیں :۔

احترق بنار صدق ارادتنا تحترق الحجب والابواب فلا یبقی بیننا و بینک حجاب تراہ کما ترانا ۔ (۱۴)	ہماری سچی عقیدت کی آگ میں جل جا حجاب جل جائینگے اور دروازے کھل جائینگے اس وقت ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی پردہ نہ رہیگا تو اسکو (خدائے تعالی) ویسا ہی دیکھے گا جیسا کہ ہم کو دیکھتا ہے۔

اس توجہ سے مراد یہہ ہے کہ اگر مرید اپنے وجود کو حضرت شیخ

کے وجود میں فنا کردے تو یقیناً حضرت شیخ کو بے حجاب دیکھے گا اور جب اس کو آپ کی بے حجاب رویت حاصل ہوگی تو اس وقت بلاکیف ۔ بلاانفصال و بے اتصال شعاع اس کو حق سبحانہ تعالی کی رویت حاصل ہوگی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس نعمت کبریٰ کو اس توجہ کی برکت سے حاصل کرسکا۔

توجہ پیران پیر کے بارے میں آپ کی تاکید ہے:۔

یا غلام اجعلنی مرا' تک اجعلنی مرا ۃ قلبک و سترک ومراۃ اعمالک ﴿۱۵﴾	اے لڑکے تو مجھہ کو اپنا آئینہ بنالے اپنے دل اور سر کا آئینہ بنالے اور اپنے اعمال کا آئینہ بنالے۔

یہہ قول بھی پیران پیر کی توجہ پر دلالت کرتا ہے ۔ یہہ توجہ بھی ایک نعمت کبریٰ ہے۔ جو کوئی پیر دستگیر کو آئینہ بنالے گا وہ جان لے گا کہ اس کامل توجہ میں کیا لذت وشوق ہے۔ صرف شکر کا نام لینے سے منہہ میٹھا نہیں ہوجاتا یہاں عمل ضروری ہے۔

کار کن کار بگذار گفتار

کاندرین راہ کار دارد کار

کار آمد حصہ مردان مرد

حصہ ما گفتار آمد اینست درد

کثرت ذکر کی ضرورت ہے۔ جو سالک ذکر کثیر کرتا ہے اس کے لئے یہہ توجہ مفید ہوتی ہے ۔

آگے چل کر آپ فرماتے ھین :-

یا غلام اذا مت نرانی و تصرفنی نرانی عن یمینک و شمالک (16)

اے مرید صادق جب تو (اپنے وجود سے) مرجائیگا تو مجھے دیکھیگا اور مجھے پہچانیگا - تو مجھے اپنے سید ھے طرف اور بائین طرف دیکھیگا -

اس موت سے مراد " فنا ء وجود " ھے - جس وقت یہہ فنا نصیب ھوتی ھے تو اس وقت آپ نظر آتے ھین اور پہچانے جاتے ھین - اس سے یہہ نکتہ بھی صاف ھوجاتا ھے کہ معرفت " فنائے وجود " کے بعد حاصل ھوتی ھے۔

ملفوظ قادری مین اکثر جگہہ آپ نے اپنی طرف توجہہ کرنے پر زور دیا ھے۔ جن مین سے بعض کا ذکر اوپر ھوا -

آپ کا یہہ شعر اس مفہوم کو ادا کرتا ھے:-

وذکری جلی الابصار بعد عماتھا

میرے ذکر نے آنکھین روشن کردین اندھا ھوجانے کے بعد۔

واحیاء فواد الصب بعد القطیعة

(قصیدہ تائیہ)

اور عاشق کے دل کو زندہ اور تازہ کردیا معشوق کی دوری سے (مرجھانے کے) بعد بھی۔

توجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف -

حضرت علی کی توجہ کے بارے مین آپ کے دو شعر نہایت واضح ھین:-

حب علی ابن ابی طالب للناس مقیاس ومعیار

حضرت علی ابن ابی طالب کی محبت لوگون کے لئے ایک مقیاس ومعیار ھے۔

یخـــرج الغـــش من القلب کما یخرج غش الذ هب النـــــار ۔ ۱۷)	کھوٹ کو دل سے ایسا نکال دیتی ہے جیسے سونے کے کھوٹ کو آگ نکال دیتی ہے۔

یعنی جو دل حضرت علی کی محبت سے خالی ہو ۔ اس میں کینہ حسد اور صفات مذ مومہ کی کثافتیں پائی جائینگی ۔ لیکن جب حب علی قلب میں نفوذ کرتی ہے تو گویا آفتاب روشن قلب پر طلوع ہوتا ہے اور سارے ذ مائم اور ان کی کثافتیں کافور ہوجاتی ہیں ۔

حضرت شیخ کو حضرت علی کے ساتھہ جو نسبت ہے وہ روحانی بھی ہے اور نسبی بھی۔ آپ کی سیادت ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہے۔ بعض حضرات آپ کی سیادت کو ایک دوسرے بزرگ شیخ عبدالقادر کے نسب نامہ سے مخلوط کر بیٹھتے ہیں ۔ یہہ دوسرے شیخ عبدالقادر آپ ہی کے زمانے میں بغداد کے ایک ولی تھے۔ لیکن ان کے والد کا نام حسن البغدادی تھا مگر ہمارے حضرت کے والد ماجد کا اسم گرامی سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست تھا۔ آپ گیلان کے رہنے والے تھے آپ کا مزار بغداد شریف میں باب ازج کے قریب ہے۔

حضرت شیخ خود بھی حضرت علی کی طرف توجہہ رکھا کرتے تھے اور اس وجہہ سے آپ کی شان میں وہ رباعی کہی ہے جو اوپر درج کی گئی ۔ چنانچہ ملفوظ قادریہ میں کئی جگہہ حضرت علی کی تعریف اور فضیلت میں بلکہ ان اخلاف وآئمہ اطہار کی شان میں بھی بہت سی باتیں حضرت نے کہی ہیں جو

حقیقت پر مبنی ہیں کیونکہ تمام پیرون اور مرشدون کے سردار حضرت علی اور آئمہ اطہار ہی ہیں خصوصاً شجرہ قادریہ مین نو سات امامون کا ذکر ضرور آتا ہے۔ ایک نیا شجرہ بغداد سے شاہ شمس الدین ابوالفتح شیخ محمد بن شیخ ابراہیم بن شیخ فتح اللہ قادری ملتانی کے زمانے مین ملا ہے اس مین تو گیارہ امامون کا ذکر ہے۔ یعنی حضرت امام حسن عسکری سے سلسلہ یہ سلسلہ حضرت علی تک ۔ اس بناء پر یہ روایت بھی کی جاتی ہے کہ حضرت امام ہمام حسن عسکری نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میرے اس سجادے (جا نماز) کو اس سید شریف کے حوالہ کرنا جو میرے بعد ملک عجم (ایران) مین پیدا ہوگا اور جس کا نام سید عبدالقادر جیلانی ہوگا اس دن سے اس جانماز کی حفاظت کی گئی ۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ پیدا ہوئے بڑے ہوئے اور شہرت پائی اس وقت وہ سجادہ آپ کے پاس پہنچادیا گیا اسی وجہہ سے ایک شجرے مین حضرت سید الاولیاء کا ذکر حضرت امام حسن عسکری تک بلا واسطہ کیا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے مشہور شجرہ مین آپ کا سلسلہ امام ہشتم علی ابن موسیٰ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اور ان کے درمیان نو مشائخ ہین اسی وجہہ سے خانوادہ قادریہ مین بارہ امامون کی توجہات زیادہ ہین اور اہل بیت کی محبت اس خانوادہ مین اتنی زیادہ ہے کہ کسی دوسرے خانوادہ مین نہین ۔ حتی کہ قادریون کے " تفضیلی " ہونے کا بھی گمان کیا گیا ہے [۱۸]

چنانچہ اہل بیت یعنی آل نبی کی نسبت حضرت شیخ کی عقیدت ان کے دیوان فارسی کے حسب ذیل شعر سے واضح ہے:-

زغیر آل نبی حاجتے اگر طلبم	یعنی آل نبی کے بلا توسط جو حاجت طلب کی جائے-
روا مدار یکے از ہزار حاجاتم	(مردود ہے) ہزار میں ایک بھی پوری نہ ہوگی -

توجہہ حضرت سلطان المرسلین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

اس سلسلہ میں بھی ملفوظ قادریہ میں کئی اقوال موجود ہیں ان میں سے بعض کا ہم یہاں ذکر کرینگے اگر سالک اس کے مطابق توجہہ کرے تو وہ ضرور اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیگا -

حضرت شیخ فرماتے ہیں :-

کونوا فی جمیع امور کم بین یدی الرسول صلعم مشددین الاوساط تحت امرہ و نہیہ واتباعہ الی ان یدعو کم الملکہ الیہ فحینئذ استاذ نوالرسول اللہ صلعم وادخلو علیہ (۱۹)	اپنے تمام معاملات میں رسول اللہ صلعم کے سامنے حاضر رہو، کمر کسے ہوئے آپ کے امرو نہی کے تحت اور آپ کی پیروی میں - یہاں تک کہ فرشتے تم کو آپ کی طرف لائیں - اس وقت اجازت مانگو رسول اللہ صلعم سے پھر داخل ہوجاو -

اگر سالک کو یہہ حالت مشاہدۃً حاصل ہوجائے تو وہ تجلیات حق کا مورد ہوجاتا ہے -

آگے فرماتے ہیں :-

نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا یبرح لقلبہ و ہمتہ من حول قلوب القوم الطیب لا یبرح لہا ہو المصطفی الاسرار ہم والمزین لہا ہو المتفتح باب القرب ہو الماشط ہو السفیر بین القلوب والاسرار وبین ربہا -

ہمارے نبی محمد صلعم ہمیشہ اپنے دل سے اور اپنی ہمت سے قوم (اولیاء اللہ) کے دلوں سے جہوٹ نہیں سکتے - ذاکر کے دلوں کو خوش کرنے والے وہی پیغمبر ہیں ان کو صاف وپاک کرنے والے اور زینت دینے والے وہی ہیں قرب کا دروازہ کہولنے والے وہی ہیں وہی مشاطہ ہیں وہی سفیر ہیں قلوب واسرار اور ان کے پروردگار کے درمیان -

کیا رتبہ ہے حضرت غوث اعظم کا کہ تمام اولیاء اقطاب اور ذاکروں اور عاشقوں کے دلوں کی کیفیت کو جانتے ہیں - ظاہر ہے کہ بغیر دیکھے کوئی اس طرح ہرگز بیان نہیں کرسکتا - چنانچہ آگے توجہہ نبی صلعم کے سلسلے میں فرماتے ہیں :-

کلما تقدمت الیہ خطوۃً ازداد فرحاً من رزق ہذہ الحال کان حقاً علیہ ان یشکر تزداد طواعیہ اما الفرح بغیر ہذا ہوس ۲۰)

جوں جوں تو قدم آگے اٹھاتا جائیگا تجہے اس حال کی فرحت نصیب ہوتی جائیگی - حق تعالی کا شکر تجہہ پر لازم ہے اس کی اطاعت میں ترقی کرتا جا - جو فرحت وخوشی اس کے بغیر ہو وہ محض ہوس ہے -

آگے فرماتے ہیں :-

لا یزال هذا المؤمن العارف
مرضى الرسول بالعمل معه حتى
یستاذن لقلبه على ربه
عز وجل یكون كالغلام بین یدیه
فاذا طالت خدمته قال له
یا استاذ ارنى باب الملك اشغلنى
معه اوقفنى موضعاً اراه اتركه یدى
فى حلقة باب قربة فاخذه
معه وقربه من هذا الباب قیل
له یا ملك یا محمد یا ملك یا
سفیراً یا دلیلاً یا معلماً فیقول
انك تعلم فرغ قدریة ورضیة
بخدمته هذا الباب ثم یقول لقلبه
" هانت وربك " كما قال جبرئیل
علیه السلام له لما رقابه الى السماء
ودناه من ربه عز وجل هانت
وربك (٢)

مومن عارف اپنے عمل سے رسول کو ہمیشہ
راضی رکھتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل کو
اپنے رب کے پاس بار یابی کی اجازت مل
جاتی ہے۔ وہ اس کے آگے ایک غلام کی
طرح ہوتا ہے۔ جب اس خدمت طویل
ہوجاتی ہے تو وہ اپنے مرشد سے کہتا
ہے کہ اے استاد مجھے بادشاہ کا دروازہ
دکھلادے - مجھے اسکے ساتھ مشغول
رکھ - مجھے ایسی جگہ کھڑا کر میں
اس کو دیکھ سکوں حلقہ میں میرا
ہاتھ اللہ تعالی کے قریب چھوڑ دے پس
وہ مرشد اس کو اپنے ساتھ لے لیتا ہے
اور اس کو اس دروازے کے قریب کردیتا ہے
وہ محمد صلعم کے ساتھ ہوجاتا ہے تو
آواز آتی ہے۔ اے محمد - یہ تیرے
ساتھ کیا ہے۔ اے سفیر۔ اے دلیل -
اے معلم یہ تیرے ساتھ کیا ہے۔ آپ
فرماتے ہیں - اے خداوند یہ آپ کی
تقدیر کا جوڑہ ہے اور اس دروازے کی
خدمت پر راضی ہے۔ پھر اس کے دل سے
کہا جاتا ہے ہاں " اب تو ہے اور تیرا رب "
جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت
رسول اللہ صلعم سے اس وقت کہا تھا جب
کہ وہ انہیں آسمانوں کی طرف لے چلے
تھے اور اپنے رب کے قریب کیا تھا اور کہا تھا

" اب تم ہو اور تمہارا رب ہے"۔

اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غوث اعظم حضور صلعم کی ولایت کے انتہائی درجے سے فیضیاب ہوئے ہیں ۔ اس درجہ تک کوئی ولی یا قطب نہیں پہنچ سکا۔ چنانچہ تحدیث نعمت کے طور پر آپ فرماتے ہیں:۔

فاعطانی المولی اجل ولایتہ فلم یعطہا غیری لیوم القیامۃ ۔

میرے مولانے مجھے ولایت کا بہت اونچا درجہ عطا کیا کہ ایسا درجہ قیامت تک کسی کو بھی نہ مل سکیگا ۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

کل ولی علی قدم نبی وانا علی قدم جدی محمد مصطفی صلعم ۲۲)

ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہے اور میں اپنے جد محمد مصطفی صلعم کے قدم پر ہوں ۔

یہ بات تو واضح ہے کہ رسول اللہ صلعم کی ولایت تمام پیغمبروں کی ولایت سے اعلی وارفع ہے۔ بحث ولایت کی ہے نہ نبوت کی کیونکہ کسی پیغمبر نبوت کے درجہ پر نہ تو قطب پہنچ سکتا ہے نہ ولی ۔

محمد ۔ شہنشاہ خیل رسل

کہ خرد نہ پیشش چہ جزو چہ کل

(ظہوری)

ترجمہ نبی کے بارے میں بہجۃ الاسرار میں آپ کا ارشاد ہے:-

كان الشخص المحمدي
والشكل الاحمدي الهاشمي
المناسب احدي المناقب ملكوتي
الآيات غيبي الاشارات مشرف
بخصائص الكرم وخص بجوامع
الكلم بشرفه قام عمود الكون الكل
وبجلاله انتظم سلوك الوجود
العلوي والسفلي هو سر
كلمة كتاب الملك ومعنى
فصل الخلق وقلم كاتب انشاء
المحدثات وانسان عين العالم
وطابع خاتم الوجود ومنبع
ثدي الوحي وحامل سر الاول و
ترجمان لسان القدم وحامل لواء
العز ومالك ازمة المجد
وواسطة عقد النبوة ودرة

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت
احمد ہاشمی کی شکل سارے مناقب کے
خلاصے کے مناسب ہے۔ ملکوتی نشانیوں اور
غیبی اشاروں کے راز دار اور کرم کی
خصوصیات کا شرف حاصل کیے ہوئے جوامع
الکلم کی خصوصیت رکھنے والے ان کی
بزرگی کی وجہہ سے پوری کائنات
کا ستون قائم ہے اور ان ہی کی جلالت
مرتبہ کی وجہہ سے علوی اور سفلی وجود
کی لڑی ایک منظم شکل میں جڑی ہوئی ہے۔
وہ کتاب شاہی (لوح محفوظ) کے کلمہ
کا راز ہیں اور افصال خلق کے معنی ہیں
اور تقدیر کے واقعات لکھنے والے کا قلم ہیں
عالم کے آنکھہ کی پتلی ہیں اور وجود کی
انگوٹھی کا نگینہ ہیں وحی کی چھاتی سے
دودھ بہنے والے ہیں وجود اول (خدا)
کے راز کے حامل ہیں لسان ازل کی زبان
کے ترجمان ہیں بزرگی کے علم کو اٹھانے
والے ہیں مجد کے مہمات کے مالک ہیں
نبوت کی گرہ کے واسطہ ہیں ۔
رسالت کے تاج کے موتی ہیں ۔ اولیاء
کی سواریوں کے رہنما ہیں ۔ اور
پیغمبروں کی فوج کے مقدم ہیں

تاج الرســــــالة	حاضر دربار لوگون کے امام هین سبب
وقائد رکب الاولیــــــاء	کے لحاظ سے سب سے اول هین
ومقدم عسکری المرسلیــــن	اور نسب کے لحــــاظ سے سب سے
امام اهل الحضــــرة	آخـــــر هین ۔

اولی فی سبب آخری فی النسب ۔(۲۳)

اس عبارت کی تشریح مین یهه کهاجاسکتا هے کہ حضور انورصلعم اگرچہ کہ بظاهر انسان تهے جیساکہ قرآن مجید مین آپ کو تاکیدی حکم ملا هے کــہ

قل انمـــا انا بشـــر مثلکــم	آپ کہہ دیجئیے کہ مین تم جیســـا
(پ ۱٦ ع ۳)	بشـــر هون ۔

مگر حقیقت مین وہ ایک روحانی هستی تهے ۔ ان کا حسن زیبا فرشتون کے لئیے بهی قابل رشک وفخـــر تها ۔ احمد کا لقب آپکو حضرت یحیٰ علیہ السلام نے دیا هے ۔ هاشمی آپ کا نسب هے اورقریش مین هاشمی سب سے معزز ومکرم تهے آپ " ملکوتی الایات " تهے یعنی آپ مین فرشتون کی نشانیان تهین ۔ چنانچہ ان مین سے ایک نشانی یهہ تهی کہ جس طرح فرشتون کو سایہ نهین هوتا۔ آپ کا بهی سایہ نہ تها ۔ آپ " خفی الاشارات " تهے ان اشارات سے مراد معجزات هین ۔ چنانچہ آپ کے ایک اشارہ پر چاند دو ٹکڑے هوا ۔ درخت چلنے لگے ۔ پتهر بات کرنے لگا ۔ اسطرح بے شمار معجزات کا آپ سے صدور

ہوا۔ " مشرف بخصائص الکرم " تھے یعنی آپ کرم الہی کی خصوصیتوں سے ممتاز تھے " خصائص کرم " سے مراد تجلیات ذات باری تعالی ہیں - یہہ آپ کے خصائص سے ہیں - " جوامع الکلم " سے مراد کلام اللہ یعنی قرآن مجید ہے۔ کیونکہ پہلے کی کتابیں ایک ہی وقت نازل ہوئیں اور قرآن مجید بالاقساط نازل ہوا اور ہر آیت کے نزول کے وقت تجلی ذات سے آپ سرفراز کئے گئے۔ حالانکہ دوسرے پیغمبروں کو اس تجلی کا فیض انزال کتاب کے وقت صرف ایک بار نصیب ہوا - آپ ہی کی وجہہ سے کائنات کا ستون قائم ہے۔ اس سے مراد روح کا شرف ہے کیونکہ عالم کا قیام روح کی وجہہ سے ہے اور اس روح کو صوفیائے کرام " روح الروح " اور " فیض الحق " سے تعبیر کرتے ہیں - اور اسی وجہہ سے حضرت غوث نے رسول صلعم کو اس طرح مخاطب کیا ہے۔

یا خاتم الرسل انت روح جسد الوجود انت عین حیاۃ دارین ۲؎ ۲)	اے خاتم المرسلین آپ ہی جسد وجود کی روح ہیں - آپ ہی دونوں جہان کی حیات کا سر چشمہ ہیں -

آپ ہی کی وجہہ سے " سلک وجود علوی وسفلی " منظم ہوئی اور آپ " کتاب الہی کا راز " ہیں - قرآن مجید میں کئی ہزار حرف ہیں اور ہر حرف کا ایک راز ہے۔ اس لئے ہر حرف کے پڑھنے کے وقت ہی تجلی کا فیضان ہوتا ہے۔

" قلمِ کاتب انشاء المحدث " ہیں - کاتب سے مراد حق تعالی کی ذات ہے۔

حدیث مین آیا ھے:-

اول ما خلق اللہ نوری *   پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ میرا نور ھے۔

دوسری حدیث مین آیا ھے کہ:-

اول ما خلق اللہ تعالی القلم   پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ قلم ھے۔

دونون حدیثون مین تطابق کیا جائے تو قلم سے مراد رسول اللہ صلعم ھی کو قرار دیا جاسکتا ھے۔ آپ ھی " وجود انگشتری کا نگینہ " ھین ۔

از خاتم صنع سر نزد نقش دو کون

تا صرف نشد سیاھی سایۂ تو

(غنی)

آپ ھی " وحی کی چھاتی سے دودھ پینے والے" ھین اور آپ ھی " سر ازل کے حامل" ھین اور سر ازل سے مراد وحدت وجود ھے۔ اور آپ ھی " زبان قدم کی زبان " ھین ۔ اور آپ ھی " لوائے عزت کے حامل " ھین ۔ آپ کی عزت خدا کے پاس اتنی ھے کہ اس کا بیان ھی ممکن نہین ۔ چنانچہ حضور صلعم کا ارشاد

" آدم ومن دونہ تحت لوائی ولا فخر"   آدم اور اسکے سوا جو بھی ھین میرے جھنڈے کے نیچے ھین اور مین فخر سے نہین کہہ رھا ھون۔

---

* ذکرہ الزرقانی فی شرح المواھب نقلاً عن لطائف الکاشی وقال فی محل غرة الاوائل اول ما خلق اللہ نوری الحدیث الحسن وذکرہ الشیخ محی الدین ابن عربی فی الفتوحات وروی جابر بن عبداللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم " یا جابر ان اللہ تعالی خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ ۔ الحدیث ۔

آپ " مجدد و شرف کے قائد " ھین اور " نبوت کی گرہ کا واسطہ " ھین ۔ آپ " ایجاد عالم مین سب سے اول سبب " ھین مگر سلسلہ یا ظہور مین سب سے آخر ھین ۔ ظاھر ھے کہ خدا نے آپ ھی کا نور سب سے پہلے پیدا کیا۔اور اسی نور سے ساری موجودات وجود مین آئین ۔

بہرحال توجہ محمدی صلعم کے بارے مین خانوادہ قادریہ مین سب سے زیادہ زور دیا گیا ھے۔ اگر سالک ان چارون توجہات یعنی

۱- توجہہ حقیقت محمدیہ ۔

۲- توجہہ حضرت علی

۳- توجہ حضرت غوث اعظم سے کام لے اور ان تینون توجہات کے ساتھہ (۴) مرشد کی توجہہ کو اپنا واسطہ یا وسیلہ بنالے تو اس کی تکمیل بہت جلد ھوسکتی ھے ۲۵)

آداب مرید

ملفوظات قادریہ مین آداب مرید کے سلسلے مین حضرت شیخ جیلی کی مختلف ھدایتین ملتی ھین جن مین سے بعض کا ذکر یہان ضروری ھے۔ ابتداً مین آپ فرماتے ھین :-

اگر مرید ھے تو بوجھل کہا گیا ھے۔ یعنی تجھہ کو بوجھہ اٹھانا ھوگا اور طالب کو مشقت اور سختیں اٹھانی ھی پڑتی ھے۔ یہان تک کہ وہ اپنے

مطلوب تک پہنچ جاتے -

طلبگار باید صبور وحمول
کہ نشنیدہ ام کیمیاگر ملول

مرید جب اپنے دل کو پیر سے مناسبت دے لے اور اپنی توجہہ اس طرف کرلے تو پیر اس کے احوال وافعال پر اعتراض اور بدگمانی نہ کرے اور ان کو بہرحال بہتر سمجھے۔ جب وہ ایسا کریگا تو وہ حق تعالی کے ظہور کا پیر کے مظہر میں مشاہدہ کریگا۔ آگے آپ فرماتے ہیں کہ " مرید اپنے شیخ سے اپنی نسبت کو کامل کرتا جائے - یہاں تک کہ اپنا لباس - اپنی پگڑی اور اپنی کلاہ کو بھی شیخ ہی سے نسبت دے۔ کیونکہ مرید اپنے وجود سے فنا ہوجاتا ہے۔ شیخ کے امرونہی کو خدا کا امرونہی سمجھے۔ شیخ کے احکام کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے" -

اور ایک جگہہ فرماتے ہیں کہ توحید اورمواعظ وغیرہ تمام کتاب اورسنت سے حاصل کرے۔ سلف کی روایتوں میں پڑنے سے پریشانی ہوگی کیونکہ سمجھنے کی استعداد مشکل ہوتی ہے ہاں اگر سمجھہ لے تو فائدہ ہوگا۔ تاکہ فرماتے ہیں کہ

مرید مرشد سے ادب اورخوف سے رہے - اس سے پہلے بات نہ کرے مرشد پر بدگمانی نہ کرے اور اس کو دوسروں سے بہتر سمجھے کیونکہ انہی باتوں سے باطن کا فیض اس تک پہنچے گا - پیر حقیقت محمدیہ کا مظہر ہوتا ہے اور

حقیقت محمدیہ تمام عالم کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے -

توحید پر انتہائی زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں - مرید سوائے خدا کے کسی سے تعلق نہ رکھے- اور غیر خدا سے قطعاً کٹ جائے اور صرف کتاب الہی اور سنت نبوی پر عمل کرے- مرید جو کچھ دیکھتا ہے خدا کے نور سے دیکھتا ہے اور غیر خدا کے حق میں اندھا اور بہرا ہوجاتا ہے- یعنی اس کے اندر صرف خدا کی محبت ہوتی ہے اور اپنے اندر اور ساری کائنات میں فاعل حقیقی خدا ہی کو جانتا ہے- اور یہی معنی ہیں حضور انور صلعم کے کہ " حبک الشیٔ یعمی ویصم " یعنی " کسی شے کی محبت تجھ کو اندھا اور بہرا بنادیتی ہے" کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب ہی کا جلوہ دیکھنے اور اس کی باتیں سننے میں محو و مستغرق رہتا ہے اس لئے دوسری طرف اس کی توجہ نہیں رہتی - کسی جگہہ آپ فرماتے ہیں -

المرید لا یرید سواہ واذا ارادہ بطل دعواہ ؎۲٦)	مرید خدا کے سوا کسی چیز کو نہیں طلب کرتا اور اگر کرتا ہے تو اس کا دعوی باطل ہے-

ارادت یہی وہی ہے جو سوزش پیدا کردے اور یہہ سوزش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ سالک یا مرید محنت اور مشقت پر آمادہ ہوجائے- نیند کی راحت - کھانے پینے کی لذت سے لا پروا ہوجائے- اور اس وقت تک اپنے نفس کی خواہش کو پروانہ کرے جب تک کہ واقعی اس کو ضرورت نہ ہو اور اس طرح جب وہ اونچے

درجہ پر پہنچ جائے تو خدا کے دوسرے بندون کو نصیحت کرے۔

اگر شیخ سے کوئی امرخلاف شرع دیکھے تو اشارے یا ضرب المثل کی زبان سے مطلع کرے اورصریحاً بےتحاشا نہ کہہ اٹھے تاکہ پیر کو مرید سے نفرت نہ ہوجائے۔ مرید اپنا مصلی پیر کے آگے نہ بچھائے۔ اگر نماز کے وقت ایسا کرے تو مضائقہ نہین لیکن نماز کے بعد فوراً مصلیٰ لپیٹ کر خدمت پیر کے لئے کمر بستہ ہوجائے۔ اوراپنا مصلیٰ اس شخص کے مصلے پر بھی نہ بچھائے جو اس سے مرتبہ مین بالاتر ہو ۔ پیر کے مصلے کے نزدیک بھی اپنا مصلیٰ بچھانے سے پرھیز کرے۔ مگر پیر کی اجازت سے جائز ہے۔ صوفیہ کے نزدیک ایسا کرنا ترک ادب ہے۔ اگر شیخ کے سامنے کسی مسئلہ پر بحث چھڑ جائے اورخود اس مسئلہ سے بخوبی واقف ہوتبھی تو خاموش رہے۔(۲۷)

قادریہ طریقہ مین مرید کی یہی صفتین ہونی چاہئین ۔ البتہ مرید کے دل مین خطرے آئین تووان کا ذکرمرشد سے کرے اوراس کی مدد چاہے۔ اس طرح مرید کو چاہئے کہ مرشد کی ذات مین فنا ہوجائے۔

خدائے تعالی سے ربط پیدا کرنے کا یہی ایک وسیلہ ہے اور یہ اسوقت تک جس وقت تک کہ سالک کو خدائے تعالی کے ہان کامل رسائی نہین ہوتی اورجب رسائی ہوجاتی ہےتو وہ ماسوی اللہ سے بےپروا ہوجاتا ہے۔ پس اس وقت مرید کا پیر سے تعلق قطع ہوجاتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہےکہ اس کا شیخ کے پاس

جانا حرام ہوجاتا ہے۔ یہہ اوربات ہے کہ خداوند تعالی کی طرف سے کسی امر آشکارا کے سبب شیخ کی طرف جانا پڑے یا مسجد یا واسطے میں اس سے ملاقات ہوجائے مگر یہہ قصداً نہ ہوگا ۔[۲۸]

آداب شیخ مرید کے لئے

پیر کے لئے لازم ہے کہ مرید کو حق تعالی ہی کے لئے قبول کرے ۔ اس پر نرمی ملحوظ رکھے اورایسا بار بہی نہ ڈالے جس کی اس کو طاقت نہ ہو اور اس سے تاکیداً کہہ دے کہ وہ نفس امارہ کی باتیں ترک کردے اور احکام شریعت کی کامل پیروی کرے۔

مرید کے مال سے خود آسائش حاصل نہ کرے۔ ہاں اللہ تعالی کے حکم و خبر سے اس کو استعمال میں لاسکتا ہے۔ جو چیز مرید اپنی مرضی سے نذر کرے اس کو قبول کرلے۔

پیر کے ذمے مریدوں کے اسرار کی نگہبانی بہی کرنی ہے اور جو کچھہ معلوم ہو اس کی کسی دوسرے کو خبر نہ کرے۔ کیونکہ یہہ امر کے پاس ایک امانت ہے۔ اگر مرید سے خلاف شرع کوئی عمل سر زد ہوتو تنہائی میں اس کو نصیحت کرے ۔

اگر کوئی مرید مکروہات مسائل اعتقادی یا عملی میں مبتلا ہو یا اس کو اپنے علم پر ناز یا غرور ہو حالانکہ وہ اس سے کماحقہ خبردار یا واقعاً اس سے

نابلد ہو تو اس کو اپنی نگاہ میں رکھے اور پیش آمدہ حالات سے اس کے اس عمل کو خود اس کی نظروں میں حقیر کر دکھانے کا لحاظ رکھے کیونکہ غرور وہ صفت ہے جس سے کہ ہلاکت واقع ہوتی ہے۔ بہتر ہوگا کہ جملہ مریدوں کو جمع کرے اور ان سے اس طرح کہے کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم میں سے ایک شخص ایسی باتیں یا ایسا دعوی کرتا ہے اور جس کی اصلاح کی ضرورت ہے اس کا تذکرہ کرے اور تکبر وغرور جیسی بری خصلت کے خوفناک نتائج سے آگاہ کرے مگر نہ اس طرح کہ اس تنبیہہ سے کسی خاص شخص کا کھلم کھلا تفضیح ہوجائے ۔ ورنہ وہ شخص الگ بھاگ جائے گا اور دوسرے بھی اس سخت عمل کی تاب نہ سکیں گے یا ممکن ہے وہ سب کسی بدظنی کا شکار ہوجائیں ۔[۲۹]

ذکر فکر ورابطہ کے ذریعہ سلوک کے منازل طے ہوتے ہیں ۔ ان کے علاوہ صوفیہ کو روحانی عروج سماع سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل ہم ایک علحدہ باب میں پیش کر رہے ہیں ۔

٢ - سماع

یونان کا مشہور فلسفی افلاطون (جس کے فلسفہ میں سری عناصر بھی بکثرت پائے جاتے ہیں) موسیقی کی تعریف میں کہتا ہے کہ " موسیقی وہ چیز ہے جو متحرکہ (ترجمہ) جامد اشیا میں بھی جان ڈال دیتی ہے۔ اس سے افکار میں بلندی اور تخیل میں ترقی ہوتی ہے" ۔

اس کے علاوہ موسیقی نفس میں فرحت اور روح میں سرور پیدا کرتی ہے اور اس کو پستی سے نکال کر اوج کمال کی طرف لے جاتی ہے۔

موسیقی کی اس مختصر سی تعریف کے بعد اس کی حقیقت کے متعلق اسلام کا جو نقطہ نظر ہے اس کو سائنٹفک طریقے پر جاننے کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک میں اشارہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس خوش الحانی سے زبور پڑھتے تھے کہ انسان تو انسان پرندوں پر بھی لحن داؤد کا اثر ہوتا تھا ۔

" مفتاح العاشقین " (١) میں لکھا ہے کہ سماع کے متعلق شیخ الاسلام خواجہ معین الحق والدین نے فرمایا کہ انسانی موزوں آواز اللہ تعالی کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:۔

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوالالباب۔ (پ ٢٣ع ١٦)	میرے بندوں کو خوشخبری دو کہ وہ سنتے ہیں جس قول کو پس تابع ہوتے ہیں اس قول کے نیک بات کے ساتھ ۔ یہ لوگ ہیں جنکو ھدایت کی اللہ نے اور یہی لوگ عقل خالص والے۔

یہان " القول " عام ہے اس سے مراد قرآن وحدیث بھی ہوسکتے ہین اورحکایت الصالحین بھی - یا سماع اشعار بھی جیسا کہ محمد غزالی برادر امام غزالی نے اپنے رسالہ " بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع" مین استدلال کیا ہے۔(۲)

امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری نے اپنے " رسالہ" مین اس آیت سے جواز سماع کا استدلال کیا ہے اور اسکو مباح لکھا ہے۔

وانکہ بہشت نورانی کی یاد دلاتا ہے اورحسب فرمان حق ترجمان مولوی معنوی :-

مومنان گویند کا ثار بہشت نغز گردانید ہر آواز زشت

ما ہمہ اجزائے آدم بودہ ایم د ربہشت آن لحنہا بشنودہ ایم

گرچہ برما ریخت آب و گل شکی یاد ما آید از آنہــــا اندکی

پس نے وچنگ و رباب و سازہا چیزکی کے ماند ازان آوازہا

عاشقان کین نغمہ ہا را بشنوند جزو بگزارند وسوئے کل روند

احیا ءالعلوم مین حجۃ الاسلام امام غزالی نے لکھا ہے کہ جو لوگ قرآن مجید پر وجد کرتے ہین ان کی تعریف مین اللہ تعالی فرماتا ہے:-

واذا سمعوا انزل الی الرسول ترٰی اعینہم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحــــق -
(پ ۷ ع اول)

اور جب سنتے ہین لوگ اس کو جو اترا حضور صلعم پر تو ان کی آنکھین تر ہوجاتی ہین آنسوون سے جو بہجاتے ہیں حق بات کو -

اب ہم ان احادیث نبوی کی طرف توجہہ کرتے ہیں جن سے سماع کے جواز کا ہیں ثبوت ملتا ہے اور جو نہ صرف نظم صحیح اسناد سے ثابت ہیں بلکہ جن کو امام غزالی - شیخ جمال الدین - مولانا کمال الدین بن جعفر اور شیخ عبدالرحمن سلمی جیسے بزرگوں نے پیش کیا ہے اور سماع کے جواز میں ان سے استدلال کیا ہے۔ (۳)

ہجرت مدینہ کے وقت جب رسول اللہ صلعم مدینہ کے قریب پہنچے تو اوس و خزرج کے تمام مرد ہتھیار سج کر اپنی بستی سے دور آکر " ثنیۃ الوداع " کی ٹیکری پر اعزازی دستے کے طور پر راستے کے دونوں طرف جمع ہوگئے - مورخ اور سیرت نگار ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ لڑکیاں دف بجانے لگیں اور یہہ گیت گانے لگیں -

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع	ہم پر چودھویں رات کا چاند ثنیۃ الوداع سے طلوع ہوا۔
وجب الشکر علینا مادعی للہ داع	اس وقت تک ہم پر شکر واجب ہے جبتک کوئی عابد اللہ کی عبادت کرتا رہے۔
(بخاری)	

ربیع بنت معوذ سے روایت ہے :-

قال جاء النبی صلعم وجلس علی فراشی وعندی جویرتان یضربان بالدف ویندبن من قتل اباۂن یوم بدر فقالت احد ہیمسا	رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور بیٹھہ گئے میرے بستر پر اس وقت میرے پاس دو لڑکیاں تہیں جو دف بجارہی تہیں اور اپنے باپ کا مرثیہ گارہی تہیں جو بدر میں شہید ہوئے تہے - ایک لونڈی نے کہا کہ

وفينا نبي يعلم ما في غداً فقال صلی الله علیه وسلم دعی هذا وقولی ما كنت تقولين -
(بخاری ومسلم)

ہمارے پاس ایک ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں - اس پر حضور صلعم نے فرمایا ایسا نہ کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں وہ کہو -

اس حدیث سے یہی صاف طور پر راگ کی اجازت کا پتہ چلتا ہے اور صحیح بات کو ترنم سے پڑھنے میں کوئی ممانعت معلوم نہیں ہوتی - البتہ جب ان لڑکیوں نے کہا کہ کل کی بات حضور جانتے ہیں تو آپ نے ان کو روک دیا کیونکہ یہہ حقیقت نہ تھی -

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ

قال دخل ابوبكر وعندها جاريتان يضربن بالدف بما تقاولت الانصار يوم بعاث والنبی صلعم متغش بثوبه فانتهرهما ابوبكر فكشف النبی صلعم عن وجهه الكريم فقال دعهما يا ابوبكر فانها ايام عيد (اوقال) لكل قوم عيد وهذا عيدنا -
(مسلم - بخاری)

ابوبکر تشریف لائے جبکہ میرے پاس دو لونڈیاں دف بجارہی تھیں اور وہ الفاظ گاتی تھیں جو انصار یوم بعاث میں کہتے تھے - نبی صلعم چادر اوڑھے ہوئے تھے حضرت ابوبکر نے ان دونوں کو منع کیا گانے سے - تو حضور صلعم نے چادر کھولی اور کہا مت منع کرو ان کو یہہ عید کے ایام ہیں - (یا یہہ کہا کہ) ہر قوم کے لئے ایک عید ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے -

اس حدیث سے عہد کے دن سماع کا جواز صاف طور سے سمجھ میں آتا ہے۔

قشیری نے براء بن عاذب سے روایت کی ہے

قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول " حسنوالقران حسیناً

حضور صلعم نے فرمایا کہ۔ قرآن کو اچھی آوازوں سے قرات کیو کیونکہ اچھی آواز زیادہ کردیتی ہے قرآن مجید کے حسن کو۔

اس حدیث سے قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا:۔

لکل شئی حلیۃ وحلیۃ القرآن الصوت الحسن [۴]

ہر چیز کے لئے ایک زیور ہے اور قرآن شریف کا زیور خوش الحانی ہے۔

رسول اللہ صلعم ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ جب واپس ہوئے تو ایک سیاہ فام عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا اے اللہ کے رسول میں نے نذر مانی تھی کہ آپ صحیح وسلامت واپس آجائیں تو میں آپ کے روبرو دف بجاونگی اور گاتا گاون گی۔ آپ نے فرمایا اگر تونے نذر مانی ہے تو بجا ورنہ نہیں۔ پس اس نے دف بجانا شروع کیا۔
(ابو داود وترمذی)

کشف المحجوب میں اس روایت کا ذکر ہے جس کی روسے ایک دفعہ حضرت عمر نے اصوار سے سماع سنا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ان کے پاس ایک

لونڈی گارہی تھی کہ حضرت عمر نے آنے کی اجازت چاہی - جیسے ہی حضرت عمر داخل ہوئے وہ بھاگ گئی - اس پر حضور صلعم نے تبسم فرمایا حضرت عمر نے مسکرانے کی وجہہ پوچھی تو حضور صلعم نے انہیں واقعہ سنایا - حضرت عمر نے فرمایا - میں بھی اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک کہ وہ نہ سن لوں جو حضور صلعم سن رہے تھے- پس حضور صلعم نے اس لونڈی کو طلب فرمایا اور اس نے گانا شروع کیا - حضور صلعم اورحضرت عمر سنتے رہے ۵)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک عورت کی کسی انصاری سے شادی ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کھیل کی چیزیں (گانا بجانا) نہیں ہیں - حالانکہ انصار کھیل کی چیزیں پسند کرتے ہیں (بخاری - باب اعلان نکاح) اور مصابیح میں مذکور ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا انصار راگ کو دوست رکھتے ہیں -

عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہر وردی نے روایت کی ہے -

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ان کے پاس ایک لونڈی گارہی تھی کہ حضور صلعم تشریف لائے - آپ کو دیکھہ کر وہ خاموش ہوگئی آپ نے فرمایا کہ خاموش نہ ہو بلکہ جس طرح گارہی تھی گائے جا - اس محفل میں حضرت عمر آئے کیا دیکھتے ہیں کہ حضور صلعم سرود سن رہے ہیں - اور رورہے ہیں - حضرت عمر بھی رونے لگے- پھر حضرت عثمان تشریف لائے سرود سنا اور رونے لگے- پھر حضرت علی تشریف لائے وہ بھی سن کر رونے لگے جب ظہر کا وقت ہوا محفل برخاست ہوئی اور سبھوں

نے تازہ وضو کرکے ظہر ادا کی ۔ (٦)

حاکم نے بشرط صحیحین حضرت عامر بن سعد ابن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ میں ایک شادی کی تقریب میں ابو مسعود انصاری کے پاس گیا اور قرظہ ابن ابی کعب اور ثابت ابن زید رضی اللہ عنہما بھی وہاں بیٹھے تھے میں کہا دیکھتا ہوں کہ کچھ چھوکریاں گا رہی ہیں اور دف بجا رہی ہیں ۔ میں نے کہا اے رسول اللہ کے صحابیو اور بدر میں شریک ہونے والو تمہارے روبرو یہ کام ہو رہا ہے ان دونوں نے کہا اگر تو چاہے تو بیٹھ کر ہمارے ساتھ سن ۔ اور چاہے تو چلا جا۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو شادی میں گانے کی اجازت دی ہے۔ اس حدیث کو دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے اور شیخین کو اس کے روایت نہ کرنے کا الزام لگایا ہے۔

(مشکواۃ باب اعلان نکاح)

شرح عوارف میں لکھا ہے کہ کعب بن زہیر نے جب قصیدہ "بانت سعاد" کو حضور کے آگے پیش کیا اور اس شعر پر پہنچے

ان الرسول لنور لیستضاء بہ	بے شک رسول ایک نور ہیں جن سے روشنی لیجاتی ہے۔
مہند من سیوف اللہ مسلول	وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھینچی ہوئی تلوار ہیں ۔

تو حضور انور صلعم کو اس قدر وجد ہوا کہ چادر مبارک آپ کے کندھے پر سے گر پڑی

اور کعب نے وہ چادر اٹھالی اور اپنے ساتھہ لے گئے ۔(۷)

اسی طرح کثیر احادیث سے غنا کی حلت بصراحت ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہہ کہا جائے کہ احادیث سے حرمت بھی تو ثابت ہے تو اس کے جواب میں یہہ یقین کے ساتھہ کہا جاسکتا ہے کہ حرمت سماع کے متعلق جو احادیث ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع یا مطعون اور احادیث حلت کی متواتر مشہور اور صحیح ہیں۔ چنانچہ علاءالدین قونوی نے شرح تعرف میں لکھا ہے کہ امام ابو محمد بن حزم نے کہا ہے کہ اس باب میں (یعنی حرمت سماع) میں کوئی چیز پایہ صحت کو نہیں پہنچی ہے۔ اگر ایک صحیح روایت بھی اس بارہ میں وارد ہوتی تو سب سے پہلے وہ اس کے قائل ہوتے۔ پھر اس بات پر قسم کھاکر اپنے قول کو موکد کیا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں تحریر فرمایا ہے۔

" دوم طریق محدثین است وایشان می گویند کہ ثابت نشدہ در تحریم آن حدیث صحیح ونص صریح بلکہ ہرچہ وارد شدہ است دریں باب از احادیث یا موضوع است یا مطعون " ۔

اب ہم آئمہ مجتہدین سے اس مسئلہ میں طلب ہدایت کرتے ہیں :۔

آئمہ مجتہدین اور سماع

بیان کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا ایک پڑوسی تھا جو ہر وقت گایا کرتا تھا اور امام صاحب سنا کرتے۔ ایک بار امام صاحب نے پڑوسی کے گانے کی آواز نہیں سنی۔

دریافت پر معلوم ہوا کہ اس کو امیر عیسیٰ نے قید کر رکھا ہے۔ امام صاحب بہ نفس نفیس امیر عیسیٰ کے گھر تشریف لے گئے اور اس شخص کی رہائی کی سفارش فرمائی۔ امیر نے عرض کیا کہ مجھے اس کا نام معلوم نہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا نام عمرو ہے۔ امیر نے حکم دیا کہ جس کسی کا نام بھی عمرو ہو اس کو رہا کیا جائے۔ چنانچہ اس کے ساتھ جتنے عمرو نامی افراد تھے سب چھوڑ دیے گئے۔ اس واقعہ کو علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی نے لکھا ہے اورکہتے ہیں کہ اس سے امام ابو حنیفہ کا سماع سننا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر سماع ناجائز ہوتا تو نہ آپ خود سنتے۔ نہ اس کی سفارش کرتے بلکہ اس کو گانے سے منع کرتے۔ لہذا آپ کا سننا آپ کے کمال زہد و ورع کے پیش نظر سوائے اباحت کے اورکسی چیز کو ثابت نہیں کرتا ۔ جو روایات اس کے خلاف ثابت ہوتی ہیں ان کو ایسے گانے پر محمول کیا جاتا چاہئے جو فحش کی تعریف میں آتا ہے تاکہ امام عالی مقام کے قول وفعل میں توفیق اور تلفیق پیدا کی جاسکے۔

اس کے علاوہ ملا علی قاری حنفی اپنے " رسالۃ سماع " میں فرماتے ہیں کہ " غنا " کی تین قسمیں ہیں ۔ ایک وہ جو آلات محرمہ کے بغیر ہو اور جمہور اس کی اباحت کے قائل ہیں اور اس میں کوئی کراہت نہیں ۔ اورایسا ہی نقل کیا گیا ہے۔ ایک جماعت سے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ۔ جیسے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد حنبل اور امام غزالی وغیرہ

آگے چل کر ملا علی قاری فرماتے ھین کہ جاحظ نے امام ابو حنیفہ کے سامنے غنا وسماع کا ذکر کیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ مین پسند کرتا ھون کہ اگر کوئی قوال خواہ میرے ساتھ رھے یا اپنا آدمی مجھہ پر مسلط کردے اور مجھہ کو وہ کسی ایسے گھر مین لے جائے جہان سماع ھوتا ھو تو مین سماع سننے لگون ۔

ملا علی قاری امام ابویوسف سے روایت کرتے ھین کہ جب امام ابوحنیفہ ھارون رشید کی مجلس مین آتے اور وھان سماع ھوتا تو اسکو سنتے اور روتے گویا جنت کی یاد انھین رلا رھی ھے۔ امام ابویوسف بھی جب ھارون رشید کی مجلس مین تشریفلاتے اور وھان گانا ھوتا تو سنتے اور روتے۔

قاضی محمدعلی شوکانی یمنی اور ابوالروح حنفی نے بھی امام ابو حنیفہ سے گانا سننا نقل کیا ھے۔ اس کے علاوہ محمد بن احمد شمس شاذلی نے بھی " فرح الاسماع " مین امام صاحب سے گانا سننے کی روایت کی ھے [۸]

تذکرہ حمدونیہ مین مذکور ھے کہ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری سے غنا کے متعلق پوچھا گیا ھے تو دونون نے فرمایا :-

لیس من الکبائر ولا من الصغائر یہہ نہ کبائر گناہ سے ھے نہ صغائر سے۔

امام مالک اور سماع

ابراھیم بن سعد زھری نے امام مالک سے بھی گانا سننے کی روایت کی ھے اور ایک طویل قصہ نقل کیا ھے۔ اس قصہ کو حافظ ابوبکر بغدادی نے اپنی

تاریخ بغداد میں نقل کیا ہے۔ کتاب اغانی میں ابوالفرج اصفہانی نے اور ابن حمدون نے اپنے " تذکرہ " میں تحریر کیا ہے کہ امام مالک اپنے مکان پر تشریف فرما تھے۔ ایک شخص گاتا ہوا گزرا اور گانے میں اس نے غلطی کی۔ امام صاحب نے اپنی کھڑکی میں سے جھانک کر اس کو ٹوکا اور اس کے گانے کو ٹھیک کر دیا۔ اس شخص نے خواہش کی کہ آپ دوبارہ اس کو بتائیں تو آپ نے کہا " کیا تو لوگوں سے کہنا چاہتا ہے کہ اس گانے کو تونے مالک سے سیکھا ہے " ۔

ابن فرص مالکی نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ " ہر شخص کو اپنی بیوی اور لونڈی سے گانا سننا جائز ہے " (۹)

امام شافعی اور سماع

امام غزالی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک غنا حرام نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے امام شافعی کی بہت سی کتابیں دیکھیں ہیں مگر ان میں کوئی چیز غنا کی حرمت کی ان کی نظر سے نہیں گزری۔ فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب " ام " اور رسالہ کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے مذہب کے متقدمین ۔ متوسطین ۔ متاخرین کی تصانیف بھی دیکھیں ۔ بہرحال کسی نے امام شافعی سے سماع کا حرام ہونا نقل نہیں کیا ۔ بلکہ اوستاذ ابو منصور بغدادی تو قطعیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ امام شافعی کا مسلک اباحت سماع کا ہے بشرطیکہ گانے والا مرد ہو یا خود سننے والے کی لونڈی یا بیوی ہو یا وہ عورت

ہو جس کی طرف اس کو نظر کرنا حلال ہو اور گانا اس کے گھر میں یا اس کسے دوست کے گھر میں ہورہا ہو۔ راستے پر یا گلی میں نہ ہو اور کوئی ناجائز چیز اس میں شامل نہ ہو اور اس کی وجہہ سے نماز کا وقت ضائع نہ ہوجائے یا جس کی گواہی دینی اس پر واجب ہے اس کا وقت نہ گزرجائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ " امام شافعی کے وہ الفاظ جو اباحت کے خلاف نظر آتے ہیں وہ اس گانے پر محمول ہونگے جس میں فحش اور بری باتیں ہوں ۔ تو اس کی تحریم ان عوارض کی وجہہ سے ہوگی نہ کہ نفس غنا کی بناء پر"۔

علامہ عبدالغنی نابلسی لکھتے ہیں کہ امام شافعی سے ایسے اقوال وافعال صحت کے ساتھہ مروی ہیں جو صراحتاً اباحت سماع کو ثابت کرتے ہیں ۔(۱)

امام احمد حنبل اور سماع

امام احمد حنبل کے متعلق صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کے پاس گانا سنا ۔ اور مقنع کی شرح میں امام احمد حنبل سے مروی ہے کہ انہوں نے قوال کو گاتے سنا اور کوئی انکار ظاہر نہیں کیا ۔ اور جب آپ کی صاحبزادی نے آپ سے کہا کہ آپ تو اس کو برا سمجھتے تھے تو آپ نے کہا کہ ہاں اس وقت جب لوگ اس کو برائی کی آمیزش سے سنتے ہیں ۔ اس طرح علامہ عبدالغنی نابلسی اور ملاعلی قاری حنفی آئمہ اربعہ اور علمائے مجتہدین نے سماع کا سننا ثابت کیا ہے۔

" لطائف اشرفی" مین فتاوی عتابیہ سے منقول ہے کہ امام ابویوسف سے معلسہ غنا کے متعلق پوچھا گیا تو انہون نے کہا جائز ہے اور امام محمد کے ہان بھی جائز ہے۔ اور اس پر فتوی ہے۔ چنانچہ تاتار خانیہ اور سیر کبیر مین لکھا ہے کہ غنا جائز ہے جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے۔(۱)

اس ساری بحث سے یہہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ سماع جائز ہے۔ لیکن چند شرائط کے ساتھہ ۔ اگر ان شرائط کو نظر انداز کیاجائے تو بے شک ناجائز ہوگا اور جن بزرگان دین نے بھی سنا ان شرائط کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ پروفیسر حقی نے بھی ان امور کے پیش نظر کچھہ نتائج مستنبط کئے ہین ان کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ کہتے ہین کہ " اسلام کسی فطری جذبہ کو فنا نہیں کرتا بلکہ اس کی اصلاح کرتا ہے اعتدال پرلاتا ہے۔ شعر خوانی یا غنا کا بھی یہی حکم ہے۔ اس کے جواز وعدم جواز کے متعلق حکم لگانے سے پہلے چند امور کا جاننا ضروری ہے۔ -

اولاً یہہ دیکھاجائے گا کہ شعر کا مطلب کیا ہے۔ اس سے کیا غرض وابستہ ہے اشعار کا گانے والا کون ہے۔ سننے والے کون ہین -

ظاہر ہے کہ اشعار مین اگر کفریہ کلمے ہون تو ان کا سننا قطعاً ناجائز ہے۔ گانے والی اگر کوئی بدچلن عورت ہے تو اس سننا بھی ناجائز ہے۔ بے تحقیق

کوئی حکم لگانا اہل علم کے شایان شان نہین - یہہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر شخص کی طبیعت یکسان نہین ہوتی - کسی کو گانا پسند ہوتا ہے کسی کو نہین۔ خود ایک شخص کی حالت ہمیشہ یکسان نہین رہتی - دراصل جس چیز سے خدا کی یاد پیدا ہو یا اس مین ترقی ہو وہ اچھی ہے اور جس چیز سے یاد الٰہی مین غفلت چھاجائے وہ بری ہے - کوئی حدی پڑھتا ہے تو اونٹ تیز چلنے لگتے ہین - چنانچہ ایک حدی خوان نے حدی سنائی تو قافلہ کے اونٹون کی رفتار مین سرعت حاصل ہوگئی - اس پر اس مین بیٹھی ہوئی عورتون کو تکلیف ہونے لگی تو حضور صلعم نے فرمایا " رویدک سوقک بالقواریر " - ان شیشون (یعنی عورتون صنف نازک) پر نرمی ملحوظ رکھو " -
(بخاری)

اب رہا مزامیر یا سازون کا معاملہ تو اس مین علماء کے درمیان اختلاف ہے - بعض تو مطلقاً تمام سازون کو حلال قرار دیتے ہین - جیسے عبدالغنی نابلسی اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی* اور بعض حلت کو صرف دف کے ساتھہ مختص سمجھتے ہین - مگر چونکہ دف وعود کا سننا حضور صلعم اور صحابہ سے ثابت ہے اس لئے قول اسلم یہی ہے کہ سب کے سب آلات سماع حرام نہین اور سب کے سب باجے حلال بھی نہین - کیونکہ ان کا حکم یہی جو حلال ہین نہ کسے

---

* اس کی تفصیل کے لئے دیکھو رسالہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی - مطبوعہ مطبع سعدی واقع حیدرآباد دکن -

بدل جانے سے بدل جاتا ہے چنانچہ " ردالمختار " میں بتلایا گیا ہے کہ آلات لہو بالذات حرام نہیں بلکہ قصد لہو سے (خواہ وہ قصد بجانے والے کا ہو یا سننے والے کا) یہ حرام ہوجاتے ہیں [۱۲])

سماع کے تین شرائط ہیں (۱) زمان (۲) مکان (۳) اخوان ۔

(۱) " زمان " یعنی وقت نماز کا وقت نہ ہو (۲) " مکان " یعنی مسجد نہ ہو بلکہ خانقاہ ہو ۔ (۳) " اخوان " یعنی قوال یا گانے والا شخص اجرت لینے والا نہ ہو اور حسین وخوبرو مرد نہ ہو [۱۳]) چنانچہ حضرت نظام الدین محبوب الہیٰ نے " فوائد الفواد " میں اس مفہوم کو زیادہ واضح کیا ہے آپ فرماتے ہیں

" چند چیز موجود شود سماع آنگاہ شنود آن چیز سمع است ومسموع و مستمع وآلہ سماع است ۔ سمع گویندہ است می باید کہ مرد تمام باشد وکودک وعورت نباشد ۔ اما مسموع آنچہ می گوید باید کہ ہزل نباشد واما سمیع آنکہ می شنود باید بحق شنود مملو باشد از یاد حق واما آلہ سماع وآن مزامیر است ۔ چون چنگ ورباب ومثل آن باید کہ درمیان نباشد اینچنین سماع حلال باشد "

وجد وسماع کے اقسام

وجدانی حالت سات قسم کی ہوسکتی ہے ۔

۱ ۔ نرمی قلب کی وجہہ سے عذاب دوزخ یا پرسش اعمال یا معصیت کے تصور پر

سماع سے کوئی آبدیدہ ہوجائے اور آہ وبکا کرنے لگے۔ اس کے لئے روحانیت اور سلوک کے بھی خاص مقام پر ہونے کی ضرورت نہیں - جو بھی انسان درد مند اور نیک ہوگا اس کے آنسو خود بخود جاری ہوجائینگے۔ کیونکہ سماع میں قلب کو متحرک کرنے کی ایک طاقت موجود ہے۔

۲۔ صوفی مبتدی جس کو ذوق وشوق پیدا ہوگیا ہو اس کے قلب میں عدم حصول مقصد کی وجہہ سے ایک حرارت ہے جلن ہے تو سماع کی وجہہ سے اس کی آتش شوق بھڑک اٹھتی ہے اور بہہ رونے اورشور مچانے لگتا ہے اور مدھوش ہوجاتا ہے۔

۳۔ وجدانی حالت کی تیسری قسم یہہ ہے کہ سالک کی نظر کھل جاتی ہے اور اس پر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے اور بے خود ہوجاتا ہے جمال لامتناہی کو دیکھہ کر بے چین ہوجاتا ہے - کبھی روتا ہے۔ کبھی ہنستا ہے مگر اس حالت کے لئے تزکیہ باطن ضروری ہے۔ کیونکہ جب دل پاک اور نورانی ہوجاتا ہے تب ہی اس پر انوار کا نزول ہوتا ہے۔

۴ - چوتھی قسم یہہ ہے کہ جب انسان فنا کے درجہ پر فائز ہوتا ہے فانی ز خویش باقی بحق ہوجاتا ہے تو وہ چیخ اٹھتا ہے۔

گنہہ آمد شہود ما سوی اللہ - ازین نوع گنہہ استغفراللہ

اب دوام حضور اس کا حال ہوجاتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ ہی سے سنتا ہے اور انہی سے جانتا ہے۔

امرکے بعد کی قسمین اعلیٰ مقامات سے تعلق رکھتی ھین - یہہ ایسے اسرار ھین جو سمجھائے نہین جاسکتے بلکہ محسوس کئے جاسکتے ھین -

بہرحال جب نفس کا تزکیہ ھوجاتا ھے اور روح اسرار اور انوار ربانی کا آئینہ بن جاتی ھے تو اس وقت وجد کی صحیح لذت حاصل ھوتی ھے اور سماع سے جو خاص حالت سالک پر طاری ھوتی ھے اس سے اور مقامات کھلتے چلے جاتے ھین۔ کبھی ایسا بھی ھوتا ھے کہ سماع سے برسون کی طاری شدہ حالت جمود دور ھوجاتی ھے اور سالک کہین سے کہین پہنچ جاتا ھے۔ چنانچہ ان مخصوص حالات اور عواقب کی بنا پر سماع مین بزرگان دین نے خاص احتیاط سے کام لیا ھے اور نااھل کو ھرگز سننے نہین دیا ھے۔ ایک دفعہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی خلوت مین سماع شروع ھوا - حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری - حضرت بدرالدین اسحٰق وغیرہ موجود تھے۔ مگر لذت نہ آئی - معلوم ھوا کہ ایک مہمان بھی مجلس مین موجود ھین جب یہہ چلے گئے تو وفور لذت سے حاضرین بیخود ھوگئے۔

حضرت شاہ عبدالقادر خان قادری سہروردی ایک عجیب المثال سالک گزرے ھین - کہا جاتا ھے کہ انہون نے چالیس برس عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی تھی اور ۲ دو گھنٹے فجر کے بعد سوتے تھے - کہتے ھین ان کے سامنے جاتے ھی لوگون کا قلب ذاکر ھوجاتا تھا۔ آپ خود سماع سنتے مگر مریدون کو سننے کی

کی اجازت نہین دیاکرتے- فرماتےکہ موسیقی خودایک سحر ہے- قلب مین جو بہی جذبات ہون ان کو یہہ مشتعل کردیتی ہے- اس سےعوام کی گمراہی کا اندیشہ ہے- اسلئے یہہ ہرایک کےبس کی بات نہین ہے[14]

حضرت شیخ جیلی اور سماع

حضرت شاہ ابوالمعالی قادری کابیان ہےکہ سیدنا غوث اعظم سماع سنا کرتےتہے شیخ عمر بزاز اورایک جماعت مشائخین نےبیان کیا ہےکہ ایک مرتبہ شیخ بقا شیخ علی بن ہیتی اور شیخ ابوسعید قیلوی حضرت غوث اعظم کی ملاقات کی غرض سےایک ساتہہ پہنچے - آپ نےحضرت شیخ بقا" کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ اے بقا" کچہہ کہو - انہون نےجواب دیاکہ " آپ کی بارگاہ مین کس زبان سے بول سکتا ہون " - پہر آپ نے شیخ علی بن ہیتی سے بہی خواہش کی - انہون نے بہی اسی قسم کا جواب دیا - اورعرض کیاکہ آپ خود ہی کچہہ ارشاد فرمائین - پہر آپ نےحضرت ابوسعید قیلوی سےخواہش کی - انہون نےمختصر ساکلام کیا اور پہر خاموش ہوگئے- اس کےبعد حضرت غوث اعظم نےگفتگو شروع کی - تو حاضرین پر وجد طاری ہوگیا - کچہہ لوگون نےسماع کی اجازت طلب کی - آپ نے اجازت مرحمت فرمائی - ایک شخص نے غایت مسرت اور خوش الحانی سے گانا شروع کیا - جونہی اس شخص کی زبان سےاشعار نکلنےلگے - آپ پر وجد طاری ہوا - اور آپ اس حالت مین کہڑے ہوگئے- اور گہومنے لگے-

پھر یکایک ھوا مین اڑنے لگے۔ اور نظرون سے غائب ھوگئے۔ بعد مین لوگون نے دیکھا تو آپ مدرسہ مین تشریف فرما ھین (15)

همچو مهر ومه بچرخ آن دلبر رعنا خوش است

کز سماعش رقصے درجان هـــر دانا خوش است

ایک مرتبہ کا واقعہ ھے کہ حضرت غوث اعظم سماع سن رھے تھے اورحالت وجد مین تھے۔ اسی حالت مین کسی نے ایک کاغذ آپ کے ملاحظہ مین پیش کیا۔ جس مین کوئی فقہی مسئلہ درج تھا ۔ آپ نے کاغذ نہ کھولا نہ پڑھا اور وجد کی حالت ھی مین " مسئلہ " کا جواب دے دیا (16)

تحفہ قادریہ مین بہجۃ الاسرار کے حوالے سے لکھا ھے کہ ایک مرتبہ ایک قاری نے حضرت غوث اعظم کے سامنے یہہ آیت پڑھی " لمن الملک الیوم " حضرت کو اس پر وجد آگیا اور آپ کھڑے ھوگئے۔ مجمع بھی کھڑا ھوگیا ۔ مگر آپ کے اشارہ کرنے پر مجمع بیٹھ گیا ۔ آپ بار بار فرمانے " من یقول الملک لی" محفل مین ایک بزرگ شیخ احمد صالح تھے۔ انہون نے کہا " مین کہتا ھون ملک میرا ھے کیونکہ ملک بھی میرا ھے" ۔ اس پر حضرت غوث اعظم نے نعــرہ مارا اور کہا " تو اس کا ھوچکا وہ تیرا ھے" ۔ اس پر ان بزرگ کی حالت دگر گون ھوگئی ۔ گریہ طاری ھوگیا ۔ صوف کا کالا کپڑا جو پہنے ھوئے تھے اتار پھینکا اور دیوانہ وار جنگل کی طرف چل دئیے (17)

حضرت شمس الدین قادری فرماتے ہیں کہ " وجد خانوادہ قادریہ میں بڑے سنجیدہ طریقہ پر ہوتا ہے اس کے مدنظر یہ سمجھنا ٹھیک نہیں کہ خانوادہ قادریہ میں سماع نہیں ہے۔[18]

حضرت شاہ مراد مارہروی لکھتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم سماع خود ضرور سنتے تھے مگر معلوم نہیں کن وجوہ یا مصلحتوں کی بناء پر حضرت نے اس کا رواج عام نہیں فرمایا ۔ غالباً اس لئے کہ یہ نہایت نازک اور لطیف شے ہے اور ہر چیز کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی اور ہر شخص اس کا اہل بھی نہیں ہوتا اور یہ نااہلی اس کے لئے بڑے نقصان کا سبب ہوسکتی ہے۔[19]

آداب سماع

حضرت غوث اعظم نے " غنیۃ الطالبین " میں لکھا ہے کہ فقیر کو چاہئے کہ گانا سننے کے لئے اپنے آپ کو عمداً تکلیف نہ دے۔ اگر اتفاقاً اس کا گزر مجلس سماع میں ہوتو ادب کے ساتھ بیٹھ جائے اور اپنے دل کو اپنے پروردگار کے ساتھ مشغول کردے اور جب کسی شیخ کی مجلس سماع میں حاضر ہوتو ہر صوفی کو سکون اور شیخ کی بزرگی کا خیال رکھنا لازم ہے۔ اگر اس پر کوئی امر غلبہ کرے تو بہ اندازہ غلبہ اس حرکت کو معلم رکھے۔ جب غلبہ دور ہوجائے تو سکون اور شیخ کی بزرگی کی نگہداشت کرنی لازمی ہے۔ اور فقیر کو چاہئے کہ پڑھنے والے کو

بھی ہدایت نہ کرے کہ وہ بجائے قرآن شریف کے غزلیں پڑھے۔ اس کے علاوہ قاری اور قوال سے دوبارہ پڑھنے کی خواہش نہ کرے۔ بلکہ اس کو اللہ کے سپرد کردے۔ اگر سامع صادق ہوگا اور تکرار میں اس کا علاج ہوگا تو اللہ تعالی اس کا انتظام کردے گا ۔ (۲)

کہتے ہیں کہ ہندوستان میں سماع کو کثرت سے پھیلانے والے بزرگ قاضی حمید الدین ناگوری قادری سہروردی ہیں ۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ غیبی طریقہ سے ان کو سماع سے آشنا کیا گیا اور وہ اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ آپ بلخ اور بخارا کی طرف سے ہندوستان آرہے تھے تو ایک سہانی صبح کو راستے میں ایک گھنے درخت پر آپ نے ایک پرند کو مست آواز میں گاتے سنا اور بے ہوش ہوگئے۔ اس روز سے آپ کے قلب میں ایک نئی لگن پیدا ہوگئی ۔ آپ دہلی پہنچے تو قطب الاقطاب حضرت قطب الدین کا آفتاب چمک رہا تھا ۔ سماع میں رونق تھی ۔ اور خاصا زور و شور نظر آنے لگا اور یہ عالم تھا

عشق آمد وگرد فتنہ بر جانم بیخت
صبرم شد و عقل رفت و دانش بگریخت
زین واقعہ ہیچ دوست دستم نگرفت
جز دیدہ کہ ہر چہ داشت در پایم ریخت

(۷) حضرت غوث اعظم کے تبلیغی و اصلاحی کارنامے

حضرت غوث اعظم بارھوین صدی عیسوی کی ایک نہایت عظیم المرتبت شخصیت
ھین اگر امام غزالی نے " علمی حیثیت " سے تصوف کو ایک مستقل فن بنانے کی
گران بہا خدمت انجام دی تو حضرت غوث اعظم نے " عملی حیثیت " سے اس تحریک
مین جان ڈالدی اورجس چیز کو مولانا ضیاء الدین برنی مصنف " تاریخ فیروزشاھی "
نے " فن شیخی " سے تعبیر کیا ھے اس کو حضرت غوث اعظم نے معراج کمال تک
پہنچادیا - آپ سے پہلے کسی بزرگ نے تصوف کو اسلام کے زرین اصولون کی اشاعت کا
ذریعہ اس طرح نہین بنایاتہا - ارشاد وتلقین کا جو ھنگامہ حضرت نے برپا کیا
وہ اسلامی تاریخ مین اپنی مثال نہین رکہتا ـ (۱)

حضرت کی بے پناہ مقبولیت کا یہہ عالم تہاکہ بقول حضرت عبدالحق محدث
دھلوی حاضرین کی تعداد ستر ستر ھزار تک پہنچ جاتی اور حضرت کی کوئی مجلس
ایسی نہ ھوتی جس مین یہود ونصاری شریک نہ ھوتے اور اسلام نہ قبول کرتے اور
قزاق اور بدعتی اورفساق بکثرت سے توبہ نہ کرتے ھون ـ (۲) ابن خلدون کے بیان
کے مطابق جب آپ نے بغداد مین وعظ ونصیحت کاسلسلہ شروع کیاتو یہہ وہ وقت تہا
جب سیاسی کش مکش عام تہی اورسلطان محمود اورخلیفہ مسترشد کے درمیان
رسہ کشی جاری تہی اور کوئی پائیدار حکومت نہ تہی دونون طرف کے لوگ اپنے سیاسی

اور شخص جھگڑوں کے بیچ میں مذہب کو کھینچ لاتے تھے اور ایک ہنگامہ برپا تھا۔ شدید خون ریزی کے بعد جب خلیفہ مسترشد نے امن چاہا تو سلطان محمود نے بھی جو اس کشمکش سے تنگ آگیا تھا رضامندی کا اظہار کیا چنانچہ محمود ہمدان کے لئے روانہ ہوگیا اور خلیفہ مسترشد نے اپنے وزیر ابوالقاسم کو گرفتار کرلیا اور شرف الدین ابو شیروان کو اس کی جگہ مقرر کردیا ۔(۳)

ایسے خطرناک حالات میں بھی حضرت نے کبھی خلیفہ وقت یا قاضی زمان کا لحاظ نہیں کیا اور ہمیشہ حق ہی پر مستقل چٹان کی طرح جمے رہے حالانکہ آپ تن تنہا تھے اور کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا۔ مگر آپ نے ان حکمرانوں کو غلطیوں اور برائیوں پر سختی سے ٹوکا ۔ آپ کے اس عمل سے ممکن تھا کہ خلیفہ آپ کو اپنا دشمن سمجھ لے یا اپنے مخالفین کی جماعت کا ایک فرد قرار دے لے ۔ لیکن آپ نے ان تمام چیزوں کا خیال کئے بغیر انتہائی جرات اور ہمت سے اپنا کام جاری رکھا۔ چنانچہ حافظ عمادالدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آپ خلفاء وزراء سلاطین اور عوام سب ہی کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرات کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں بر سر منبر ٹوک دیتے اور جو کسی ظالم کو حاکم بنایا جاتا تو اس پر فوراً اعتراض کرتے اور خدا کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ کو پرواہ نہ ہوتی ۔ جب خلیفہ مقتفی لامراللہ نے قاضی ابوالوفا یحیٰی بن سعید بن یحیٰی بن المظفر کو قاضی بنایا جو اپنے ظلم کے باعث

مشہور تھا تو حضرت نے منبر پر خلیفہ کو مخاطب کرکے فرمایا " تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے جو " اظلم الظالمین " ہے کل کو قیامت کے دن تم اس رب العالمین کو جو (وارحم الراحمین ہے) کیا جواب دوگے۔" مورخ موصوف بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ یہہ سن کر کانپنے لگا تھا اور اس پر گریہ طاری ہوگیا اور اس وقت قاضی کو اس عہدہ سے برطرف کردیا ۔(۴) آپ ان علماء اور مشائخین پر بھی سخت تنقید فرماتے جو لالچ یا حکومت کی خاطر کتمان حق کیا کرتے چنانچہ آپ کے اصلاحی مشن کا اندازہ آپ کے حسب ذیل خطاب سے ہوگا ۔

" اے علم اور عمل میں خیانت کرنے والو تم کو ان سے کیا نسبت اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو اے بندگان خدا کے ڈاکوؤ تم جس نفاق میں مبتلا ہو یہہ کب تک رہے گا اے عالمو اور اے زاہدو شاہان وسلاطین کے لئے کب تک منافق بنے رہوگے ان سے دنیا کا زرومال اور اس کی شہوات ولذات لیتے رہوگے تم اور اکثر بادشاہ اس زمانے میں اللہ تعالی کے مال اور اس کے بندوں کے حق میں ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں ۔ بار الہا منافقوں کی شوکت توڑدے اور ان کو ذلیل فرما ۔ ان کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما اور زمین کو ان سے پاک کردے یا ان کی اصلاح فرما" (۵) آپ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک یہ دو صفات اپنے اندر پیدا نہ کرلے کوئی شخص مسند ولایت پر قدم نہ رکھے۔

ایک عیب پوشی دوسرے رحم دلی تو خدائے تعالی سے سیکھے۔

تیسرے شفقت اور چوتھے رفاقت حضور صلعم سے سیکھے۔

پانچوین راستی اور چھٹے راست گوئی صدیق اکبر سے۔

ساتوین نیکی کی ھدایت کرنا اور آٹھوین برائی سے روکنا حضرت عمر سے۔

نوین شبیبداری اور دسوین اطعام مساکین حضرت عثمان سے۔

گیارھوین عالم ھونا اور بارھوین شجاعت وجوانمردی حضرت علی سے سیکھے ۔ [6]

چنانچہ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا " اسلام رورھا ھے ان فاسقون بدعتیون گمراھون اور مکر کے کپڑے پہننے والون اورایسی باتون کا دعوی کرنے والون سے جوان مین موجود نہین ھین اپنے متقدمین اور نظر کے سامنے والون کی طرف غور کرو کہ وہ امرونہی بھی کرتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے اوریکایک ایسے ھوگئے کہ پیدا بھی نہ ھوئے تھے۔ تیرا دل کس طرف ھے کتا بھی تو شکار کرنے اور کھیتی اور مویشی کی نگہبانی کرنے مین اپنے مالک کی خیرخواھی کرتا ھے اور اس کو دیکھ کر خوش ھوتا ھے حالانکہ وہ اس کو شام کے وقت ایک دو نوالے یا ذراسی مقدار مین کھانا دیا کرتا ھے۔ اور تُو تو ھروقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتین شکم سیر ھوکر کھاتا رھتا ھے مگر ان نعمتون کے دینے سے جو اس کو مقصود ھے نہ اسکو پورا کرتا ھے اورنہ اس کا حق ادا کرتا بلکہ اسکا حکم رد کرتا ھے اوراس کی حدود شریعت کی حفاظت نہین کرتا" [7]

ان انقلاب انگیز مواعظ اورارشادات کا نتیجہ یہہ ھوا کہ نہ صرف بغداد بلکہ دور دور تک لوگون کی عظیم روحانی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح ھونے لگی ۔ چنانچہ حضرت شیخ عفیف الدین بغدادی لکھتے ھین کہ سنہ ۵۱۱ ھجری سے

سنہ ۵۲۱ ہجری تک مسلسل سفر کرنے کے بعد انہوں نے یہہ اندازہ کیا کہ حضرت غوث اعظم کی ہدایت کا اثر بسطام نیشاپور تبریز ہمدان اصفہان موصل شیراز کرمان القطیف حلب قیساریہ انطاکیہ دمشق اور اسکندریہ تک پہنچ گیا ہے۔ شیخ ابو نعیم بغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم نے اپنے روحانی اثرات سے کام لے کر اصلاح وتربیت کا ایک وسیع نظام قائم کر دیا تھا۔ آپ اپنے خلفاء کو دور دور تبلیغ و اشاعت کے لئے روانہ کر دیا کرتے تھے۔ اس تبلیغی نظام کی نگرانی صاحبزادہ عبدالجبار کرتے تھے۔ بغداد کا یہہ عظیم المرتبت داعی معرفت جب اسلامی علاقوں میں پہنچا تو بڑے بڑے عالموں نے گردنیں جھکا دیں ۔[8]

حضرت کی اصلاح کا نتیجہ یہہ ہوا کہ تصوف ترک دنیا کا نام نہیں رہا۔ لیکن سادگی فقر وفاقہ اور صبر کو برقرار رکھا گیا تھا ۔ خانقاہیں مسجدیں لنگرخانے قائم کئے گئے اس سے امرا اور وزرا بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اچھا کھانے اور اچھا پہننے کی اجازت بھی دیگئی اور اس طرح آپ کے زمانے میں صوفیا بالکل حضور صلعم اور صحابہ کی زندگی کا نمونہ بن گئے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا خود بری نہیں مگر اس کو دل میں جگہہ نہ دی جائے۔ ہمارے حضرت خود بھی قیمتی لباس زیب تن کرتے ۔ آستانے پر سلاطین اور امراء کا ہجوم رہتا ۔ وعظ رشد وہدایت اور تبلیغ کی سرگرمی رہتی ۔ آپ کے خلفاء میں حضرت شہاب الدین سہروردی اور ان کے خلیفہ حضرت بہاوالدین ذکریا ملتانی اور ان کے فرزند کروڑوں روپیوں کے مالک تھے

لیکن یہہ سب خدمت خلق پر خرچ ہوتے۔ حضرت کا اصل مشن یہہ تہا کہ انسان
کو گناہ سے بچایا جائے۔ چنانچہ آپ کا ہردن اس خدمت مین خرچ ہوتا اور رات
عبادت وریاضت مین بسر ہوتی ۔ آپ کی تعلیم یہہ تہی کہ کسی وقت بہی خدا سے
غافل نہ ہو اور شریعت سے ذرہ برابر بہی دوری نہ ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ
شہاب احمد کا بیان ہے کہ آپ کے ہاتہہ پر اس قدر کثرت سے لوگون نے توبہ کی
جس کا شمار نہین اور آپ زندگی بہر توبہ واستغفار اور عبادت کی تلقین کرتے
اور لوگون کو عذاب الہی سے ڈراتے رہے۔ آپ کے خلفاء اس قدر کثرت سے ہوئے اور
انہون نے ایسی عظیم الشان اصلاحین کین جن کی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔ آپ
کے مشاہیر خلفاء کی تعداد ہی سو تک پہنچ گئی تہی ۔ ان حضرات نے دنیا کے
طول وعرض مین قادریہ سلسلہ روحانیت کو ترقی دی اور اسلام کی اشاعت کی ۔[۹]
چنانچہ آپ کی مشن کی کامیابی کے متعلق پروفیسر ہٹی (Hitti) نے لکھا ہے
کہ حضرت غوث اعظم کا سلسلہ بہت زیادہ قابل برداشت اور سہولت آمیز اصولون کے
ساتہہ ایک مختصر طریقہ تہا چنانچہ تقریباً ساری مسلم دنیا مین بشمـــول
الجیریا جاوا اور گینیا اس کے پیرو موجود ہین ۔[۱۰] اس کی وجہہ یہہ ہے کہ
حضرت نے دعوت وتبلیغ کے لئے ایسے داعی مقرر کئے تہے جو دماغی قابلیت کے ساتہــہ
روحانی کیفیت بہی رکہتے تہے ۔ اورجن کو حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات گرامی سے بے حد والہانہ عشق تہا جن کی درد مین ڈوبی ہوئی اذانین

صبح کے روح افزا جھونکوں کے ساتھہ اونچے اونچے محلوں میں پہنچ جاتیں اور سامعین کے دلوں کو منور کردیتیں - بہرحال انہوں نے تربیت قلوب اوراصلاح خلق کے فرض کو نہایت شاندار طریقوں سے انجسام دیا -(۱۱)

حضرت غوث اعظم اکثر فرمایاکرتے تھےکہ میں چاھتا ھوںکہ دوزخ کے دروازے بند کردئیے جائیں اور ساری انسانیت کے لئیے جنت کے راستے کھول دی جائیں - اس کو حضرت کا تصوف کہاجائے یا حضرت کی بے پناہ محبت کا جذبہ مگریہہ ایک حقیقت ھےکہ حضرت کی حیثیت ایک ایسے صوفی اور مصلح کی تھی جو کائنات انسانی کی نبض پر ھاتھہ رکھے ھوئے ھو اوراس کو راہ راست پر لگانے کے لئیے بے چین نظرآتا ھو- ایمان زبان سے اقرار اورعمل سے شہادت کا نام ھے اس لئیے کوئی بات بغیر عمل کے قبول نہیں کی جاسکتی اور کوئی عمل بغیر خلوص نیت کے قبول نہیں ھوسکتا - اور ھر اچھے اورنیک عمل کا مقصد خدا کے قرب کا حصول ھوناچاھئیے -(۱۲)

آپ فرمایا کرتےکہ " اگر حج روزہ زکواۃ اور دوسرے نیک عمل تم کو خدا سے دور کرتے ھیں تو یہہ تمہارے لئیے مصیبت ھیں - افسوس ھےتم پر اگر تم دن میں خوب کھانا کھاتے ھو اورتمہارا پڑوسی فاقہ سے ھو- تمہارا ایمان مکمل نہیں اگر تم دوسرے کے لئیے بھی وھی نہ چاھو جو تم اپنے لئیے چاھتے ھو - اور تمہارا ایمان جب بھی مکمل نہیں جب تمہارے پاس تمہاری ضروریات سے زیادہ کھانے کا انتظام ھو اور ایک ضرورت مند خالی ھاتھہ گذرجاتا ھو " قسمت پر اندھا بھروسہ کرنے والوں

اور قسمت پر کوانہ تکیہ کرنے والون کو آپ کہتے " تم کو تقدیر سے کیا کرنا ہے کوشش تم کرو اور باقی اللہ پر چھوڑ دو " [۱۳] اس طرح آپ نے عمل پیہم کی دعوت دی اور لوگون کے دلون کو خوف وہراس سے خالی کر دیا ۔ اور صرف خدا سے ڈرنے کی تلقین کی ۔ فرمایا کہ " انسان کہتا ہے کہ خدا صرف ایک ہے مگر وہ ہزارون چھوٹے چھوٹے خداون کو دل مین بٹھائے ہوئے ہے۔ اور ان کو نفع وضرر کا مالک سمجھتا ہے اور یہہ شرک ہے" اس شرک کی آپ نے بیخ کنی کی ۔ شرک ناقابل معافی جرم ہے۔

ان اللہ لا یغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشــــــاء ۔
(پ ۵ ع ۴)

اللہ تعالی شرک کو نہ بخشینگے مگر اس کے سوا جتنے گناہ ہون گے جس کو چاہینگے بخش دینگے ۔

شرک سے زیادہ اور کوئی نجاست نہین اور حقیقت مین یہہ خدا کی شان کے خلاف سخت گستاخی ہے۔ افسوس ہے کہ اس وقت بھی ہماری قوم اس نجاست مین مبتلا تھی اور آج بھی ہے اور یہہ اس کی سخت تباہی کا باعث ہے۔ اس قوم کے پاس سب سے پیاری چیز توحید ہی تو ہے اگر وہ بھی خالص نہ رہی تو پھر کیا رہا ۔ بہرحال اس برائی کو حضرت نے شدت سے مٹایا ۔ آپ نے لوگون سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ لوگ بے وقوف ہین جو خدا کو چھوڑ کر دوسرون سے مانگتے ہین ۔ آپ نے قوم مین ایک حرکت پیدا کی اور جمود کو توڑا اور فرمایا جو یہہ کہتے ہین

کہ جب سب کچھہ تقدیر سے ہے تو پھر کام کرنے کی کیا ضرورت ہے ایسے لوگ سست اور نااہل ہین ۔ آپ فرمایا کرتے کہ ایک لمحہ کی صحیح فکر رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ " ایمان چار چیزون سے برباد ہوجاتا ہے ایک یہہ کہ آدمی اپنے علم پر عمل پیرا نہ ہو دوسرے اس کلم کو کہے جس کو وہ جانتا نہ ہو تیسرے وہ چیز نہ سیکھے جس سے ناواقف ہے ۔ چوتھے لوگون کو صحیح علم کے حصول سے روکے" آپ کا ارشاد ہے کہ " ساری روحانی اصلاح کا دارومدار قلب کی پاکیزگی اور اصلاح پر ہے" اس ارشاد کی بنیاد بخاری کی یہہ حدیث ہے " الا ان فی جسد بنی آدم مضغۃً اذا صلحت صلحت الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب " آپ کہتے حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ " ان لوگون کا دین جلا گیا جنہون نے امرا کی عزت ان کی دولت کی خاطر کی" اس لئے انسان کو کسی چیز کی طرف میلان قلب نہ ہونا چاہئے [14] حضرت کا تصوف جیسا کہ مارگولیتھہ نے کہا ہے" اصلاح وتزکیہ کے ہر دوسرے طریقے کا نعم البدل تھا ان مذہبی جذبات مین اشتعال پیدا کرنے کا موثر ذریعہ تھا" [15] حضرت کی گرانمایہ تصانیف فتح الربانی اور فتوح الغیب سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کا منشا' ومقصود یہہ تھا کہ انسان کو اس کا صحیح مقام اور اس کا صحیح کام بتادیا جائے اور انسان مین وہی کردار پیدا کیا جائے جو خود حضور صلعم نے صحابہ مین پیدا کیا تھا ۔ چنانچہ سینکڑون گمراہون کی آپ نے اصلاح کی اور ان

کو صحیح واسته بولگادیا - ڈرگو لینهه لکھتا هےکه " جس طرح آج کل بهی بڑے بڑے
مشن کے صدور کو رقم بهیجی جاتی هےاسی طرح اس زمانےمین بهی کهر رقم آپ کے
پاس بهیجی جاتی تاکه آپ مستحقین مین تقسیم کرد ین اورحضرت کا نظریه یه
تها که ایسی رقومات مستحق اور غیرمستحق دونون کو ملنی چاهئین - یهه تقسیم
حضرت کاایک ذیلی عمل تها- اور یهه رعایت صرف ان لوگون کےلئے آپ نےجائز
رکھی تهی جن کو بد دیانت طریقون سےآپ نجات دلارهےتهے"(۱٦)

عبدالله ابن عابد حسن الجبار بیان کرتےهین که حضرت غوث اعظم نےان سے
کہا که " خدا نےمیرے ذریعے مخلوق کی اصلاح چاهی هے- ایک لاکھه سے زائد
ڈاکوون اور رهزنون نےمیرے هاتهه پر توبه کی اورحقیقت مین یهه بڑاکام هوا هے"(۱۷)
اس طرح حضرت کا منشا اورمشن یهه تها که لوگون کو پهر صحیح اسلام کی
راه پر لگایاجائے اور شرو عصیان کو دور کیاجائے اور ان کو حرام کی کمائی کسے
سب ذریعون سے قطعاً روک دیاجائے- آپ نےبغداد مین اصلاح عام کےلئے وهی
کیا جو آج کے جدید شهرون مین اخلاقی انجمنین یا (Salvation Army)
(سالویشن آرمی) وغیره کیا کرتی هین اور اس طرح بغداد مین ایک عظیم
اصلاحی کام تو صرف مجرمین مین هوا اور موجوده اصلاحی انجمنون کی طرح آپنے
نه صرف ان کو اخلاقی اورمادی فیض پهنچایا بلکه روحانیت سےبهی سرفراز کیا-(۱۸)

مولانا ابوالحسن صاحب ندوی آپ کےاصلاحی کارنامون کی بابته لکھتےهین

کہ " دین کے مخلص داعیون نے اپنے اپنے وقت احیا وتجدید دین اور اصلاح المسلمین کا کام کیا اور لاکھون بندگان خدا کو حقیقت ایمان اور درجہ احسان تک پہنچادیا اس سلسلہ زرین کے سرحلقہ اور گل سر سبد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ھین ۔ جن کا نام اور کام اس طب نبوی کی تاریخ مین سب سے زیادہ روشن اور نمایان ھے ۔ اور اصلاح اور تربیت کا اس سے زیادہ سہل اور عموم اور اس سے زیادہ موثر اور کارگر ذریعہ نہین ھوسکتا تھا جو اس انتشار کے دور مین حضرت نے انجام دیا " ۱۹)

حضرت نے فرمادیا تھا کہ مین ایسے لوگون کو پسند کرتا ھون جن مین حسب ذیل صفات ھون :-

(۱) وہ اپنے ھاتھہ سے کمائین نہ کہ مذھب کے ذریعے یا خدا ترسی کے ذریعے ۔

(۲) دنیا سے ضرورت کی حدتک مستفید ھون مگر ان کے دل اس مین نہ لگین ۔

(۳) حریص اور لالچی نہ ھون ۔

(۴) محنت اور راست بازی سے کام کرین اور اللہ پر بھروسہ کرین کیونکہ وھی کام خدا کے نزدیک قابل قبول ھے جو خلوص سے ھو اور سوا اللہ کے کسی کے لئے نہ ھو ۔ ۲۰)

اس طرح حضرت کا مقصد یہہ تھا کہ عام لوگ اور خاص طور مذھب کی تجارت نہ کرین اور اس کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنالین جس طرح آج کل لوگون نے اس کو بنالیا

ہے اور موجودہ دور کا یہی سب سے بڑا المیہ یہہ ہے کہ مذہبی رہنما خود مذہب کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں اور اس طرح انسانیت کو بربادی کے راستے پر لیے جا رہے ہیں اور اپنی معاشی خوش حالی اور لوگوں کی خوشنودی کی خاطر حق کو پردوں میں مستور رکھے جا رہے ہیں - ایسے لوگوں کی حضرت نے اس وقت بہت شدت سے مخالفت کی اور ضرورت ہے کہ آج بھی اسی شدت سے ان کے مقابلے کے لئے کوئی غوث ثانی پیدا ہو -

حضرت نے حریص اور طامع لوگوں کو قطعاً ناپسند فرمایا تاکہ لوگوں میں قناعت کا جذبہ پیدا ہو اور کسی قسم کی دولت یا حکومت یا عہدے کی حرص باقی نہ رہے جو انسان کو حیوان بنا دیتی ہے- فرمایا کہ " دنیا میں رہو تو ضرورت کی حد تک اس سے مستفید ہوتے رہو مگر خدا یا دنیاوی لذات کی چکر میں نہ پڑجانا "- اور خلوص و محنت سے کام کرنے کی تلقین فرمائی - اور دوسروں پر بھروسہ کرنے کے بجائے صرف خدا پر بھروسہ کرنے پر اصرار کیا - اس طرح انسانی کردار کو بلند کرنے کے لئے حضرت نے اپنی ساری توانائیاں صرف کیں - چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ " فن تصوف کو اتنی عمومیت اور وسعت مقبولیت اور عظمت آپ ہی کی سعی اور کوششوں کی بدولت ہوئی - آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقے (قادریہ) سے فائدہ اٹھاکر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور آپ کے بعد آپ کے مخلص

خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ
اور تجدید ایمان کا یہہ سلسلہ جاری رکھا جس سے فائدہ اٹھانے والوں کی
تعداد اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں بتلا سکتا ۔ یمن حضرموت اور ہندستان
میں پھر حضرمی مشائخین اور تاجروں کے ذریعہ جاوا اور سماٹرا میں یہی سلسلہ
لاکھوں آدمیوں کے تکمیل ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کا
ذریعہ بنا ۔ (۲۱)

(۸) ہندستان اورپاکستان مین قادری فیضان

حضرت شاہ ابوالمعالی لکھتے ہین کہ حضرت غوث اعظم بہ اوقات مختلف چودہ علوم کا درس دیا کرتے تھے۔ آپکو ان تمام علوم پر دسترس حاصل تھا۔ صبح سے لیکر زوال تک تو تفسیر وحدیث کا درس ہواکرتاتھا۔ قرآن کے معانی ومطالب کی تعلیم ترجمے کیساتھہ ظہر کے بعد فقہ اصول ادب وغیرہ دوسرے اوقات مین (۱)

آپ کے بہت سارے شاگرد اورخلفاء اس طرح تربیت پاکر مختلف ممالک نکل گئے اور دنیا کے تقریباً ہرحصے مین پھیل گئے۔ چنانچہ ہندستان افغانستان ایران ترکی چین شام مصر حجاز آرمینیا ایشیائے کوچک فلسطین بحرین عراق نجد طرابلس الجیریا تیونس مراکش اسپین اورافریقہ وغیرہ اس مین شامل ہین اوراس طرح قادری عظمت کا سکہ ان تمام ممالک مین ان طلباء رفقاء اور مریدین کی وجہہ سے بیٹھہ گیا (۲)

اس کے علاوہ آپ کی اولاد اور احفاد نے ایشیا اورافریقہ مین بھی سلسلہ اصلاح جاری کیا اور وہان عظیم الشان خدمات انجام دیا ۔ ان مین سے بعض کا تذکرہ ہم یہان ضروری سمجھتے ہین ۔

۱۔ سید محمد غوث گیلانی (وفات سنہ ۹۲۳ ہجری)

آپ حضرت غوث اعظم کے صاحبزادے حضرت عبدالوہاب کی اولاد سے ہین

حلب میں پیدا ہوئے اور حج کے لئے روانہ ہوکر اکثر ممالک کا دورہ کرتے ہوئے ہندستان وارد ہوئے۔ کچھہ حصہ ناگور میں قیام کیا ۔ وہاں ایک مسجد تعمیر کرائی ۔ پھر لاہور کا رخ کیا کچھہ عرصہ قیام کے بعد والد ماجد کی ملاقات کی غرض سے حلب تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے والد سے ہندستان میں قیام کی اجازت چاہی ۔ انہوں نے چند روز انتظار کرنے کی ہدایت فرمائی ۔ چند ہی دن بعد والد کا انتقال ہوگیا۔ جس کے بعد آپ اوچ تشریف لائے اور ہدایت خلق کا کام شروع کیا۔ سلطان سکندر لودھی آپ کا مرید ہوگیا ۔ آپ کی ذات بابرکات سے ہندوستان میں فیضان قادریہ جاری ہوا۔ ہزاروں اشخاص مرید ہوئے۔ شعر فرماتے تھے۔ قادری تخلص تھا (۳)

۲- میر سید شاہ فیروز (وفات سنہ ۹۳۳ ہجری)

آپ کے جد امجد بغداد سے دہلی تشریف لائے تھے اور ہندستان کی سیر کرنے کے بعد لاہور میں قیام فرمالیا۔ جب آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے تو مختلف طریقوں سے قادری فیض کا دریا بہادیا۔ تمام دن حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتے اور رات کو طالبان حق کی تعلیم میں مصروف رہتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شام تک وعظ فرماتے۔ آپ اپنے دادا شاہ عالم کے مرید تھے اور ان کا سلسلہ حضرت غوث اعظم صاحبزادے سید عبدالوہاب سے جاکر مل جاتا ہے۔ ان کا مزار پرانوار تکیہ ڈنڈی گران شہر لاہور میں واقع ہے۔

۳- مخدوم سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث حسنی حلبی اوچی

آپ سنہ ۸٦۲ ہجری میں متولد ہوئے اور سنہ ۹۴۰ ہجری میں وفات پائی ۔ آپ عجیب وغریب قوتوں کے حامل تھے ۔ جس پر آپ کی نظر پڑجاتی وہ کیسا ہی متعصب کافر ہوتا ۔ مسلمان ہوجاتا ۔ اگر فاسق ہوتا تو تائب ہوجاتا ۔ آپ کی ولایت " ولایت غوثیہ " تھی ۔ اسی وجہہ سے عبدالقادر ثانی کے نام سے شہرت پائی ۔ ابتدا' میں نہایت دولت مند تھے لیکن جب صاحب سجادہ ہوئے تو سب کچھہ ترک کردیا ۔ سماع سے بھی پرھیز کیا ۔ اپنے مریدوں کو بھی اس سے منع فرمایا کرتے ۔ لیکن اگر کبھی سماع کی آواز کان پڑجاتی تو روتے سردآھیں بھرتے اور بیتاب ہوجاتے ۔

ملتان میں ایک بار طاعون پھیلا ۔ تمام لوگ تنگ آگئے ۔ مگر جو کوئی آپ کے وضو کی جگہہ کی گھاس گھونٹ کر پیتا شفا پاجاتا ۔ آپ کی عمر شریف ۷۸ سال تھی اور مزار پرانوار اوچہ مبارک میں واقع ہے(۲)

۴- حضرت شیخ ابو اسحق قادری اور
۵- حضرت سید میران بن مبارک ۔

یہہ دونوں بزرگ شہر لاہور میں ہدایت خلق میں مصروف رہے ۔ ہزاروں نے بیعت کی اور اس طرح ان کا ظاہری اور باطنی فیضان جاری رہا ۔

حضرت ابو اسحق نے سنہ ۹۸۵ ہجری (پانچویں محرم) میں انتقال فرمایا اور

۹۸۶ھ
اپنے جائے قیام محلہ پیر عزیز نیرنگ مین مدفون ہوئے اور حضرت میر میران نے سنہ

مین انتقال کیا اور لاہور مین مافوق گورستان میانی مدفون ہوئے۔

۶۔ حضرت شاہ بدر گیلانی (وفات ۱۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۰۱۸ ھ)

آپ پنجاب کے اولیائے کاملین مین سے ہین اورچند واسطون سے حضرت غوث اعظم سے آپ کا سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔ اکبر اعظم کے عہد مین لاہور تشریف لائے۔ پنجاب مین عام طور پر شہرت پائی اور ہزارون افراد آپ کے مرید ہوئے۔ بزمانہ حکمرانی جہانگیر بادشاہ رحمت حق سے پیوست ہوکر موضع سائیان علاقہ نہالہ مین مدفون ہوئے جہان آپ کا مزار زیارت گاہ مخلوق ہے۔

۷۔ حضرت سید خیرالدین ابوالمعالی (وفات ششم ربیع الاول ۱۰۲۴ ھجری)

آپ ششم ماہ ذلحجہ سنہ ۹۶۰ ھجری مین متولد ہوئے تھے اورصاحب کرامات ولی لاثانی اورصحیح النسب سادات کرمانی سے ہین آپ نہایت متقی بزرگ تھے۔ مصنف اورصاحب دیوان بہی تھے۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم اور سلسلہ قادریہ کے متعلق مشہورو معروف کتاب " تحفہ قادریہ " آپ ہی کی تصنیف ہے۔ جس سے ہزارون افراد نے استفادہ کیا ہے۔ پیشگاہ پیر روشن ضمیر سے بعد عطائے خرقہ خلافت جب بہ سمت لاہور ماموری علی مین آئی تو شیر گڑہ سے لاہور مین آکر مقیم ہوگئے۔ راستہ مین جہان بہی ٹہہرتے باغ ۔ تالاب ۔ عمارتین تعمیر کرتے جن مین سے اکثر آج تک بہی

موجود هین - لاهور مین هزارون افراد نے بیعت کی۔ آپ کی ایک کرامت یہہ تھی جو آپ سے بیعت هوتا اسی شب یا تو رسول مقبول صلعم کی زیارت سے مشرف هوتا یا غوث پاک کی زیارت سے - اس کرامت کی وجهہ سے بہی سینکڑون لوگ آپ کی طرف متوجہہ هوئے اور اخذ فیض کیا - سنہ ۱۰۲۲ هجری مین لاهوڑی مین وصال هوا اور بیرون موتی دروازہ آپ کا روضہ مطہر واقع هے۔

۸۔ حضرت سید شیخ عبداللہ بہتی (وفات سنہ ۱۰۳۷ هجری)

اولاد غوثپاک سے تھے۔ طریقہ غوثیہ قدسیہ کے پابند تھے - بغداد سے نکل کر هندستان تشریف لائے - یہین علوم کی تحصیل کی اور دهلی کے قرب وجوار مین مقیم هوگئے آپکا وجود هزارون کے لئے باعث هدایت ثابت هوا۔ هزارون نے آپ سے بیعت کی۔ رشد واصلاح خلق کا یہہ عالم تھاکہ جب تک آپ زندہ رهے کبہی اس موضع مین چوری یا کوئی اور ظلم نہین هوا۔ ایک سو سال کی عمر مین آپ نے انتقال کیا اور موضع بہتسہ مین دریائے جون کے کنارے مدفون هوئے۔ همیشہ باوضو اور مستغرق مراقبہ رهتے تھے۔ آپ سے کرامات - خوارق عادات کثرت سے ظاهر هوئے[۵]

۹ - حضرت شیخ محمد میر مشہور بہ میان میر بالا پیر قادری لاهوری۔

آپ بمقام سیوستان سال سنہ ۹۵۷ هجری مین متولد هوئے۔ زاید از ساٹھہ سال لاهور مین مقیم رہ کر بروز سہ شنبہ بتاریخ هفتم ربیع الاول سنہ ۱۰۴۵ هجری بعد نماز ظہر بعمر ۸۷ سال بعہد شاہ جہان وفات فرمائی - حضرت عمر فاروق

کی اولاد سے ھین - مشائخ عظام مین شمار ھوتا ھے۔ اورحضرت خضر سیوستانی قادری کے خلیفہ تھے۔ داراشکوہ نے بھی آپ کا تفصیل سے ذکر لکھا ھے۔ پنجاب کو مرکز ھدایت قرار دے کر وسیع پیمانہ پر کام شروع کیا۔ آپ کو براہ راست حضرت غوث اعظم سے فیض حاصل تھا۔ علوم ظاھر وباطن مین یگانہ روزگار تھے۔ فضلائے زمانہ آپ کے سامنے بات نہ کرپاتے تھے۔ اس زمانے مین نور جہان کے اثر سے شیعیت پھیل چکی تھی۔ اس نے ایران سے بھی مجتہد بلوائے تھے - اور چاھتی تھی کہ شہنشاہ جہانگیر بھی یہی مسلک اختیار کرلے مگر آپ کی کوششون سے ایرانی مجتہدین کی کوششین ناکام ھوئین اور ھندوستان ایک عظیم ھنگامے سے بچ گیا - شاہ جہان نے آپ کو (۵۰) ھزار کی نذر پیش کرنی چاھی - مگر آپ نے قبول نہ کی - آپ کے ھاتھ پر ھزارون لوگ مسلمان ھوئے اور آپ کی مزار پرانوار لاھور مین زیارت گاہ خاص و عام ھے ۔(٦)

۱۰۔ حضرت شیخ شاہ محمد ملا شاہ قادری (سال وفات ۱۰٦۹ ھجری)

آپ کا مولد وموطن موضع ارکسان اقلیم بدخشان ھے۔ صغرسنی ھی مین تلاش حق مین وطن سے نکل کر کشمیر پہنچے - تین سال تک وھان رہ کر لاھور ھوتے ھوئے آگرہ آئے۔ وھان حضرت میاںٔ میر بالا پیر کی شہرت سنی اور لاھور تشریف فرما ھوئے اورمیان میر لاھوری کی بیعت سے سرفراز ھوکر بعد مجاھدہ وترک دنیا ان کے خلیفہ اعظم کی حیثیت سے شرف اندوز ھوئے صاحب حال وقال تھے۔

سات برس تک تمام شب بلاناغہ حبس دم کے ساتھہ ذکرخفی کیااورسلطان الاذکار بھی کیاکرتے تھے۔ کہتے ھین حضرت میان میر نے آپ کو خاص طور پر کشمیر مین مامور کیاتھا ۔ مخلوق کثرت سے رجوع ہوئی ۔ جو شیعہ کشمیری تھےوہ آپ کے دشمن تھے۔ آمادہ بحث ہوتے مگر جو سامنے آیا تائب ہوا۔ اس طرح ہزارون بد دین راہ راست پر آگئے جس کو چاہتے چشم ظاہر سے دیدار حضور صلی اللہ علیہہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین اور حضرت غوث اعظم کا کروادیتے۔ کشمیر مین آپ کے مرید کثرت سے تھے ۔ چنانچہ کشمیر مین آج مسلمانون کی کثرت آپ جیسے بزرگون ھی کی کوششون کا نتیجہ ھے۔ داراشکوہ نے لکھا ھےکہ مسئلہ توحید کے سلسلے مین اس کو سخت مشکل پیش آئی ۔ مگر خوف کی بناء پراس کو حضرت کے سامنے عرض نہ کرسکا۔ ایک بار اس نے توجہ روح پرفتوح حضرت سید عالم کی طرف کی تو ارشاد ہواکہ اللہ جل شانہ قادر مطلق ھے جو چاھتا ھےکرتا ھے۔ مومن بندون کو اپنا دیدار دکھاتا ھے۔ اس جواب سے ان کی مشکل حل ہوگئی اورجب وہ حضرت کی خدمت مین حاضر ہوا تو آپ نے مسکراکر کہا کیا آپ نے اپنے مسئلہ کا جواب پالیا۔ مین نے حضور کو اس کی اطلاع کردی تھی ۔ آپ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ آپ کے ہاتھہ پر مسلمان ہونے والے ایک مشہور بزرگ حضرت شیخ ولی تھے۔ جو ذات کے کابستھہ اور مشہور منصبدار اورامیر تھے ۔ دارا شکوہ سے بہت مانوس تھے۔ جب عشق الہی دامن گیرہوا تو سب کچھہ چھوڑ چھاڑ کے مرید ہوگئے۔

آپ کا روضہ منورہ لاہور میں بیرون شہرہ حضرت میاں میر واقع ہے۔

۱۱۔ داراشکوہ قادری (وفات بروزجمعہ یکم محرم سنہ ۱۰۷۰ ہجری)

خلافت شیخ محمد ملا شاہ سے ملی اور تربیت میاں میر بالا پیر لاہوری سے پائی ۔ فقر میں شان عالی اوررتبہ بلند رکھتے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی کے خوب ماہر تھے۔ چاروں وید اور اپنشدوں کا ترجمہ کیا۔ جو سر اکبر کے نام سے مشہور ہے۔ جوگ بشسٹ کا جو ترجمہ کیا وہ فقراکے لئے اکسیر اعظم ہے۔ جو طالبحق چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں رہا کامل ہوگیا ۔ آپ کی تصنیفات سے بہت سے لوگ مستفید ہوئے۔ آپ کی بعض مشہور کتابیں یہ ہیں :-
سفینتہ الاولیا' - سکینتہ الاولیا' - رسالہ حق نما۔ مجمع البحرین - دیوان قادری - رسالہ معارف حسنات العارفین وغیرہ - روضہ ہمایوں میں آپ کا مزار ہے (۷)

۱۲۔ میراں سید مبارک حقانی گیلانی اوچی (وفات سنہ ۹۵۶ ہجری)

آپ سید محمد غوث گیلانی حلبی اوچی کے فرزند اور مخدوم سید عبدالقادر ثانی کے بھائی ہیں - صاحب زہد وتقوی وعبادت وریاضت بزرگ تھے۔ ترک وتجرید اورکمال عشق ومحبت و ذوق میں جب جذب واستغراق مزاج پر غالب ہوا تو حالت سکر میں اوچ سے لکھی جنگل میں جا بیٹھے اور کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ تنہائی میں وقت گذارتے اور صحبت خلق سے محترز رہتے تھے احیاناً اگر کوئی آپ تک پہنچ جاتا تو مجذوب ومست ہوکر پلٹتا ۔

جب آپ کے کمالات کا شہرہ شرق سے غرب تک شائع ہوگیا تو حضرت شیخ معروف چشتی جوفریدالدین گنج شکر کی اولاد سے تھے اور شدت ریاضت کی وجہہ سے فائز بکرامات خاصہ تھے اجودھن سے بقصد شوق لکھی جنگل پہنچ گئے۔ ایک ہی نظر کیمیا اثر میں کچھہ سے کچھہ ہوگئے" اور بوقت عطائے خرقہ خلافت مبارک اس بشارت سے مشرف ہوئے کہ تم سے ایک خانوادہ جدید قائم ہوکر فیض رسان رہیگا۔ چنانچہ ان ہی شیخ معروف سے خاندان نوشاھیہ کا سلسلہ آغاز ہوا اورایک مدت کے بعد سید مبارک لاہور تشریف لائے اور وہین وفات پائی جہان سے ان کی نعش اوچہ مبارک مین لائی گی اور ان کے والد کے روضہ مین تدفین عمل مین آئی۔(٨)

١٣ - سید اسمعیل گیلانی بن سیدعبداللہ ربانی
بن سید غوث اوچی سال وفات سنہ ٩٢٨ ھجری

آپ نے اپنے والد سے خرقہ پایا - عالم وعامل وشیخ کامل صاحب زھد و ریاضت کثیرہ تھے بنا' برآن آپ کا شمار عظمائے شیوخ وقت اور کبرائے اولیائے عہد مین ہوتا ہے۔ کرامات اور خوارق عادات کا آوازہ جب اقصائے عالم مین گونجنے لگا تو شہنشاہ اکبر اعظم نے مشتاق دیدار ہوکر لاہور سے بلایا۔ اور غایت اعتقاد سے ایک ہزار بسیگہ زمین زرعی علاقہ فیروز پور نذر گذرانی - جس کے بعد محلہ لکھی پور لاہور مین اقامت اختیار کی - لکھی کے بیشمار سوداگر اور اکابر تجار آپ کے حلقہ ارادت مین داخل ہوکر فیضیاب ہوتے رہتے۔ بعدہٗ وفات لکھی پوری مین مدفون ہوئے۔(٩)

۱۴ - شــــاہ قمیص وفات سنہ ۹۹۲ ھجری

حضرت غوث اعظم کے احفاد سے ھین - بنگال مین جہان کفر کا زور تہا جاکر کام شروع کیا۔ قصبہ سالورہ مین ڈیرہ لگایا - جلد شہرت ہوگئی - ہزارون افراد مرید ہوئے۔ خلفا' اطراف ھند مین پہیل گئے۔ آپ کا تبلیغی اصلاحی کارنامــــہ شاندار رہا ھے۔ مزار سالورہ مین واقع ھے۔

۱۵ - حضرت موسیٰ پاک شہیــد وفات سنہ ۱۰۰۱ ھجری

فرزند دلبنــد وجانشین سید حامد گنج بخش شیخ گیلانی ھین - اور بخطاب جلال الدین ابوالحسن مخاطب تہے۔ اور شیخ پنجاب کہلاتے تہے۔ حضور صلعــــم اور حضرت غوث اعظم کی زیارت کہلی آنکہون سے کرتے۔ انہین اوسیہ طریقـــہ پر فیض پہنچا تہا۔ ھدایت خلق مین عرصہ تک مصروف رہے۔ سنہ ۱۰۰۱ ھجری مین بعہد سلطنت اکبر بادشاہ نواح ملتان مین گولہ بندوق لنگاھان سے شہادت پائی اندرون پاک دروازہ بطرف جنوب شہر ملتان آپ کا مزار پرانوار ھے۔ (۱)

۱٦ - حضرت شاہ نعمت اللہ بن سید ابوبکر وفات سنہ ۸۳۴ ھجری

آپ مشہور قادری بزرگ تہے۔ دکن مین آکر ھدایت خلق مین کافی عرصہ تک مصروف رہے کہتے ھین کہ سلطان احمد خان آپ ھی کی دعا وبشارت سے سریر آرائے حکومت ھوا ھے۔ بڑے بڑے امرا آپ کے مرید ھوگئے اور اس طرح قادری سلسلہ فروغ پایا۔ یہہ بہی مشہور ھے کہ تجہیز وتکفین کے متعلق مقتدر امرا' اور فقرا مین جہگڑا ھوگیا

تو آپ اٹھہ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ اگر تم اس طرح باہم جھگڑتے ہو تو کہین اور جاکر مرونگا چنانچہ کوہ ھکھکی مین جاکر انتقال کیا اور وہین مدفون ہوئے[11])

۱۷۔ حضرت سید محمد قادری (وفات سنہ ۹۲۹ ھجری)

حضرت غوث اعظم کی اولاد مین سے تھے۔ اور سلطان ھمایون بن علا٫الدین بن احمد بہمنی کے زمانے مین بیدر آئے۔ ھمیشہ وعظ ونصیحت مین مصروف رہا کرتے۔ بادشاھون کے نذرانے قبول نہ فرماتے۔ آپ ھی سے فیض پاکر حضرت شیخ موسیٰ بن حسین ملتانی نے خرقہ اورخلافت حاصل کی ۔ آپ فیاض وسخی تھے روزانہ فقرا٫ اورغربا٫ پر روپیہ تقسیم کرتے کوئی آپ کی بارگاہ سے محروم نہ جاتا [12])

۱۸۔ حضرت شیخ الاسلام شمس الدین قادری ملتانی (وفات سنہ ۹۲۵ھ)

آپ کا شمار بھی ان مشائخ قادریہ مین ہوتا ہے جنہون نے دکن کے علاقہ مین قیام کرکے وسیع طور پر قادری فیض پہنچایا ۔ چنانچہ حضرت کا مزار بیدر ھی مین ھے بادشاھون کی نذر ونیاز قبول نہ کرتے یا غریبون پر تقسیم کردیتے۔ کہتے کہ ان لوگون کا مال مشکوک ہوتا ھے۔ اس سلسلہ کے اور مشہور بزرگ حضرت شیخ اسحٰق اور آپ کے صاحبزادے شمس الدین قادری ھین جو مشہور کتاب "مخازن قادریہ" کے مصنف ھین ۔ ان حضرات نے تحریر اورتقریر دونون ذریعون سے قادری فیضان عام کیا ۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ بہا٫الدین قادری دولت آبادی ھین جن کسے

ذریعہ حضرت شاہ شمس الدین ابوالفتح ملتانی کو خلافت ملی - اور انہون نسے حضرت شیخ محمد قادری ملتانی کو خلافت دی - اس طرح ان کے صاحبزادون کسے ذریعہ قادری فیضان ہندستان کے شمال - جنوب اور مشرق ومغرب جاری رہا - حضرت شیخ محمد قادری بڑے بزرگ گزرے ہین جن کے کارنامے قادری تاریخ مین نہایت نمایان ہین - ان کا تفصیلی ذکر کتاب " تفضلہ " مین بہی ملتا ہے - وفات سنہ ۹۳۵ھ مین ہوئی - مزار بیدر مین ہے (۱۳)

۱۹ - حضرت شیخ منتجب الدین صدیقی قادری (وفات سنہ ۱۱۱۹ھ)

بیجاپور کے بڑے بزرگون مین سے ہین - بیدر تشریف لائے اور حضرت شیخ ابراہیم مخدوم جی کے ہاتھہ پر بیعت کی اور اجازت سلسلہ قادریہ حاصل کی - اور ظاہری وباطنی فیوض حاصل کرکے بیجاپور واپس تشریف لے گئے - ایک عرصہ تک خلق اللہ کی خدمت کی اور فیض پہنچایا - آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ محی الدین ایک عظیم الشان واعظ گزرے ہین - جن کے وعظ ونصیحت سے سنگدل موم ہوجاتے تہے - جاہل ونادان بہی آپ کی صحبت مین علم وصلاح کے حامل ہوجاتے - غرض اس طرح آپ کا فیض ایک عرصہ تک جاری رہا -

۲۰ - حضرت شیخ حمید الدین قادری (وفات سنہ ۱۰۱۱ ہجری)

حافظ قرآن اور خوش الحان تہے - سنت نبوی کی پیروی مین جہد بلیغ فرماتے - عرصہ تک وعظ وارشاد مین مصروف رہے - آپ کے فیض نے ہزارون کو سیراب کیا

آپ سندھ سے بیدر تشریف لائے تھے - جس زمانے مین آپ نے ہدایت خلق شروع کی وہ ابراہیم عادل شاہ کا زمانہ تھا۔ سلطان نے بھی حضرت کا اثر قبول کیا اور مطیع ہوگیا -

۲۱۔ حضرت شاہ عتیق اللہ قادری (وفات سنہ ۱۰۲۳ ھجری)

سلطان ابراہیم کے زمانہ کی عظیم ہستیون مین آپ کا شمار ہوتا ہے۔ عرصہ تک مشاہدہ حق اور پاس انفاس مین مستغرق رہے۔ سینکڑون طالبان حق کو سلوک اور اصول کی منزلین طے کرادین - بیجاپور کے قریب آپ کا مزار ہے۔

۲۲۔ حضرت شاہ قاسم قادری (وفات ۲۷۔ محرم سنہ ۱۰۳۲ ھجری)

حضرت غوث اعظم کی اولاد سے ہین - وطن سے ہجرت کرکے ابراہیم عادل شاہ کے زمانے مین بیجاپور آئے۔ کثرت کرامات کی وجہہ سے مشہور ہین - سینکڑون طالبان حق کو فیضیاب کیا -

۲۳۔ حضرت شاہ مرتضی قادری (وفات ۱۰۲۲ ھجری)

اکابر سادات و اولیاء اللہ سے ہین - نسب اور مشرب دونون کے لحاظ سے قادری ہین - احمدآباد مین پیدا ہوئے - کچھہ عرصہ بعد بیجاپور تشریف لائے اور ہزارون کو اپنے ارشاد وتلقین کی برکات سے سلوک کے اعلی درجون پر فائز کیا۔ عوام نے تقوی کی زندگی اختیار کی - اور جو خدا طلبی کا ولولہ رکھتے تھے وہ اعلی مراتب پر فائز ہوگئے [۱۴]

٢٢- شاہ ابوالحسن قادری (وفات ١٢- ربیع الثانی سنہ ١٠٤٥ھ)

روضۃ الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت محبوب سبحانی تک پہنچتا ہے۔ آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے زمانے میں بیجاپور تشریف لائے۔ صاحب فضائل وکمالات وجامع صفات حمیدہ تھے۔ حقائق ومعارف اور دقائق اسرار کے عارف تھے۔ ہمیشہ طالبین اور مریدین کی ہدایت میں مصروف رہے۔ کثرت سے طلباء نے آپ کے فیضان نعمت سے استفادہ کیا اور فائزالمرام ہوئے۔ شہر کے علماء وفضلاء ومشائخ کرام آپ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ بادشاہ بھی اعزاز واحترام سے پیش آتا تھا۔ ایک واقعہ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ دکن میں شیخ اسرافیل نامی ایک شخص بہت بہادر مشہور تھا۔ بیجاپور میں آکر وہ بادشاہ کے ہاں ملازم ہوگیا اور دربار میں جلد مقبول ہوگیا اور بڑے بڑے انعام واکرام حاصل کئے۔ لوگ اس پر رشک کرنے لگے اور بادشاہ سے عرض کیا کہ وہ بہت مغرور ہوگیا ہے اس کی بہادری کا امتحان کیا جائے۔ بادشاہ اس کو چاہتا تھا شروع میں تو انکار کرتا رہا مگر بعد میں طے ہوا کہ ایک مست ہاتھی چھوڑا جائے اور کہا جائے کہ بادشاہ کی اس مست ہاتھی سے حفاظت کی جائے۔ چنانچہ ہاتھی بلوایا گیا۔ جب اعلان کیا گیا کہ ہاتھی مست ہے بہت سے درباری بھاگ گئے مگر اسرافیل اپنی جگہ سے نہ ہٹا اور زور سے چیخ ماری۔ ہاتھی نہ ڈرا اور اسرافیل کی بغل میں سونڈ ڈالی کہ اٹھا کر پھینک دے۔ مگر اسرافیل نے ہاتھی کی

سونٹ اس زور سے دبائی کہ ہاتھی عاجز ہوکر زمین پرگر پڑا اور ہلاک ہوگیا۔
جب اسرافیل کو معلوم ہواکہ اس کا امتحان لینے کے لئے یہہ سب کچھہ کیاگیاتھا
تو وہ ناراض ہوگیا اور گھر آکر بیٹھہ گیا۔ بادشاہ نے بہت بلوایا مگر اس نے کہہ
دیاکہ وہ اب گوشہ نشین ہوگیا ہے اورکسی ایسے مرشد کامل کی تلاش مین ہے جو
اس سے قوت مین زیادہ ہو ۔ ایک دوست نے اس کو مشورہ دیاکہ جمعہ کی نماز
کے بعد جامع مسجد کے دروازے پر لوگون سے مصافحہ کرتا رہے۔ ممکن ہے کہ کوئی قوی
مل جائے۔ چنانچہ اس نے اس مشورہ پر عمل شروع کردیا ۔ تیسرے جمعہ کو حضرت
ابوالحسن قادری سے اس کی ملاقات ہوئی ۔ اس نے خوب زور سے آپ کا ہاتھہ
دبایا ۔ جس کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوا پھر آپ نے اس زور سے اس کا ہاتھہ دبایا
کہ وہ بے ہوش ہوکر گرپڑا۔ ہوش مین آکر حضرت کا مطیع ہوگیا ۔ مرید ہوا اور
ریاضت ومجاہدہ کے بعد درجہ کمال پر فائز ہوا ۔ اس طرح آپ نے ایسے شخص
کی اصلاح اپنی روحانیت کاملہ سے کی جو جسمانی قوت مین بہت زیادہ تھا۔ آپ کے
بعد آپ کے فرزندون نے بھی کافی ہدایت کاکام کیا۔ انہی مین سے حضرت شاہ
ابوالحسن ثانی بن سید عبدالقادر ایک بزرگ گزرے ہین جنہون نے سنہ ١١٣٢ ھجری
مین انتقال کیا اور جو کتاب " خازن سلاسل قادریہ " کے مصنف ہین (١٥)

٢٥۔ حضرت شاہ اسداللہ برہان پوری قادری
(وفات ٢٨۔ جمادی الاول سنہ ١٢٠٥ ھجری)

اصلی وطن برہان پور ہے۔ آپ کے والد طریقہ قادریہ شطاریہ مین حضرت

شاہ برہان الدین کے مرید ہیں شروع ہی سے مشائخ کی صحبت میں رہے بعد میں والد ہی کے خلیفہ ہوئے۔ بشارت کی بنا پر حضرت مخدوم شاہ قادری سے بھی بیعت کی ۔ تصوف وتصرف میں کامل تھے۔ حقائق ودقائق کے عارف تھے ایک ہندو لڑکے نے آپ سے مثنوی پڑھی ۔ عقائد باطلہ سے تائب ہوا ۔ اسلام لے آیا۔ شہر کے اکثر علما فضلا تصوف میں آپ ہی سے سند لیتے تھے۔ صاحب تصانیف بھی تھے۔ سوانح ۔ مثنوی وغیرہ کی شروح بھی لکھی ہیں ۔ مگر یہ آج نادرالوجود ہیں ۔ مزار حیدرآباد محلہ حسینی علم میں ہے۔(١٦)

٢٦۔ حضرت شیخ جلال قادری (وفات ٢٠۔ ربیع الاول سنہ ٩٢٥ ہجری)

آپ کا وطن دہلی تھا ۔ بعد میں گجرات میں آکر قیام کیا۔ برسوں عبادت و ریاضت میں بسر کی ۔ اکثر اذکار واشغال میں مستغرق رہتے۔ آپ شیخ بہاءالدین انصاری کے مرید تھے۔ شیخ نے آپ کو ہدایت خلق کے لئے برہان پور خاندیس میں مقرر کیا تھا۔ کثرت سے لوگ متاثر ہوئے۔ اکثر ہندوں نے آپ کی ہدایت سے بت پرستی ترک کردی تھی اور آپ کے معتقد ہوگئے۔ غیر مسلم آپ کے حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوتے معتقد اور موحد ہوجاتے آپ کثرت کرامات کی وجہہ سے بھی مشہور ہیں ۔ تاریخ مشاہیر برہان پور اور تذکرہ اولیائے خاندیس میں بھی آپ کے تفصیلی حالات اورکارنامے ملتے ہیں ۔(١٧)

٢٧۔ حضرت سید شاہ عبدالطیف قادری (وفات ١٠٨٢ ہجری)

آپ حضرت شاہ نوراللہ قادری کے صاحبزادے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد

مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور مریدین ومعتقدین کی ہدایت وتلقین فرمانے لگے۔ اکثر طلباء آپ کی ہدایت سے درجہ کمال پر فائز ہوئے اور عارف کامل بن گئے۔ آپ صاحب کشف وکرشمہ تھے۔ کثرت سے امرا فقرا آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے اور آپ سے مستفید ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے شاہ حضرت قادری بھی ایک کامل بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے ہدایت خلق میں اپنی عمر عزیز صرف کی ۔ ہر امر میں بزرگان سلف کی پیروی کرتے۔ سکندر عادل شاہ کے زمانے میں بھی مشہور اور معتمد تھے۔ عالمگیر نے بھی آپ سے استفادہ کیا سنہ ۱۱۳۰ ھجری میں وفات پائی بیجاپور میں مزار ہے۔(۱۸)

۲۸۔ حضرت سید علی کلان بن سید شاہ حسن عبدالقادر ربانی (وفات سنہ ۱۱۴۱ ھجری)

اکابر شیوخ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ صاحب کشف وکرامات تھے۔ عرصہ تک ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ آپ ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کو چاہئے کہ جو کچھ اس کو ملے خرچ کرڈالے۔ جمع نہ کرے۔ جس وقت دنیا سے اٹھے اس کے گھر میں ایک حبہ بھی نہ نکلے۔ چنانچہ ہمیشہ خدائے تعالی سے اس کی دعا بھی کیا کرتے۔ انتقال پر گھر سے کچھ نہ نکلا۔ مریدوں نے تجہیز وتکفین کی ۔ نظام الملک آصفجاہ بھی آپ کے خاص معتقدین میں تھے۔ مشہور ہے کہ آپ کے دفن کے وقت ایک عجیب وغریب شخص نمودار ہوا مزار پر فاتحہ پڑھی اور حسب ذیل رباعی

پڑھی اور پھر غائب ہوگیا :-

چون سید علی شاہ پیر ورنگل

ازین دار فنا کردہ بفردوس منزل

گزشتند از ہجرت شاہ مرسل

ہزار و صد وچہل ویک سال کامل (١٩)

٢٩- حضرت شاہ عبداللہ عرف پھپکاجی قادری (وفات سنہ ٩٩٩ ہجری)

حضرت ابوبا نصاری کی اولاد سے تھے- شرع محمدی کی کامل اتباع کرتے- خلق کی ہدایت کا کام بڑے زور شور سے شروع کیا - مریدین کو کامل اتباع سنت کی تلقین کرتے- اشاعت اسلام مین عرصہ تک مصروف رہے- اکثر اہل اصنام آپ کی ہدایت سے مشرف بہ اسلام ہوئے- علوم عقلی ونقلی مین عالم وفاضل وفقیہہ کامل کہلاتے تھے- آپ نے (٢١) حج کئے- حضور صلعم کی بشارت پر ہندستان آئے تھے- اس وقت شاہجہان حکمران تھا - دکن مین بھی تشریف آوری ہوئی- اور برار بھی گئے اور وعظ ونصیحت کا سلسلہ برابر جاری رکھا (٢٠)

٣٠- حضرت سید غوث الدین قادری (وفات ماہ صفر سنہ ٨٩٥ ہجری)

علوم ظاہری وباطنی پر پوری طرح حاوی تھے- عارف باللہ اورعاشق رسول تھے- مشہور ہے کہ ایک روز آپ کو حضور انور صلعم نے خواب مین حکم فرمایا کہ آپ احمدآباد گجرات جائین اوروہان اسلام اور دین کی اشاعت کرین - چنانچہ آپ

بغداد سے روانہ ہوکر احمد آباد پہنچے۔ کہاجاتا ہے کہ سلطان محمود بیکسرہ اور وہان کے دوسرے علما' کو بھی اسی قسم کی بشارت ہوئی کہ آپ وہان آرہے ہین - آپ نے احمدآباد پہنچکر شہر مین مدرسہ کہولا اورعلوم ظاہری اور باطنی کی تعلیم شروع کی جن سے ہزارون نے استفادہ کیا۔ جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھہ بارہ سو مرید اور خلفا' تھے۔ واپس مین خشکی کی راہ سے جب آپ کچھہ کے علاقہ مین پہنچے تو وہان کا راجہ گھبرایا اور مقابلہ کے لئے فوج بہیجدی۔ آپ کی کرامت سے اس کی فوج کے گھوڑے لنگڑے ہوگئے۔ راجہہ یہہ دیکھہ کر بہت متاثر ہوا اورعرض کیا - اگر اس کے گھوڑے اچھے ہوجائین تو وہ اسلام قبول کرلیگا - چنانچہ آپ نے درگاہ خدا مین دعا کی - سب گھوڑے اچھے ہوگئے۔ راجہ مسلمان ہوگیا اور اس نے کثرت سے مسجدین تعمیر کروائین اور بہت سے نیک کام انجام دیے (۲۱)

۳۱۔ حضرت سید شاہ محمد فضل اللہ قادری (وفات سنہ ۱۳۱۴ ہجری)

سنہ ۱۲۴۰ ہجری مین فتح پور مین پیدا ہوئے - بچپن ہی سے آپ کو سنت نبوی کی اتباع کا شوق تھا چنانچہ ابتدا ہی سے فضول مباحات مین دل نہ لگاتے - اکثر اوقات بزرگان دین کے مزارون پرجاتے اور ورود وظائف مین مصروف رہتے اور ہروقت پیر ہادی کی تلاش مین سرگرم رہتے۔ کہاجاتا ہے کہ آپ کو اویسیہ طریق سے عالم ارواح مین بزرگان سلف سے فیض پہنچا - فرمایا کرتے کہ جس کا مولی مددگار

نہ ہو وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہے جو حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو اس کے حرکات و سکنات اہل دنیا سے جداگانہ ہوتے ہیں وہ ہدایت کا محتاج نہیں ہوتا ۔ وہ خود الہام حق سے رہنمائی پاتا ۔ فرماتے حق تعالیٰ نے جس کو محبت کی شراب پلائی وہی آزاد صوفی ہے ۔ بغیر محبت کے صوفی کو عبادت اور ریاضت سے لطف یا مزہ نہیں ملتا جس طرح کہ کھانے میں نمک نہ ہو تو وہ بے مزہ اور بے لطف ہوتا ہے ۔ جب تک سالک فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول نہیں ہوجاتا تب تک اس کو حق تعالیٰ کی کامل محبت نہیں حاصل ہوتی ۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مرشد کامل ایسا ہونا چاہئے کہ شریعت کو کبھی ترک نہ کرے ۔ آپ حضرت اخوند شیخ عبدالغفور کے مرید ہیں جو افغانستان کے ایک جلیل القدر بزرگ تھے ۔ آپ اپنے مرشد کی ہدایت کے بموجب ہندستان آئے اور قصبہ تھرون میں اپنا تبلیغی اوراصلاحی کام شروع کیا جب آپ بغرض ہدایت نواب علی بہادر والئی باندہ کی خدمت میں گئے تو نواب نے فوراً بیعت کرلی ۔ آپ نے نواب کو اتباع شریعت اور انصاف کی تاکید کی اور رخصت ہوئے کسی کی برائی دیکھہ نہ سکتے فوراً بلا تامل ٹوک دیتے اکثر دیہاتوں اورگاؤں میں جاکر اہل اسلام اور غیر مسلموں کو توحید وایمان کے مسائل سے آگاہ کرتے چنانچہ اکثر لوگ آپکی تبلیغ سے اسلام لے آئے ۔ مسلمان فسق وفجور سے تائب ہوکر سنت پر عمل پیرا ہوجاتے ۔ آپ فرماتے کہ میں امرا سے اسلئے ملتا ہوں کہ ان کو عدالت حفاظت رعیت اوراتباع شریعت کی ہدایت کروں اور غربا اور فقرا کو ملازمت دلاوں ۔

ہرایک سے یکساں سلوک کرتے۔ آپ نے باوجود امرائے ہند کے اصرار کے کبھی کوئی نذر یا جاگیر قبول نہ کی ۔ بہت سے جوگی آپ کے پاس حاضر ہوتے اور آپ سے مختلف سوالات کرتے۔ ایک مرتبہ ایک جوگی نے پوچھا ۔ خدا کی معرفت کی کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا ۔ تم جو ارادہ کرتے ہو اس میں کامیاب نہیں ہوتے اور تمہاری خواہش پوری نہیں ہوتی ۔ پس یہ ارادہ توڑنے والا کون ہے وہی قادر مطلق جو سب پر قادر ہے " عرفت ربی بفسخ العزائم " ۔ جوگی نے کہا آپ خدا کے عارف ہیں۔

آپ ہمیشہ حسن سلوک ہمدردی اور ایفائے عہد کی تلقین کیا کرتے ۔ لوگوں سے کہتے کہ غیبت اور جھوٹ سے پرہیز کرو ۔ آپ نظام الملک پنجم افضل الدولہ کے زمانے میں حیدرآباد دکن تشریف لائے تھے۔ لوگوں نے کثرت سے استفادہ کیا ۔ اور آپ کی بہت شہرت ہوگئی تھی۔ اس کے بعد نظام الملک ششم محبوب علی خان کے زمانے میں بھی آپ کی دوبارہ تشریف آوری ہوئی ۔ اور کثرت سے امراء نے اور خود بادشاہ نے آپ سے اخذ فیض کیا ۔ بادشاہ نے کچھ عطا دینی چاہی تو فرمایا کہ آپ ہمیشہ غرباء اور مساکین کی ہمدردی فرماتے رہیں ۔ خدا اور رسول کی خوشنودی اسی میں ہے۔ عرصہ تک بادشاہ ہی کے مہمان رہے اور حیدرآباد ہی میں انتقال فرمایا ۔ مکہ مسجد میں کثیر اجتماع نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور چادر گھاٹ کے پل کے قریب باغ عبدالقادر خان میں تدفین عمل میں آئی ۔[٢٢])

٣٢۔ حضرت حفیظ الدین واعظی قادری (وفات سنہ ١٢٧٠ ہجری)

آپ کا سلسلہ نسب حضرت غوث اعظم تک پہنچتا ہے۔ عالم وفاضل اور

واعظ کامل تھے۔ حیدرآباد دکن میں اپنے ہدایات وارشادات سے خلق کو استفادہ کا موقع عطا کیا ۔ متوکلاً علی اللہ زندگی بسر کی ۔ ہمیشہ راضی برضائے حق رہے۔ کبھی بھی کسی امیر ونواب سے باوجود ان کے اصرار کے کچھ نہ لیا ۔ پورینہ مرہٹہ کے لشکر میں آپ کے بے شمار مرید تھے۔ اس طرح فوج میں قادری فیضان پہنچا نواب وزیرخان بہادر جو کھرڈلہ کی جنگ میں قتل ہوئے آپ کے مرید تھے۔ آپ اس قدر خوش بیانی اورفصاحت سے تقریر فرماتے کہ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔ آپ کا وعظ حدیث وسنت نبوی کے عین مطابق ہوتا۔ ہروقت لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتے۔ سامعین کو اتباع سنت نبوی کی سختی سے تاکید فرماتے۔ قصبہ پیپل گاون راجہ میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔[٢٣]

٣٣۔ حضرت شاہ موسیٰ قادری (وفات ٢١- ذیقعدہ سنہ ١٢١٥ ہجری)

آپ کا نسب اکیسویں پشت میں حضرت غوث اعظم سے جاملتا ہے۔ سنہ ١١٥٢ ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد کے مرید ہوئے۔ درود شریف کثرت سے پڑھتے ۔ زیور صدق وصفا سے آراستہ لباس تسلیم ورضا سے پیراستہ تھے۔ سخاوت اس درجہ تھی کہ سائل بار بار آتا تب بھی انکار نہ کرتے۔ کبھی سائل کو رد کیا نہ اُف کہا ۔ مسند نشینی کے بعد وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا ۔ کثرت سے لوگوں نے ہدایت پائی ۔ اکثر اوقات پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود سوائے خدا کے کبھی کسی سے کچھ نہ چاہا ۔ علم ظاہری میں معمولی تعلیم پائی تھی مگر مسائل مشکلہ

مین ایسی رائے دیتے کہ علماء حیران رہ جاتے - ایک شخص نے آپ سے اس
شعر کے معنے پوچھے :-

خدا لکہ است محمد هزار و آدم یکہ   بیا بمشرب صوفی اگرنداری شکہ

حضرت نے کہا مین تو امی هون - جاو کسی عالم سے پوچھو - جب اس نے اصرار
کیا تو فرمایا یہہ شعر توحید الٰہی ونعمتہ رسالت پناهی مین هے یعنی لفظ " لکہ "
بقلب کل هوتا هے پھر اس کے معنی هین کہ " خدا کل هے " (هوالکل) محمد
" هزارہ " لفظ هزارہ بقلب " رازہ " هوتا هے- یعنی راز دار - آدم یکہ
لفظ " یکہ " بقلب " کہے " هوتا هے بمعنی " کجا " اب معنی بہت کسے
یہہ هوئے کہ " خدا کل است " یعنی وجود حقیقی صرف حق تعالی کا هے اور
" محمد راز دار هے " یعنی جس وقت حق تعالی نے اپنی تجلیات ذاتیہ کا مشاهدہ
کیا تو ان کے ضمن مین " حقیقت محمدی " کو پایا - اس وقت " آدم کی گنجائش
کا موقع نہ تہا " کیونکہ وهان " اسماء کیانیہ " کا ظهور نہ تہا - یعنی
احدیت مطلقہ هرچیز مین موجود هے اوروحدت " تعین " سے پاک هے - اس
طرح آپ وحدت کے مسائل کو اس خوبی سے بیان کرتے کہ تمام علماء ششدر وحیران
رہ جاتے- اکثر لوگ آپ کی مجالس مین شرکت کرتے اور آپ سے مختلف طریقون سے
بحث مباحثہ کرتے اور اپنے خیالات کی تصحیح کرتے- اکثر مشائخ وعلماء مثلاً
مولوی عزت یار خان محدث دهلوی - مفتی حافظ عبدالقوی خان وغیرہ بہی آپ

کی خدمت مین حاضر ہوتے اور علمی مذاکرہ ہوا کرتا ۔

حضرت اپنے مریدون کو دل شکنی سے سختی کے ساتھہ منع کرتے اور فرماتے کہ " دل بدست آور کہ حج اکبر است " یعنی دل کا خوش کرنا حج اکبر کا ثواب رکھتا ہے۔ آپ آصفجاہ ثانی کے زمانے مین زندہ تھے ۔ اکثر امراء آپ کی خدمت مین حاضر ہوتے اور استفادہ کرتے۔ نذر تحفہ پیش کرتے تو آپ اس کا نصف حصہ فقراء اور مساکین مین تقسیم فرمادیا کرتے۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ بہی لوگون کو فیض پہنچایا ہے۔ چنانچہ آپ کی مشہور تصانیف مین دیوان موسوی اور تصوف پر چند رسائل ہین ۔ آپ کا دیوان دیکھنے سے محبت الہی کا دل مین جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ یہہ آپ کا ہی کا شعر ہے:—

از ازل الله تا ابد چون مست مستان خدا

در میان این وآن خوش پرستان خدا

مریدین کی تعداد تیس ۔ چالیس ہزار تک پہنچ گئی تہی ۔ کرامات کا کثرت سے صدور ہوتا ۔ جس کے باعث ارجاع خلق کا سلسلہ روز افزون تہا ۔ حیدرآباد مین پرانے پل کے قریب آپ کا مزار ہے ۔[۲۴]

۳۴۔ حضرت شیخ مخدوم محمد ساوی (وفات ۳۔ رجب سنہ ۱۱۶۵ ھ)

بعض مورخین لکہتے ہین کہ آپ کے آبا واجداد ترکستان سے ہندستان آئے تہے آپ کو بچپن ہی سے معرفت الہی کی تلاش تہی ۔ بسنت نگر مین جب آپ

پہنچے تو ناصر شاہ قادری یہاں موجود تھے آپ نے ان سے فیض پایا اور خلافت کا خرقہ حاصل کیا پھر حضور صلعم کی بشارت پر دکن آئے اور لوگوں کو توحید کے مسائل سے واقف کیا ۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا جو بھی مرید ہوتا اس سے اسرار الہٰی کا ظہور ہوتا ۔ آپ کو تصوف وحقائق میں کمال قدرت حاصل تھی ۔ آپ نے تصانیف کے ذریعہ بھی لوگوں کو ہدایت کی چنانچہ تصوف پر کئی رسائل لکھے۔ جن میں " میزان توحید " زیادہ مشہور ہے۔ تصوف میں آپ نے بعض اصلاحات بھی ایجاد کیں ۔ " مسئلہ غیریت حقیقی وعینیت حقیقی " جو دکن کے صوفیا' میں مروج ہے آپ ہی کی ایجاد ہے۔ کثرت سے امرا' آپ کے مرید ہوگئے تھے آپ ان کو ریاضت اورعبادت کی ترغیب دیا کرتے۔ حیدرآباد دکن میں وصال ہوا ۔(۲۵)

۳۵۔ حضرت محمد طاہر پٹنی محدث (وفات سنہ ۹۸٦ ھ)

نسباً صدیقی مشرباً قادری مذہباً حنفی تھے۔ آپ کے بزرگ عرب سے سندھ میں آکر بس گئے تھے۔ آپ کے والد سندھ سے پٹن گجرات میں تجارت کے سلسلہ میں آئے ۔ بچپن ہی سے والد نے آپ کو علم دین سے فیضیاب کیا۔ جلد ہی علم ظاہری اور باطنی میں مہارت حاصل کرلی ۔ اورعلمائے وقت سے مستفید ہوکر حج کے لئے تشریف لے گئے وہاں بھی علما' فضلا' اور محدثین کی صحبت استفادہ کیا ۔ شیخ علی بن حسام الدین متقی جیسے حضرات سے بھی آپ

مستفید ہوئے پھر پٹن گجرات آکر درس وتدریس اور ہدایت وارشاد کا سلسلہ شروع کیا - آپ حدیث - تفسیر اور فقہ پڑھاتے دوردور سے طلباء آتے- بدعات کے قلع قمع کے لئے شدت سے کوشان رہتے- خاص وعام کو سنت جماعت کے طریق کی ہدایت کرتے تھے- اکثر اهل بدعات آپ کے دشمن بھی ہوگئے تھے- سنہ ۹۸۰ هجری مین اکبر بادشاہ گجرات آیا- حضرت سے ملاقات کی اور بہت متاثر ہوا - حضرت نے جو بدعت کے خلاف مہم جاری کررکھی تھی اسی مین پوری مدد کا وعدہ کیا اور آپ کی مدد کے لئے مرزا عزیز کو اس جگہہ حاکم مقرر کیا - اس کے احکام کے زور سے اکثر بدعات کا سدباب ہوا- بعد مین کسی بدعتی ہی نے آپ کو شہید کردیا - آپ کی تصانیف سے مشہور " مجمع البحار فی لغات احادیث صحاح ستہ " " مغنی فی اسماء الرجال " رسالہ " فی بیان احادیث الموضوعات " ہیں- اس رسالہ کا قلمی نسخہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد مین موجود ہے- آپ کے فرزندون نے بھی دکن مین بڑی خدمات انجام دی ہین [۲٦]

۳٦- حضرت نوراللہ قادری (وفات سنہ ۱۰٦۷ هجری)

سلسلہ نسب حضرت محبوب سبحانی سے ملتا ہے- بیجاپور کے مشہور اولیاء مین آپ کا شمار ہوتا ہے- جامع کمالات مخزن صفات وکرامات تھے- امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اظہار مین کسی کی رعایت ومروت نہین کیا کرتے- مریدین کو شریعت پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے [۲۷]

۳۷۔ حضرت سید ملکہ حسین عرف دیوان صاحب قادری
(وفات سنہ ۱۰۷۶ ہجری)

حضرت غوث اعظم کی اولاد میں سے تھے۔ قادری مشائخ میں عظیم مرتبہ پر فائز تھے۔ صاحب کشف وکرامات تھے۔ کہتے ہیں کہ علی عادل شاہ بادشاہ بیجاپور کے پاس عہدہ دیوانی پر بھی فائز تھے۔ چونکہ بادشاہ کم عمر تھا اس لئے سترہ برس تک آپ ہی نے پورا کام بڑی فراست دینداری اور تقویٰ کے ساتھ انجام دیا۔ بادشاہ آپ سے بیحد خوش تھا۔ بادشاہ کے سن بلوغ کو پہنچنے پر ذکر الہی میں مستقل طور پر مشغول رہنے کے لئے حکومت سے دست بردار ہوگئے اور اسلام آباد (بھیمسڑی) میں سکونت اختیار کرلی۔ یہاں پرتگیزوں کا عمل دخل تھا۔ ان لوگوں نے آپ کی مخالفت کی۔ آپ نے ان کے خلاف جہاد کیا۔ اور اس میں کامیاب رہے۔ ایک تالاب پرتگیزوں کے قبضہ میں تھا۔ اس پر آپ نے قبضہ کرلیا۔ وہیں آپ نے ڈیرہ لگایا اور اس کا نام " نصراللہ " رکھا۔ دیار کوکن میں چراغ اسلام آپ کی ذات سے روشن ہوا صدہا کفار آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ عرصہ تک خدمت وہدایت خلق میں مصروف رہے۔ قصبہ بھیمسڑی میں آپ کا مزار ہے۔[28]

۳۸۔ حضرت فضل رسول قادری بدایونی (وفات ۲۔ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ)

آپ کی ولادت سنہ ۱۲۱۳ ہجری میں ہوئی۔ علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کے

بعد اپنے والد شاہ عبدالحمید قادری سے خرقہ حاصل کیا - کئی مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے فائز ہوئے بغداد بھی گئے- اور سجادہ حضرت سید علی سے فیوض باطنی حاصل کئے- تمام عمر درس وتدریس اور مریدون کو ارشاد وهدایت مین گذار دی - عقائد باطلہ کے رد مین کئی رسالے لکھے- بوارق محمدیہ تصحیح المسائل - سیف الجبار - احقاق الحق - شرح فصوص - شرح عوارف وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہین - آپ کے تلامذہ اورصاحبزادون نے بھی هدایت خلق کاکام کیا اور شہرت دوام حاصل کی - بدایون مین مزارهے-

آپ کے صاحبزادون مین سید عبدالقادر بدایونی قادری (المتوفی ۱۳۱۹ ھ) بڑےبزرگ اور صاحب تصانیف ہوئے ہین اور کافی لوگون کی اصلاح کی- عقائد باطلہ کی تردید مین آپ کی تصانیف مشہور ہین -[۲۹]

حضرت شہاب الدین سہروردی اگرچہ کہ سہروردیہ سلسلہ کےبانی ہین مگر آپ کو ابتدا سے لےکر انتہا تک فیض حضرت غوث جیلی ہی سے ملا - سہروردیہ کےخلفا' نےبھی هندستان مین عظیم خدمات انجام دی ہین - ان کےمتعلق کہاجاسکتا هےکہ وہ بالواسطہ قادری تھے- چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتےهین کہ اللہ تعالی نے شیخ شہاب الدین کو بڑے بلند پایہ اور عالی همت خلفا' عطا فرمائے- جنھون نے دعوت اور تربیت کو بڑی قوت و وسعت کےساتھہ انجام دیا - ان کےصرف ایک خلیفہ شیخ بہا' الدین ذکریا ملتانی

سے ہندستان مین جو فیض پہنچا اورخلق کو ہدایت ہوئی وہ ان کے جلالت اور عظمت کے لئے کافی ہے۔[30]

بہر حال قادری سلسلہ نے نہ صرف ہندستان مین بلکہ تمام ممالک اسلامیہ مین عظیم تبلیغی اوراصلاحی کارنامے انجام دئیے اور روحانی فیض جاری رکھا - اسلامی ممالک کے دور دراز حصون مین بھی قادریہ شاخین قائم ہوئین - پندرھوین صدی کے وسط مین قادریہ اور شطاریہ سلسلہ ہندوستان مین بہت پھلا اور پھولا - ہندستان مین اس کو قائم کرنے والے حضرت شاہ نعمت اللہ قادری ہین - اور حضرت سید محمد غوث گیلانی - حضرت مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی - حضرت سید موسیٰ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سلسلہ کو عہد مغلیہ مین کافی فروغ دیا ۔[31]

سلسلہ قادریہ کے ان شہبازون نے اپنے فیض سے ہندستان کی سرزمین کو سیراب کردیا ایمان واحسان کا جو باغ انہون نے لگایا ہر دم اس سے تازہ پھل حاصل ہوتے رہے اور انشاء اللہ تعالی ان کا یہ فیض ہمیشہ جاری رہے گا ۔

ہر دم ازین باغ برے می رسد

تازہ تر از تازہ ترے می رسد

(۹) تصوف اور موجودہ سماج

۱- دل بدلنے والے نظام کی ضرورت

ایک وہ وقت تھا جب دنیا میں بربریت تھی اخلاق سوزی تھی ناانصافی ظلم وتشدد تھا بدکرداری تھی بداعمالی اور بدعنوانی تھی تغلب وتصرف اور ریاکاری دھوکا بازی تھی سکون واطمینان کا نام ونشان نہ تھا - اگر کوئی کہتا کہ یہ سب کچھ کیوں تھا کہا جاتا اس لئے کہ جہالت تھی تعلیم نہ تھی لوگ تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ نہ تھے - اس لئے ان عام برائیوں میں گرفتار تھے وہ بصورت آدمی بسیرت گاو وخر تھے -

بصورت همه آدمی یکسراند - بسیرت بسے کم زگاو وخراند
(خزینہ)

آج دیکھئے تعلیم کس قدر بڑھ گئی ہے - چھوٹے چھوٹے قصبوں میں اور گاوں میں اسکول اور ضلعوں میں کالج قائم ہیں - ایک ایک ریاست میں کئی کئی جامعات قائم ہیں - ہمارے آندھرا پردیش ہی میں تین جامعات ہیں - اترپردیش میں اس سے بھی زیادہ ہیں - ہمارا ملک تو ابھی بارہ برس ہوئے آزاد ہوا ہے اور ترقی یافتہ ممالک کی صف میں بہت پیچھے ہے - ترقی یافتہ ممالک کا حال دیکھئے تو ایک ایک بڑے شہر میں کئی یونیورسٹیاں ہیں - امریکہ ہی کو

لیجئیے صرف نیویارک مین تین یونیورسٹیان ھین جہان فلسفہ کی خصوص تعلیم کا انتظام ھے۔ دراصل جو کچھہ ھے وہ علم ھے۔ غالباً دنیا مین خدا کے بعد اگر کسی چیز کی پوجا اورپرستش کی گئی ھےتو وہ علم ھی ھےجس کا بت یونانیون نے سب سے بڑا بنایاتہا - یہہ علم ھی تو ھےجس نے انسان کو انسان بنایا۔ یہہ علم ھی تو ھے جس نے اچھے اور برےکی تمیز سکھائی - یہہ علم ھی تو ھےجس نے انسان کو ھوا اورپانی پر قدرت عطا کی - اور یہہ علم ھی تو ھے جس نے یونان کانام تاریخ مین سنہری حرفون مین لکہا - کیونکہ کسی ملک کی اھمیت اس سےنہین ھوتی کہ وہ کسقدر وسیع ھے اس کےپاس مادی طاقت کتنی ھے اس کےپاس دولت کتنی ھے اسکےپاس قدرتی وسائل کیا ھین بلکہ اس کی اھمیت کا دار مدار اس پر ھےکہ اس نےعلم مین کیا کارنامے انجام دئیے - اس نے زندگی کےمسائل کےحل کےلئیے کیا فلسفہ پیش کیا جس سےساری دنیا نفع حاصل کرسکے۔ چنانچہ یونان جو اپنے محل وقوع کےلحاظ سے یورپ کےماتھےپر ایک بدنما داغ کہلاتا ھے جغرافی لحاظ سے اس کی کیا اھمیت ھے پورے یورپ مین بظاھر ایک نا پیدا نقطہ ھے۔ ھرچند دنیا کےنقشے مین اتنی کم جگہہ رکھتا ھےمگر تاریخ عالم مین اسنے اپنےعلمی کارنامون کی بدولت اتنی ھی زیادہ جگہہ گھیر رکھی ھے۔ اسی سرزمین نے سقراط - افلاطون اور ارسطو جیسے انسان پیداکئے جن کےعلمی کارنامون کی دنیا آج بھی مرھون منت ھے۔ اب سوال یہہ ھےکہ جب

سب کچھہ علم ھی ھے اورآج علم اتنا وسیع ھوگیا ھےتو کیا اس عظیم الشان علم نےھمارے کسی مسئلــہ کا کوئی حل پیش کیاھے۔ یہہ جو کہا جاتاتھا کہ دنیا کی ساری برائیون کا حل علم کی ترقی ھے لیکن آج ھم دیکھتےھین کہ اس ترقی یافتہ علم کےدور مین جبکہ ایک ایک شہر مین کئی کئی یونیورسٹیان قائــم ھوگئی ھین اخلاقی برائیــان اور زیادہ بڑہ گئین یعنی شوروشر ظلم وفتــن حرص و آز شروفساد اورھرقسم کے مکروھات مین اضافہ ھی ھوگیا ھے اوردنیاوی مسائل بجائے سلجھنےکے اور الجھہ گئےھین ۔آج اقوام متحدہ کے ادارے مین علوم کےماھرین اور مشہورجامعات کےفاضلین ھین ۔ مگرکسی مسئلہ کے آخری حل سے قاصر ھی ھین ۔ پس کیا ھوا اس علم کےاضافہ سے ۔کیا کوئی ایک بھی ایسا مرض ھے اخلاقی یا ذھنی جس کی اصلاح ھوئی ھو ھان اگرکچھہ ھوا تو یہہ ھوا کہ اس علم نےاس مفسدہ پرداز بددیانت اور ناکارہ انسان کو ھتھیــار دیدئیے وہ بدعنوانی کرتاھے اور اپنی تائید مین دلائل لاتاھے تقاریر کرتاھے اپنی غیر قانونی حرکت کے جواز مین کتابین لکھتاھے۔ اپنی ھر نامناسب حرکت اور عمل کی تائید مین اس علم کےھتھیار کو مختلف طریقے سےاستعمال کرتاھے۔ اور دنیــا مین ھنوز ان تباہ کاریون کی رفتــار تیز تر ھوتی جارھی ھے۔

دیوجانس کلبی ایک دن چراغ لئےکچھہ ڈھونڈ رھےتھے۔ لوگون نے پوچھا کہ حضرت دن کی روشنی مین چراغ لئے آپ کیا ڈھونڈہ رھےھین کہنےلگے " مین ان حیوانون مین رھتےرھتےتنگ آگیاھون انسان کو ڈھونڈہ رھاھون " ۔

لوگوں نے کہا کیا ہم انسان نہیں۔ انہوں نے انہیں اپنے سونٹے سے مار بھگایا اورکہا " کیا تم انسان ہو تم تو بول براز ہو " ۔ تو دنیا آج بھی اسی انسان کی تلاش میں ہے۔ آج بھی یہہ ہوا کو فتح کرنے والا انسان انسان نہ بن سکا ۔

علم رسمی خواندہ بسیار نادانی ہنوز

جامہ بربالائے تن داری وعریانی ہنوز

اب امر کے لئے ضرورت یہہ نہیں ہے کہ علم کو مزید ترقی دیجائے اب امر کے لئے ضرورت ہے کہ اس کے دل اور دماغ کو بدلا جائے اس کے نفس کا تزکیہ اور اسکے قلب کا تصفیہ کیا جائے ۔

علم را تانفروشی وعمل را نخری

تا ابد کے زدلت گرد جہالت برود

اس مقصد کی تکمیل کے لئے دنیا میں بڑے بڑے انبیا' اولیا' اور بزرگان دین اور صوفیائے کرام پیدا ہوئے۔ اس دل کی اصلاح کے کام کو حضرت شیخ جیلی نے لیا۔ حضرت خواجہ اجمیری نے لیا اور مختلف اولیا' نے لیا۔ جب اس دل کا تصفیہ ہوجائے۔ اور اس میں سیاہی کے بجائے سفیدی اور حیوانیت کے بدلے انسانیت آجائے پندار خودی اور نفس مرجائے تب ہی انسان صحیح معنوں میں انسان ہوتا ہے۔ ہمدرد محنتی جفاکش بااخلاق اور با کردار خداترس وخداپرست ہوتا ہے۔ اور جہان

اس کے قدم کو لغزش ہوتی ہے دل اس کو متنبہ کرتا ہے کیونکہ یہہ دل ہی ہے جو اس کو گھماتا ہے چلاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں بھی ہے۔ انسان کے اندر دل ہی تو ہے کہ اگر وہ بگڑگیا تو سب کچھہ بگڑ گیا ۔ اور اگر وہ سنور گیا تو سب کچھہ سنور گیا ۔ " الا فی جسد بنی آدم مضغــة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وهی القلب ۔(رواه بخاری)

آج علم کو اتنی وسعت دے کر ہم کچھہ نہ سدھار سکے۔ اب دل کو سدھار کر بھی دنیا دیکھہ لے۔ اس کو چھوڑ کر دنیا اب تک آگے جاکر بھی پیچھے ہی رہی۔

ضرورت ہے کہ اسی نظام کو آج پھر چلایا جائے اور ان صوفیائے کرام کے مشن کو اپنایا جائے جنہوں نے اس دل کی صفائی کی اور اس کو آلائشوں سے پاک وصاف کیا اور اس کو کندن بنادیا ۔ اور یہہ کندن دل والا انسان معاشرہ کے لئے نعمت تھا رحمت تھا بکریوں کی کھال پہنے ہوئے درندہ نہ تھا بلکہ واقعی نیک دل اور باکردار تھا ۔ اس دل کی اصلاح کرنے والوں نے جب کبھی اپنا مشن چلایا معاشرے میں سکون واطمینان پیدا کردیا اور لوگوں کو انسانیت سوز جرائم سے چھڑایا اور زندگی کو امن وسکون بخشا جس کی غالباً گذشتہ دور میں اتنی ضرورت نہ تھی جتنی کہ آج ہے۔ جب انسان ہر وقت آپس ہی میں برسر پیکار ہے اور اس عظیم الشان تہذیب اور سائینس کی عمارت کو جو اس نے صدیوں میں کھڑی کی ہے منہدم کردینا چاہتا ہے۔ چنانچہ مشہور فلسفی برٹرنڈ رسل (Bertrand Russell)

نے بہت خوب کہا ہے کہ " چوتھی عالمگیر جنگ لکڑیوں اور پتھروں سے لڑی جائیگی "۔ یعنی تیسری جنگ کے بعد انسان اگر کہیں رہا اور وہ کبھی لڑا تو اس کو صرف پتھر اور لکڑیاں میسر ہونگی اور یہہ ساری تہذیب ختم ہوچکی ہوگی ۔ اس عظیم الشان تباہی سے انسان کو بچانے کیلئے انسان کو انسان بنانے کیلئے اگر کوئی نظام ہے تو وہ یہی دل بدلنے والا نظام ہے۔ یہہ تصوف ہے علم باطن ہے اور کھلا چیالینج ہے علم ظاہر کے پرستاروں کو کہ انہوں نے سب کچھہ آزما دیکھا اب اسی باطنی علم کو بھی آزمائیں اور انسان کے دل بدل کر دیکھیں کہ وہ کیسا نکھرتا ہے ۔

گل بے خار میسر نہ شود در عالم
گل بے خار جہان مردم نیکو سیر اند

(سعدی)

۲۔ تصوف کا مشن اور پیغام

عام طور پر یہہ خیال پایا جاتا ہے کہ تصوف خاص خاص قسم کے نظریات سے وابستہ ہے۔ اور اکثر بیشتر نے تو یہہ سمجھہ لیا ہے کہ تصوف نظریہ وحدت الوجود ہی کا ترجمان ہے۔ لیکن اگر ہم تصوف کی نفسیاتی بنیادوں کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کی تاریخی حیثیت کے پیچھے پیچھے ہمیشہ چند ایسے محرکات کارفرما رہے ہیں جنہوں نے اصل مذہب کو زندہ رکھا ہے۔

اسلام سے قطع نظر دوسرے مذاہب میں بھی ہمیشہ ایسی تحریکات رہی ہیں جن کا منشا مذہب کے عام احکام اور ضابطوں کے پیچھے ایک نئی باطنی زندگی کی تربیت دینا رہا ہے۔ دوسرے مذاہب کے اعتبار سے اس قسم کی تحریکات کو سریت (Mysticism) کا نام دیا گیا ہے ۔ عام طور پر تصوف کے خلاف بعض علما نے جو اعتراضات کئے ہیں اس کی وجہہ یہی غلط فہمی ہے کہ تصوف ایک خاص نظریہ کا پابند ہے۔ تصوف اصل میں ظاہر کو باطنی زندگی کے مطابق بناتا ہے۔ ظاہر وباطن کے اتحاد کو قائم کرتا ہے۔ اور مذہب کی سب سے بڑی برائی یعنی نفاق کو دور کرتا ہے۔ نفاق نام ہے ظاہر وباطن کی منافرت کا ۔ جب ظاہر وباطن میں ہم آہنگی نہیں رہتی تو پھر مذہب کے نام پر ایسی اخلاق سوز برائیاں پیدا ہوتی ہیں جو اصل مذہب کو بھی بدنام کردیتی ہیں ۔ اسی وجہہ سے شاعری میں عام طور پر اور صوفیانہ شاعری میں خاص طور پر زاہد و ناصح ومحتسب کو برا بھلا کہا گیا ہے۔ اس کی اصل وجہہ یہی ہے کہ مذہبی اقدار چند نام نہاد مذہبی افراد کے ذریعہ پامال ہوتے ہیں اور مذہب کے نام پر اخلاقی فسر یہی رونما ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تصوف کا ہمیشہ سے یہہ مشن رہا ہے کہ حیات باطنی کو پھر سے زندہ کیا جائے۔ اس کا منشا ظواہر کی نفی نہیں کیونکہ ظواہر بھی اپنی قیمت اور مقام رکھتے ہیں ۔ ان کا تعلق روایات سے ہوتا ہے ان سے اجتماعی زندگی میں ایک استحکام پیدا ہوتا ہے اور ظواہر کی نفی سے بڑی افراتفری پیدا ہوجاتی ہے۔ یہہ ضرور ہے کہ

تصوف کے نام پر بھی بعض لوگوں نے ایسا نقطہ نظر اختیار کیا جس کی وجہہ سے یہہ ساری تحریک علمائے ظاہر کے پاس مشتبہہ ہوگئی - لیکن تصوف کا اصل مقام یہہ نہیں ہے اس کا منشا اور مقصد نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہے - ظاہری احکام تو صرف ہمارے اعمال پر منطبق ہوسکتے ہیں لیکن ان ظواہر کو معنی بخش نہیں کہہ سکتے جب تک کہ حیات باطن کی اصلاح نہ ہو - تصوف کا اولین یہہ مقصد نہیں ہے کہ بالکلیہ عقلی نظریات میں خود کو کھودے اور فلسفیانہ اور نظری موشگافیوں میں اپنا وقت ضائع کرے - اس اعتبار سے اگر ہم دیکھیں تو کوئی مذہب بھی بغیر اس باطنی اصلاح کے مکمل نہیں ہوسکتا - خدا اور بندے کے تعلق کو وہ انتہائی مواصلت و حلف عطا کرتا ہے اور تمام مذہبی اقدار اب اپنا مرکز صرف احکام اور قواعد کی پابندی میں نہیں رکھتے بلکہ اس پابندی کے پیچھے ~~کے پیچھے~~ اللہ کی رضامندی کے بھی طالب ہوتے ہیں - اس لحاظ سے اگر ہم تصوف کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وہ باطنی زندگی کی اصلاح کا طالب ہے وہ نیتوں کو درست کرتا ہے اور حیات باطنی کی تباہی سے جو شر پیدا ہوتا ہے اس کو دفع کرتا ہے - روزہ نماز حج و زکواۃ اور تمام مذہبی اوامر کو وہ باطنی زندگی سے مربوط کردیتا ہے - اب سارا کام صرف قواعد کی ادائی نہیں بلکہ تسلیم اور رضا کا اختیار کرنا ہے اور وہ تمام اقدار جن سے باطنی زندگی عبارت ہے مرکزی صورت اختیار کرلیتے ہیں - اس لئے

اگر ہم قرآن شریف پر تدبر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی باطن ہی کو مقدم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات بینات سے پتہ چلتا ہے کہ اصل چیز نیت ہے یا باطن ہے۔

لن ینال اللـــہ لحومہا ولا دماؤھا ولـکن ینالہ التقوی منکـم ۔ (پ ۱۷ ع ۱۲)	اللہ کے پاس نہ گوشت پہنچتا ہے نہ خون بلکہ تقوی پہنچتا ہے۔
لیس البر ان تولو او جوھکـــــم قبل المشرق والمغـــرب الخ ۔ (پ ۲ ع ٦)	اصل چیز یہ نہیں کہ تم لوگ مشرق کی طرف منہہ کرو یا مغرب کی طرف ۔

تصوف کی اصل جان خدا اور بندے کے تعلق کو صرف میکانکی سطح پر رکھنا نہیں بلکہ خدا کے حضور کو اعماق شعور میں پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ تصوف اصل میں خدا سے ایک ایسا داخلی ربط قائم کرتا ہے جو طرفۃ العین کے لئے زائل نہیں ہوتا یعنی خدا اور بندے کا تعلق ایک ایسی سطح پر منتقل ہوجاتا ہے جس کے اندر غیر معمولی قوت کیفیت اور قربت ہوتی ہے۔ اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں خدا سے اتحاد واتصال پر نہیں بلکہ اس کے قرب ومعیت پر زور دیا گیا ہے اور آدمی کے اندر اس شعور کو اجاگر کیا گیا ہے کہ وہ کبھی بھی تنہا نہیں ہوسکتا ۔ ہر معیت میں اور ہر کڑے وقت خدا اس کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اور

جب کبھی آدمی اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اس کو وہ قریب واقع پاتا ہے۔
" نعم المولیٰ ونعم النصیر " محسوس کرتا ہے حق تعالیٰ کو ہر وقت اپنے ساتھ
پاتا اس سے حظ حاصل کرتا غرض محبت وقربت کے شعور کو بیدار رکھنا تصوف کا
کارنامہ ہے۔ یہی وجہہ ہے کہ جہاں کہیں بھی اس قسم کا رابطہ یا نسبت
پائی جاتی ہے اور جس کسی سماج میں بھی قرب ومحبت حق کے اقدار کا تحفظ ہو
وہ سماج کبھی ٹوٹ نہیں سکتا ۔ آدمی کے اندر ایسا مضبوط ومحکم ایقان
پیدا ہوتا ہے جس کے بل پر وہ زندگی کی کڑی سے کڑی مشکل کا مقابلہ کرسکتا ہے۔
عام طور پر مذہب کے خلاف اور تصوف کے خلاف یہہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مذہب
اور تصوف دنیا سے گریز کی تعلیم دیتے ہیں یعنی وہ ایک قسم کے فرار یا ہجرت
دھرم (Escapism) کے معنی ہوتے ہیں اور بقول اشتراکیوں کے مذہب
بھی ایک نشہ آور شے بن جاتا ہے جو آدمی کو زندگی کے مطالبات سے بے خبر
رکھہ کر اس کو میٹھی نیند سلا دیتا ہے۔ لیکن سچا تصوف سچ مچ کبھی گریز یا
فرار کا نام نہیں بلکہ خدا کے حضور کا شعور اور اس کے قرب اور محبت کا احساس
آدمی میں ایسی توانائی اور طاقت پیدا کرتا ہے جس کے بل پر وہ زندگی کے مشکلات کا
بہتر طریقہ پر مقابلہ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے تصوف کسی سماج
کو اس کے کلچر سے محروم نہیں کرتا بلکہ وہ سماج کے اندر ایسی روح پھونکتا
ہے جو اس کو باد مخالف کے جھونکوں میں اپنی جگہہ پر چٹان کی طرح قائم

قائم رکھتی ھے۔اس لحاظ سے ہم یہہ کہہ سکتے ھین کہ تصوف ھی سے آدمی اور سماج یاس وقنوط عجز وکسل کے پیہم حملون سے محفوظ رھتے ھین ۔ موجودہ زمانے مین تجربیت (Empiricism) کا بول بالا ھے اورکہا جاتا ھے کہ صداقت بھی اس وقت تک قابل قبول نہین ھوسکتی جب تک کہ ھمارا تجربہ اس کی شہادت نہ دے۔ تصوف خدا کو بھی ایسی ھستی قرار دیتا ھے جس کی شہادت ھمارا تجربہ ھمین فراھم کرتا ھے یعنی مذھبی اقدار صرف خیالی یا وھمی سطح پر نہین رھتے بلکہ ان کی صداقتے بازگشت ھم کو اپنے تجربے مین ملتی ھے۔ صوفیانہ تجربات ومشاھدات مین ھمارا تعلق ایسے حقائق سے ھوتا ھے جو فکر کے لئے کبھی بھی قابل فہم نہین ھوسکتے ۔ اس لحاظ سے جو ثبوت کہ تصوف پیش کرتا ھے وہ سچ مچ تجربی نوعیت کا ھوتا ھے اوریہہ تجربات بھی بالکل محدود یا ذھنی نہین ھوتے بلکہ جو بھی اس مسلک پر چلے ان کا وہ بذات خود تجربہ کر سکتا ھے ۔ یہی وجہہ ھے کہ امام غزالی کو نہ متکلمین کے کلام سے اور نہ فلسفیون کی بحث سے تشفی ھوسکی بلکہ صوفیانہ تجربات و واردات ھی سے ان پر ایسے حقائق منکشف ھوئے جن کو ھم فکر کے ذریعہ سے کبھی بھی حاصل نہین کرسکتے ۔ اس طرح تصوف کے ذریعہ ایک طرف تو حیات باطنی کی اصلاح ھوتی ھے اور دوسری طرف علم کے پوشیدہ ذرائع ھم پر کھلتے ھین اورساتھہ ھی ساتھہ مذھبی عقائد صرف لفظی نزاع اور فکری استدلال کو عبور کرکے حقیقتاً تجربہ اورمشاھدہ کے موضوع

بن جاتے ھین - اور سب سے آخر مین یہہ کہ تصوف کے ذریعہ ہماری ظاہری زندگی اورانسانی اقدار بھی ایک نئی طاقت حاصل کرلیتے ھین - وہ ہم کو صرف دھوکا یا فریب معلوم نہین ھوتے اورنہ ھی اس دنیا کی چہل پہل صرف نمود و فریب کی حیثیت اختیار کرلیتی ھے- بلکہ اس کے پیچھے حقیقت کی تجلی نظر آتی ھے اور آدمی انفرادی طور پربڑی سی بڑی مشکلات کے مقابل بھی ھار نہین جاتا بلکہ قرب اورمعیت حق کے احساس سے قوت حاصل کرتا ھے اور سماج کو بھی نئے راستون پر ڈال سکتا ھے- یہہ ضرور ھے کہ تصوف ھو یا اورکوئی بڑی تحریک تاریخی نشیب وفراز سے اپنے اصلی اور حقیقی مشن سے دور ھوجاتی ھے- اس مین بھی انحطاط آسکتا ھے- گریز اور فرار کی طرف بھی وہ مائل ھوسکتی ھے اور ایک قسم کے اخلاقی مزاج مین وہ کھوجا سکتی ھے- لیکن تصوف کا تاریخ مین انحطاط پانا ایک الگ چیز ھے اورتصوف کا اصلی اور حقیقی مشن ایک الگ چیز- تصوف کی اصلی روح اس کے تاریخی انحطاط کے مظاہر سے بالکل الگ ھے- وہ تو اصل مین انسان مین یہہ بنیادی ایقان پیدا کرتی ھے کہ جدھر سے ہم آئے ھین ادھر ھی ہم کو لوٹ کرجانا ھے:-

انا للـــہ وانا الیـــہ راجعــون (پ ۲ ع ۳)	ہم تو خدا ھی کے ھین اور اسکی طرف ہم کو لوٹ کرجانا ھے-
وھو معـــکم این ما کنتـــم (پ ۲۷ ع ۱۷)	اور اللہ تمہارے ساتھہ ھے جہان کہین بھی تم ھو -

موجودہ سماج مین جو مذہب سے بدگمانی ہے۔ تصوف اسکو بھی دورکرسکتا موجودہ سماج سے اخلاقی کمزوریون کی نفی کرسکتا ہے۔ اسمین وسعت نظر پیدا کرسکتا ہے۔ پندار خودی اور انانیت کو دورکرسکتا ہے۔ احسان فکری کی رغبت دلاتا اور عشق کی وہ مستی پیدا کرسکتا ہےجو ہزار سالہ تسبیح ونماز نفاق سے بہتر ہوتی ہے۔

کودل کہ بداند نفس اسرارش

کو گوش کہ بشنود زمن گفتارش

معشوق جمال می نماید شب و روز

کو دیدہ کہ برخورد از دیدارش

(حضرت شاہ نعمت اللہ قدس سرہ)

۳۔ تصوف کے مقاصد وفوائد

مادیت کے علمبردارون نے اکثر یہہ دعوی کیا ہےکہ صوفیانہ تجربات اور انہی سے مشابہہ دوسرے تجربات ومشاہدات کچھہ ایسی نوعیت کے ہوتے ہین کہ وہ امراض دماغی کے مریضون کی یاد دلاتے ہین اور اکثر یہہ بھی کہاجاتاہےکہ اسقسم کے تجربات ذہنی توانائی اورتندرستی کو نہین بلکہ تخیل کےخلل اور شعور کے انتشار کو ظاہر کرتے ہین ۔ لیکن ایک بات جو انہین ممتاز کرتی ہے وہ یہہ ہےکہ تجربات مفید اورموثر ہوتےہین ۔ ان کے بجائے ذہنی امراض کےجو لوگ

شکار هوتے هین ان کا دائرہ اثر ان هی کی حد تک محدود رهتا هے۔ دراصل
یہہ تجربات صرف خانگی نوعیت هی کے نہین هوتے بلکہ خارجی حقائق سے بہی
ان پر روشنی پڑتی هے کیونکہ صوفیانہ تجربات کچہہ اس نوعیت کے هوتے هین کہ
ان کو عموماً زبان سے بیان نہین کیاجاسکتا بلکہ ان کو صرف محسوس هی کیا
جاسکتا هے۔ "من لم یذق لم یدر" اسی بنا پر بعض مادہ پرست ان کے منکر
هوتے هین -

هم مین سے هرایک کے پاس ایسے ذرائع علم موجود هین جن سے زندگی کا
نیا رخ اوروجود کاایک نیا پہلو معلوم هوسکتا هے۔ ان سے ایسے امکانات کہلتے
هین (جو بالکل ماورائی نوعیت کے هین.) اور یہہ هماری مصیبت اور تکلیف مین تسلی کا باعث بن سکتے هین - اس سے
معلوم هوتا هے کہ تصوف قنوطیت نہین هے بلکہ وہ زندگی کے دائرے کو وسیع کرتا هے۔
تصوف کے ذریعہ نئے اقدار منکشف هوتے هین - وہ آدمی کو اس کے محدود
مقاصد واغراض سے وابستہ نہین رکہتا بلکہ اس کی دلچسپیون کو بے انتہا وسیع
کرتا هے اور نئی امنگین اور نئی امیدین اس کے دل مین پیدا کرتا هے۔ تصوف نئے
آدمی پیدا کرتا هے اوریہہ آدمی بہتر نظام عالم کو پیدا کرنے مین مدد دے سکتے
هین - تصوف سے مذهب مین ایک جان اور سماج مین ایک نئی روح پیدا هوتی
هے۔ مختلف مذاهب کی وجہہ سے لوگون کے درمیان جو بُعد پیدا هوگیا هے وہ صرف
اسی راستہ سے دور هوسکتا هے۔ اور مذاهب اور تاریخی مذاهب جو بالکل مقامی

تحدیدات کے اندر مقید ہوگئے ہین ان کو تصوف پھر ایک کلی راستہ پر ڈالتا ہے۔
اور اسی سے ایک عالمی مذہب کے قیام کا امکان پیدا ہوتا ہے (جیساکہ اسلام ہے)
جو فرقون کی حد بندیون سے ماوراء ہو - مختصر یہہ کہ تصوف کے مطالعہ سے
ایسے امکانات واضح ہوتے ہین جن کے مقابل ہماری دنیا کا تجربہ بالکل تنگ وتاریک
نظر آتا ہے - اس سے ہماری بصیرت مین اضافہ ہوتا ہے۔ ہمارے ایمان وایقان
مین زیادتی ہوتی ہے اورہماری امیدون کو سہارے ملتے ہین اس کے علاوہ صوفیانہ
واردات اور مشاہدات سے ذہانت مین بہی اضافہ ہوتا ہے۔ اور قوت متحرکہ
تازہ ہوتی ہے۔ صوفیائے عظام نے اپنے اپنے زمانے مین اپنی اپنی قوتون کو جگانے کے
لئے مختلف پیامات دئے عمل کی راہین سمجہائین اور زندگی کے لئے راستے کہولے
ان کا یہہ نور بصیرت نتیجہ ہے ان کی ریاضتون اور عبادتون کا - گوتم بدھ نے
اگر اپنے چیلون کو مابعد الطبیعاتی بحثون مین الجہنے سے منع کیا تو انہین وجوہ
کی بناء پر کیا کیونکہ صوفیانہ تجربات انسان کے دل ودماغ مین کائنات کے متعلق
وہ حقائق فراہم کرتے ہین جو اس کو سینکڑون کتابون سے حاصل نہین ہوسکتے
اور اب ان معلومات کی روشنی مین وہ اپنے لئے ایک نئی طاقت نیا جذبہ محسوس
کرتا ہے اور ان حقائق کی روشنی مین سطح کو اخلاق کی اس بلندی کی طرف
رہنمائی کرتا ہے جس کے حصول کے لئے دنیا کے سینکڑون پیغمبرون نے اولیاء ومصلحین
نے اپنی زندگیان وقف کردی تہین - ان صوفیانہ راستون کو عملی اور تجربی ثابت

کرتے ہوئے مشہور امریکی مفکر رائس (Royce) نے اپنی مشہور کتاب " حق وخلق " (The World and the Individual) مین لکھا ھے کہ " صوفیا بہت زیادہ تحسین وآفرین کے مستحق ھین کیونکہ تاریخ فلسفہ مین صرف یہی وہ کامیاب اور کامل " اصحاب تجربہ " (Empiricist) ھین جنھون نے زندگی عمل کی کامیاب ترین راھین سمجھائین " - آگے وہ کہتا ھے کہ - " تصوف ھی سے عقیدہ مین جوش پیدا ھوتا ھے اور روحانی آزادی کے راستے کھلتے ھین " تصوف ھی نے ایسے سنکڑون لوگون کو صوفیانہ شاعری اور کلام سے جگایا ھے اور راہ راست پر لایا ھے جو مابعد الطبیعات کے معمولی مسائل سے بھی واقف نہین ھوتے " -

بہرحال تصوف انسان کو رفعت ھمت وانسانیت کی تعلیم دیتا ھے اور کہا جاسکتا ھے کہ تصوف کی جھلک اکثر لوگون مین پائی جاتی ھے گو اس کی شکلین مختلف ھوتی ھین - آسمانی سی نظر آتی ھین اور اکثرون کی نگاہ سے پوشیدہ ھوتی ھین -(1)

مختلف صوفی مکاتب خیال کے مطالعہ سے واضح ھوتا ھے کہ ھم مین سے ھرایک کے دل مین ایک پر اسرار دریچہ ھے جو ھمارے سامنے زندگی کی نئی نئی اور عجیب وغریب راھین کھولتا ھے- ھمین غیر محدود صلاحیتین اور جذبات عطا کرتا ھے جن کی قوت سے ھم انسان کو انسان سے قریب لاتے اور دنیا سے براٸیون

کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں -

ہندستان میں یہ کام خواجہ اجمیری - خواجہ بندہ نواز گیسودراز -
حضرت بابا نظام الدین اولیا اور دوسروں نے انجام دیا تو بغداد میں شیخ
عبدالقادر جیلانی نے کیا - اور دوسرے مقامات پر بعض عیسائی اور غیر مسلم حضرات
نے اپنے اپنے طریقوں سے اس میں حصہ لیا - صوفی کی روح کا مرکز جب حسنات
مطلق ہوجاتی ہے تو" بلند اقدار کا شیدائی ہوجاتا ہے اور ان کی تشہیر کرتا ہے -
جس کی تمنا نبیوں نے بھی کی تھی گویا تصوف کی آرزو ہے کہ دنیا میں ایک
ایسا اخلاقی اور روحانی معاشرہ پیدا ہو جس کی اساس عظیم ترین پیغمبروں
کی لائی ہوئی روحانی اور اخلاقی قدریں ہوں - جس کے آخر مظہر پیغمبر
اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تھے -

اگر دنیا چاہتی ہے کہ اس کا کوئی کلچر ہو دین ہو تو اس کا ایک عقیدہ
بھی ہونا چاہئیے - اور اس مسلک کی طرف گوتم بدہ حضرت عیسیٰ اور محمد صلعم
نے نشاندھی اور رہبری کی تھی - بدہ ازم - عیسائیت اور اسلام سبھوں نے
" بین قومیت " عالمی اخوت کی طرف لوگوں کو لے جانا چاہا تھا اور ان کی پکار
تھی :-

گر طالب خدا ی طلبی دلجو باش
اندر پس و پیش خلق نو نیکو باش
خواهی که چو صبح صادق القول شوی
خورشید صفت با همه کس یکرو باش
(شیخ ابوسعید ابوالخیر)

صوفی کے اخلاق پر حسب ذیل صفات اثر انداز ہوتے ہین امرلئے اس کی شخصیت سماج اور قوم کے لئے ایک بیش بہا موتی کی سی ہوتی ہے جو نہ صرف خود قیمتی ہوتا ہے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کی چمک سے وابستہ پاتے ہین:۔

وہ " توبہ " کے ذریعہ گناہون سے خود کو پاک کرتا ہے مجاہدہ اور ریاضت سے نفس کی آلائشون کو دھو دیتا ہے۔ تقوی اختیار کرکے خدا کا قرب حاصل کرتا ہے زھد اختیار کرکے دنیا کے مال ومتاع سے بے نیاز ہوجاتا ہے وہ خاموشی کے ذریعہ اپنے قلب کو مبداء کائنات کی طرف نگران رکھتا ہے۔ وہ خوف الہی کی وجہہ سے ہر کام مین خالق حقیقی کی مرضی کا خیال رکھتا ہے۔ وہ خود فاقہ کرتا ہے اور دوسرون پر ایثار کرتا ہے " یوثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ" نفس کو رذائل سے پاک کرتا ہے۔ اس مین قناعت ہوتی ہے توکل ہوتا ہے۔ جس کے باعث وہ سوائے حق تعالی کے ہر کسی سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ کسی کے آگے دست سوال دراز نہین کرتا ۔ " ایاک نعبد وایاک نستعین "۔ یا جیسا کہ رسول عربی نے فرمایا " میرے لئے سانپ کے منھہ مین کہنی تک ہاتھہ ڈالنا آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ اس حقیر ہستی کے آگے ہاتھہ پھیلاون جو کبھی کچھہ نہ تھا پھر ہوگیا"*۔ ہر نعمت کا شکر ادا کرتا ہے ہر تکلیف پر صبر کرتا ہے ہر وقت عبادت الہی مین

---

* اشارہ ہے اس آیت کی طرف جو انسان سے متعلق آئی ہے " خلقتک ولم تک شیئاً "
(سورہ دھر)

لگا رہتا ہے اور وحدت کی عظیم مثال بن جاتا ہے۔ ہر جگہ رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھتا ہے۔ وہ اپنے ارادے سے مرجاتا ہے۔ صرف خالق کے ارادہ سے باقی رہتا ہے " فانی زخویش باقی بحق " ہوجاتا ہے وہ صرف اپنے مولیٰ اور اپنے مالک کا ہوجاتا ہے اور کہتا ہے:-

ولی فواد وانت مالکہ — بلا شریک فکیف تنقسم؛

مختصر یہ کہ وہ استقامت اخلاص صدق حیا فراست حسن خلق اور سخاوت کا ایک زندہ پیکر ہوجاتا ہے۔ اور ایسا شخص دنیا اور قوم کے لئے کس قدر مفید ہوسکتا ہے یہ کون نہیں جانتا ؛

تصوف کے فلسفیانہ اور نظریاتی حصہ کو بعد کے زمانے میں بیرونی اثرات سے متاثر بتایا جاسکتا ہے۔ لیکن ایک صحت مند قلب کا مطالبہ تو عین قرآنی مطالبہ ہے۔ ایسا قلب جس کے بغیر روز جزا نجات ممکن نہیں ہے " من اتی اللہ بقلب سلیم " اور جس کی شان حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ :-

" اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ "

غیر قرآنی اثرات کے نتیجے کب دیا جاسکتا ہے۔؟

موجودہ سماج کا کوئی شعبہ ہو خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشی یا قومی بین الاقوامی مسائل ہوں یا ملکی مسائل دل کی برائی کی وجہ سے یہاں کیا کیا ظلم اور نا انصافیاں نہیں ہورہی ہیں ۔ ان سب کی اصل جڑ " فساد یا

ہے جو مال ودولت کی حرص ملک گیری کی ہوس غرور وتکبر غرض ہرقسم کی برائی
میں انسان کو مبتلا کئے ہوئے ہے ایک تکبر ہی کو لیجئے اس سے کیا کیا نقصان
نہیں ہوئے آج ہر قوم اس موض قلبی کی وجہہ سے اپنے آپ کو دوسری قوم کا
سردھرا سمجھتی ہے اپنا نظام حکومت دوسروں پر تھوپنا چاہتی ہے۔ اس کا
نتیجہ کیا ہوسکتا ہے کتنی تباہی ہوسکتی ہے ۔ لیکن اگر تکبر کے بجائے تواضع
اور انکساری پیدا ہوجائے تو وہ قومیں جو آج باہم دست وگریبان ہیں کس قدر
قریب ہوجاسکتی ہیں ۔ غرض ساری ظاہری خرابیاں باطن ہی کی خرابی کا نتیجہ
ہیں ۔ اور تصوف کی جان باطن کی اصلاح ہے۔ جب یہہ ہوجائیگی تو ظاہر
کی ساری خرابیاں غائب ہوجائینگی ۔ سماج کی ساری برائیاں مٹ جائینگی ۔ اور
جب سماج اچھا ہوجائیگا تو ظاہر ہے کہ ملک کے ملک سدھر جائینگے۔ تصوف کی
ساری تعلیمات کا خلاصہ یا لب لباب یہی ہے کہ ظاہر وباطن کی تعمیر اور اصلاح
ہو ۔ اس سے قلب ونفس کا تزکیہ وتصفیہ ہوجاتا ہے اور انسان سر تا پا خیر ہوجاتا
ہے۔ تصوف کا منشا' یہی ہے کہ نفس کو آلودگی سے اس قدر پاک کیا جائے کہ اس
میں گناہ کا میلان ہی نہ رہے۔ جس طرح شریعت ہمارے ظاہر کو سنوارتی
ہے اسی طرح باطنی شریعت یعنی تصوف باطن کو سنوارتا ہے۔ اس کو منور کردیتا
ہے۔ دراصل شریعت دین کا علمی حصہ ہے اور تصوف عملی ۔ اگر شریعت علم ہے
تو تصوف عمل ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر شبلی نے شریعت اور طریقت کی تعریف ہی

اس طرح کی ہے کہ " شریعت تو یہہ ہے کہ انسان خدا کی بندگی اور پرستش کرے۔ طریقت یہہ ہے کہ انسان خدا کی طلب کرے اور اس کے قرب میں کوشاں رہے۔ اور حقیقت یہہ ہے کہ انسان اس کو دیکھے اسکا مشاہدہ کرے اس کلو کلاحقہ سمجھے" آپ ہی کا قول ہے " صوفی وہ ہے جو تمام افرادعالم کواپنی عیـــال سمجھے (۲)

جبصوفی سارے عالم کو عیال سمجھے گا تو پھر وہ ان کے لئے وہی کرے گا جو اپنے عیال کے لئے کرتا ہے۔

۴۔ دنیاداری اور تصــــوف

یہہ ایک حقیقت ہے کہ تمام صوفیا" انتہائی سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے ان کی زندگی کا مقصد لوگوں کو خدا کی طرف بلانا تھا :۔

" ففروا الی اللـــہ انی لکم منہ نذیر مبیــن "
(پ ۲۷ ع ۲)

وہ نہ دنیا کے مخالف تھے نہ مال ودولت کے ۔ وہ دنیا کے صحیح استعمال اور دولت کے صحیح صرف کی نصیحت کرتے تھے اور تاکید کرتے کہ ان کا استعمـــا ل رضائے حق کے حصول کے لئے انسانیت اور دنیا کی بھلائی کے لئے کیاجائے تعیــش نفس پروری اور فضول خرچی میں ان کو برباد نہ کیاجائے اور دولت کا صحیــــح استعمال وہی کرسکتا ہے جس کے قلب اورنفس کا تصفیہ وتزکیہ ہوچکا ہے۔ ایسا ہی

شخص اپنی دولت سے محتاجوں اور غریبوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس کو قوم اور سماج کے مفید کاموں پر خرچ کرسکتا ہے غریب مریضوں کے علاج پر صرف کرسکتا ہے تعلیمی ادارے اور مسافر خانے بنا سکتا ہے اور ایسی مثالیں بادشاہوں میں بہت ملتی ہیں جن کے دل درست تھے۔ انہوں نے حکومت اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے بھی دولت اور طاقت کا صحیح استعمال کیا۔ شیر شاہ سوری محمود غزنوی اورنگ زیب اور سلطان التمش اور نورالدین زنگی نے ایسا ہی کیا۔ تصوف ایسے ہی لوگوں کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ صوفیا نے تو اپنا تن من دھن سب کچھ خدمت خلق میں لگا ہی دیا تھا مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیا کا ہر بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا انسان ان ہی کے مانند ہو جائے ۔ کہتے ہیں کہ حضرت سری سقطی کی مجلس میں وعظ ہو رہا تھا ۔ ادھر سے خلیفہ وقت کا ایک دولت مند مصاحب احمد بن یزید گزرا جو بڑا ہی دنیا دار شخص تھا ۔ اس کے دل میں آیا کہ کہ " چلو آج رقص وسرود اور شراب وکباب کی محفل میں شرکت کے عوض ذرا اس وعظ کو تو سن لیں "۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اندر داخل ہوا ۔ اس وقت حضرت سری فرما رہے تھے " اٹھارہ ہزار عالم میں کوئی مخلوق انسان سے زیادہ کمزور نہیں اور غضب یہ ہے کہ سب سے زیادہ ضعیف ہوتے ہوئے بھی یہ سب سے زیادہ نافرمان ہے "۔ بات دل میں اثر کرگئی ۔ رونے لگا اور یہ دنیا دار احمد بن یزید بے ہوش ہوگیا ۔ رات بھر بے چین رہا ۔

علی الصبح حاضر خدمت ہوکر تائب ہوا اور اضطرار کے عالم مین عرض کیا کہ مین اس سیاہ کاری کی زندگی کو چھوڑنا چاہتا ہون مجھہ کو صحیح تعلیم فرمائیے۔ چنانچہ حضرت نے اس کو تعلیم دی اور آخر کار اس نے سلوک کے انتہائی مدارج طے کیے ۔[۳]

ایسے بے شمار واقعات پیش کیے جاسکتے ہین ۔ اسی طرح صوفیا نے ہزارون دنیا دارون کو دنیاوی آلایشون سے چھڑایا راہ راست دکھلائی ۔ اور صحیح اخلاقی اعمال عادات اور معاشرت سکھلائی جس کے باعث وہ جو رہزن تھے ملک اور سماج کے لئیے بدنما داغ تھے رہبر ورہنما اور ملک وسماج کے لئیے با عزت انسان بن گیے ۔ صوفیا کا پیغام بھی ہے کہ

قل ان کنتم تحبون اللـــــه فاتبعونی یحببکم اللـــــه (پ ۳ ع ۱۲)	(اے رسول انلوگون سے) کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہوتو میری پیروی کرو کہ خدا بھی تم کو دوست رکھے گا ۔

یہہ صوفیائے کرام ہی تو تھے جو بغداد سے نکلے بنگال دکن گجرات آسام پہنچے فقر اور سادگی کی زندگی بسر کی لوگون کو بلایا جگایا اور راہ خدا پر لگایا بے لوث وعظ وتلقین کی ۔ جو دن بھر مین ان کو ملا اس کو بھی بانٹ دیا۔ مسجدین اور خانقاہین بنوائین ۔ اور لاکھون کو راہ راست سے آشنا کیا ۔ اور اور یہہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت خواجہ حسن بصری ۔ حضرت جنید بغدادی ۔

حضرت غوث اعظم - حضرت خواجہ غریب نواز - حضرت قطب الدین بختیار کاکی۔
حضرت نظام الدین اولیاء - حضرت جلال الدین تبریزی نےوہی کام انجام دئے جو
انبیائے بنی اسرائیل کے سپرد رہے ہیں -   (رباعی)

کو راہ روےکہ رہ نورد ش گویم ؟

یا سوختہ کہ اہل درد ش گویم ؟

ہرکس کہ میان شغل دنیا نفسے

بااو باشد ہزار مرد ش گویم

(حکیم سنائی)

۵ - تصوف کا کارنامہ

تصوف کے کارنامے کے سلسلہ میں انگلستان کے مشہور ذی علم مستشرق
پروفیسر گب (Prof. Gibb) نےایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اپنی
تقریر کے ذیل میں کہا تھاکہ " تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ
اسلامی کلچر کا شدت سے مقابلہ کیاگیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ مغلوب
نہ ہوسکا اس کی بڑی وجہہ یہہ ہےکہ "تصوف" یا صوفیا کا انداز فکر
فوراً اس کی مدد کو آجاتا - اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا کہ
کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی " (۲) تو یہہ سب صوفیائے کرام کے
کار نامے ہیں - چنانچہ جب کبھی مسلمانوں کی ملی زندگی میں کوئی مشکل مقام

آیا تو ان ھی بزرگوں نے بصیرت اور حکمت کے ساتھہ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا وہ اس طرح کہ ان کا ھاتھہ ملت کی نبض پر ھوتا اور ان کا دماغ تجدید و احیاء کی تدبیرین سوچتا - چنانچہ اسلامی سوسائٹی کا صحیح مزاج قائم رکھنے میں انھوں نے بڑی بڑی پر خلوص کوششیں کیں اور وہ دراصل اس حکم خداوندی کی عملی تفسیر نظر آتی ھیں (٥)

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر -

(پ ۴ - ع ۱)

اور تم میں ایک ایسی امت (یا گروہ) ہونی چاھئیے جو خیر کی طرف بلائے اور ممنوعات سے روکے -

اسلامی تاریخ کے تفصیلی مطالعہ سے ھم کو پتہ چلتا ھے کہ ان بزرگوں نے کس طرح امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کی خدمات انجام دی - جب مسلمانوں کی فوجی اور سیاسی ترقی عروج پر تھی اور یہ کہنا غلط نہ ھوگا کہ مسلمانوں کی عسکری کامیابیوں نے نظروں کو خیرہ کردیا تھا تو یہہ بزرگ حضرات اولیاء اور صوفیا مادیت کے تباہ کن سیلاب کو روکنے کے لئیے حتی المقدور کوشش کرتے رھے - اور جب سیاسی نظام میں گڑ بڑ پیدا ھوئی تو یہہ حضرات صوفیاء ذھنی انتشار کے خلاف صف آراء ھوگئیے -

جب انھوں نے دیکھا کہ قوم کا اخلاقی مزاج بگڑتا ھے تو اپنی ساری توجہات

ذھنی اورعلمی صلاحیتوں کو اس طرف صرف کرنا شروع کردیا اور قوم میں اخلاق کی بلند قدریں پیدا کیں چنانچہ میر خورد نےکہا ہے اور سچ کہا ہےکہ

وکانوا لدین اللہ حصناً مویداً — وہ خدا کےدین کےلئے مضبوط قلعــــہ تھــــے ۔[٦]

پروفیسر ھٹی (Prof.Hitti) نےبھی اپنی کتاب تاریخ عرب (History of the Arabs) میں لکھا ھےکہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین موقعوں ھی پر مذھب اســلام نےشاندار کامیابیاں حاصل کیں ۔[٧]

ھولینــڈ کےایک عالم فرڈ لاکہ کیگارڈ (FredLobkegaard) نے بھی دیے الفاظ میں اس امر پر اظہار تعجب کیاھےکہ اسلام کا سیاسی زوال تو اکثر رھا لیکن یہہ ایک مانی ھوئی حقیقت ھےکہ روحانی اسلام میں ترقی کا سلســــلہ ھمیشہ جاری رھا ۔[٨]

(انفرادی آزادی اور تصوف)

صوفیہ انفرادی آزادی کےبھی علمبردار تھے۔ وہ صرف تین ھستیوں کااحترام کرتےتھے۔ خدا - رسول اور شیخ۔ بعض تو اس حدتک انفرادیت پسند تھےکہ ان کا کوئی مرشد ھوتا نہ مرید اور یہہ لوگ اویســی کہلاتے ۔[٩]

٦۔ تصوف اور موجودہ سمــــاج

اگر تصوف ایک روحانی نظام ھے روحانی تربیت ھے جو انسان کو اس کےخالق سےقریب کرتاھےتو یہاں یہہ سوال پیدا ھوتاھےکہ تصوف کی اھمیت دنیا میں

کیا ہے۔ صوفیانہ مشاہدات سے کیا فائدہ دنیاوالوں کو پہنچتا ہے۔ صوفی ان بھوکے اور بے روزگار انسانوں کے لئے کیا کرسکتے ہیں جو بے روزگاری اور فاقہ کشی سے تنگ آکر دنیا سے بیزار ہیں یا تصوف ان سب کے لئے کس طرح مفید ثابت ہوسکتا ہے اس کے علاوہ عام انسانوں کے لئے کیا یہہ مفید نہیں ہے موجودہ سماج کے پریشان کن انسان جو مصیبتوں ناامیدیوں اور مختلف قسم کی دنیاوی تکلیفوں میں گرفتار ہیں وہ اس سے کیا حاصل کرسکتے ہیں ۔ ایک سپاہی جس کے سامنے موت کھڑی ہے اس کے لئے تصوف کیا کرتا ہے اس کے جواب میں صوفی یہی کہے گا کہ بے شک ان تمام سوالات کے جواب وہ تشفی بخش طریقے سے دے سکتا ہے۔ تصوف ایک حرکی نظام ہے۔ جو ان تمام سوالات کے جواب ایک عملی شکل میں دیتا ہے اور صوفیانہ تجربات ومشاہدات جنہوں نے صوفیا' کی زندگی میں نیا جذبہ پیدا کیا وہ سب شخصی حقیقی اور صحت مند مشاہدات تھے جن کی وجہہ سے ان کی زندگی میں ایک نئی لگن ایک نیا جذبہ کارکردگی پیدا ہوا ۔ کسی مصیبت یا آفت کے برداشت کرنے میں انہیں پریشانی نہیں ہوئی اور وہ اس قابل ہوگئے کہ زندگی کی ان دشوار گذار گھاٹیوں میں فاقہ کشی میں بے روزگاری میں جنگ کے میدان میں غرض ہر جگہہ ایک ایسی طاقت اور قوت کے ساتھہ آگے بڑھ سکیں جو ناقابل مدافعت تھی ۔ اور دنیا کا ہر شخص جانتا ہے کہ ہر عملی کام کے لئے ایک جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک روحانی قوت وہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر انسان اس جذبے ہمت یا روحانی قوت کو کھودے تو وہ کسی کام کو انجام نہیں دے سکتا ۔ اگر یہہ طاقت کھودی جائے یہہ جذبہ غائب ہوجائے تو دنیا کا کوئی ملک اور اس کے سپاہی کوئی جنگ جیت نہ سکے خواہ وہ جنگ امن کے لئے ہو خواہ جمہوریت کے لئے ہو یا غربت اور افلاس کے دفع کرنے کے لئے ۔ اگر کوئی انسان معمولی سی نوکری بھی حاصل کرنا چاہتا ہو اور ہمت وجذبہ مردانہ سے اس کے حصول کی کوشش نہ کرے تو وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہہ ایک حقیقت ہے کہ بنگال کے قحط میں بہت سے انسان محض اس لئے جان سے گئے کہ ان میں اس جذبے کی کمی تھی جو ان کی حفاظت کے لئے ضروری تھا۔ صوفیانہ مشاہدات وتجربات اسی روحانی جذبہ کو ہمت وپامردی عطا کرتے ہیں طاقت بخشتے ہیں ایک نئی حرکت دیتے ہیں ۔ تصوف روح کو ایک ایسی قوت عطا کرتا ہے جو عملی زندگی میں نہایت ضروری ہے۔ مسائل کے حل میں اگر سائنس دان مصلحین فلسفی مختلف راستے اورطریقے بتلاتے ہیں تو صوفیا ہمارے سینوں میں وہ روحانی طاقت ہمت اور جذبہ پیدا کرتے ہیں جو ہمیں ان دشوار راستوں پر مستقل مزاجی کے ساتھہ ہمت ہارے بغیر گزرنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔ اگر موجودہ سیاسی حالات ۔ قوموں کی باہمی کشمکش مختلف قسم کے ملکی غیر ملکی معاہدے اتحاد ہم کو یہہ بتاتے ہیں کہ موجودہ دور میں سائنس ترقی کی بناء پر دنیا اس قدر سکڑ گئی ہے کہ کوئی قوم بغیر اتحاد اور باہمی میل جول

کے زندہ نہیں رہ سکتی اورایک ملک دوسرے ملک سے اسقدر قریب ہوگیا ہے کہ
گو جغرافیائی اعتبار سے کتنا دور ہی کیوں نہ ہو اس کی معاشی پستی کا اثر
دوسرے ملک پر پڑنا لازمی ہے تو تصوف ہم کو یہہ سکھاتا ہے محسوس کراتا ہے
کہ کس طرح ہم اپنے بھائی اپنے ساتھی انسان کو تکلیف سے بچاسکتے ہیں ۔ اس
کے درد کو محسوس کرسکتے ہیں اور وہ اس جذبہ کو ابھارتا ہے جو انسان کی تکلیف
دور کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا اورکوشش کرتا ہے کہ ہر
قیمت پر وہ تمام خوشیاں وہ سکینت وقوت اس کو بخش دے جو اس کو حاصل
نہیں ۔ صوفیانہ مشاہدات وتجربات کے بعد انسان محسوس کرتا ہے کہ اس کے اندر
ایک ایسی عجیب وغریب طاقت ہے روحانیت ہے جو دوسرے کے دل کو دیکھتی ہے۔
اس کی تکلیف کو محسوس کرتی ہے۔ اس کے لئے ہرقسم کی قربانی پر اکساتی ہے۔ اس
الہٰی طاقت کو وہ ہرجگہہ استعمال کرتا ہے ہرایک کی مدد کے لئے لپکتا ہے
ہرکام کے لئے بڑھتا ہے اورایسی قوت سے بڑھتا ہے کہ اس کو ختم کئے بغیر رکتا
نہیں ۔ یہہ روحانیت یہہ جذبہ یہہ طاقت یہہ قوت الہٰیہ اس کے اندر
ایک ایسی شخصیت کو جنم دیتی ہے جو اس کو دنیاوی کاروبار میں تجارت میں
دفتر میں غرض زندگی کے ہرمقام میں ایک توازن عطا کرتی ہے۔ وہ بیجا مشتعل
نہیں ہوتا وہ بیجا غصہ میں نہیں آتا وہ ظلم نہیں کرتا وہ کسی کا حق
نہیں مارتا وہ کسی زیادتی کو برداشت نہیں کرتا۔ اپنے آپ کو دوسرے کے مقام پر

دیکھ کر سوچنے اور عمل کرنے کا عادی ہوجاتا ہے۔ وہ جو خود کے لئے چاہتا ہے وہی دوسرے کے لئے بھی چاہتا ہے۔ بلکہ اپنے حق کو دوسرے کے لئے چھوڑنے پر بھی راضی ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک ایسا معاشرہ جنم لیتا ہے جس میں انصاف ہمدردی اتحاد بے غرضی بدرجہ اتم ہوتی ہے اور انسانیت اور اخلاق کے ایسے معیار ہوتے ہیں جو اعلی ہوتے ہیں ۔ اور انسان کو اس بلندی کی طرف لے جاتے ہیں جس کے متعلق نطشے نے خواب دیکھا تھا اور چیخ اٹھا تھا کہ " ایک " مافوق الانسان " جنم لینے والا ہے"۔ اگر تصوف اور صوفیانہ مشاہدات ہمیں اس بلندی اور ایسے اونچے معاشرے کی طرف لے جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان کو حاصل نہ کریں ۔ اور کیوں نہ ہر شخص اپنے آپ کو ایسی روحانی تربیت دے جو اس کو کمزوریوں کے اس بلند مقام تک پہنچا دے ۔ ایسا جذبہ اس میں پیدا کردے جو اس کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کامیاب اور کامران بنادے تو پھر کیوں نہیں اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تصوف کی اہمیت کے پیش نظر اس کو لازمی مضمون نہیں بنایا جاتا کیوں تصوف کی نظری اور عملی تعلیم نہیں دیجاتی کیوں صوفیوں کو بلند مقام نہیں دیا جاتا کیوں ایسے کامل ومکمل انسانوں کو اقتدار نہیں سونپا جاتا جو بے لوث خدمت کریں جو ہر شہری کی جگہ اپنے آپ کو رکھ کر معاملات کا فیصلہ کریں جو اس دنیا سے برائی مٹاتیں ۔ ملک سے رشوت بلیک مارکیٹ چوربازاری غرض ہر قسم کی برائی کو

مخصوص کردیں تاکہ ہرشخص چین کا سانس لے سکے - چنانچہ ہندوستان کے نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھاکرشن نے بھی حال ہی میں کہا تھا کہ انسان اور انسانیت کی تکمیل اس میں نہیں کہ وہ علم اور ذہانت حاصل کرلے بلکہ اس کی تکمیل اس میں ہے کہ وہ روحانی حیثیت سے منور ہوجائے - انہوں نے کلکتہ میں ایک اسکول کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ " ہمیں دنیوی تعلیم اور تربیت کے ساتھ ایک ایسی روحانی تعلیم اورتربیت کی ضرورت ہے جو ہمسایے سامنے ایسی راہیں کھول دے ایسے عجیب وغریب حقائق رکھے ایسا جذبہ پیدا کرے جو ایک طرف اس دنیا میں ہم کو اونچی اخلاقی قدروں پر عمل کرنے کی طاقت دے اور دوسری طرف بتلائے کہ ان کا تعلق صرف اسی دنیا سے نہیں جو وقت اور فاصلہ کی جکڑ بندیوں میں گھری ہوئی ہے بلکہ اس کے بعد بھی اس کے آگے بھی ایک دنیا ہے جہاں ہمیں اپنے ہرفعل کی جوابدہی کرنی ہوگی - اور جس کا خوف ہمیں اس دنیا میں صحیح اقدام کرنے پر مجبور کرے"- یہہ ایک حقیقت ہے کہ جبتک اس دنیا میں انسان میں بے لوث جذبہ خدمت بے غرض محبت انسانیت اور روحانیت پیدا نہ ہو اس میں سچائی اور تحمل ایذا نہ ہو وہ اس دنیا میں امن کی برقراری پر یقین نہیں رکھہ سکتا اور یہہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ تیسری جنگ نہ ہوگی - حالانکہ آج دنیا کا ہر سمجھہ دار انسان جانتا ہے کہ تیسری جنگعالمگیر کے معنی نوع انسانی کی موت کے ہیں -

بعض سمجھ دار سائنس دان حال مین تعلم بڑے ممالک کے صدور سے اپیل کرچکے ھین کہ امن کی بحالی کی کوشش کی جائے ورنہ سائنس نے انسان کو آج ایسے مہلک ھتھیار بخش دئیے ھین کہ وہ دنیا سے اپنی نوع ھی کا قلع قمع کردےگا مگر دنیاوی کشمکش جاری ھے اور جاری رھےگی اور اس وقت تک جاری رھےگی جب تک کہ اس دنیا کے انسانون مین روحانیت نہ پیدا ھو سچائی اور انصاف نہ پیدا ھو - خدا کا خوف اور اپنی عاقبت کا اندیشہ نہ پیدا ھو دوسرے الفاظ مین تصوف کی تعلیم اور اس پر عمل عام نہ ھو - اگر صوفیانہ نظری اور عملی علوم سے فیضیاب ھوکر انسان اس دنیا کے اسٹیج پر ملک کی باگ ڈور سنبھالین تو حرص وھوس کے جذبات مٹ جائینگے اقتدار کا لالچ ختم ھوجائےگا زمینون کی ھوس ملک کے حدود وسیع کرنے کا جذبہ مٹ جائےگا - اپنا نظام حیات یا فلسفہ حیات دوسرے پر تھوپنے کی کوشش ختم ھوجائےگی - اشتراکیت (کمیونزم) اپنے آپ کو سرمایہ داری نظام (کیپٹل ازم) پر تھوپنے کی کوشش نہین کرےگا - ایسے انسان روپیے کا غلط استعمال نہین کرینگے- فضول خرچی مٹ جائےگی ملکی روپیہ تعیشات مین ضائع نہ ھوگا معاشی خوشحالی بڑھےگی - اگر ترقیاتی منصوبون پر آج پچاس فیصد خرچ ھورھا ھے کل صد فی صد خرچ ھوگا - نفرت اور حقارت مٹ جائینگی تعصب ختم ھوجائےگا- بلکہ ایسے صوفی نوجوانون کو پیدا کرےگا جو ھر قسم کی برائی سے پاک ھونگے - وہ دنیا کے ھرکاروبار مین ایسی ھمت اور طاقت

سچائی اور ایسے جذبہ سے اٹہین گے جس کو کوئی طاقت روک نہ سکے گی - وہ ایسے نوجوان ہونگے جو ہروقت حقائق کی تلاش میں ہونگے - دنیا کی کوئی چیز ان کو غلط راستے پر نہ ڈالے گی - نہ وہ حسن کے پھندے میں گرفتار ہونگے - نہ شہوانی نسفی عشق کے پھندے میں - وہ اس مسرت وخوشحالی سکینت وطمانیت کو لانے کی کوشش کرینگے جو سماج کو ملکہ کو ایسی بلندی پر پہنچائیگی جس کے لئے برسوں سے یہہ زمین اور کائنات کوشاں ہے - ارتقاء کی وہ آخری حد ہوگی - ایسا مقام ہوگا جس کو مصلحین نے شاعروں نے فلسفیوں نے مفکروں نے انسان کا نصب العین قرار دیا تھا -

ایسی ساری تعلیم اور تدریس بیکار ہے جس کے ذریعہ انسان میں انسانیت نہ پیدا ہو - خواہ آج کیسی ہی آرٹس کی سائینس کی اور انجینیرنگ کی اور کسی قسم کی فنی تعلیم انسان کو دیجائے وہ بالکلیہ ناکافی ہے - انسانیت کی تکمیل کے لئے اس کے چھپے ہوئے جوہر کو اجاگر کرنے کے لئے اس خاص روحانی تعلیم کی ضرورت ہے جو تصوف پیش کرتا ہے - اورجب تک یہہ نہ ہو ہماری ہر تعلیم ادھوری ہے - ناقص وناتمام ہے -

ع - مردم اندر حسرت فہم درست

ضرورت ہے اس بات کی کہ دنیا کا ہرشخص جان لے کہ وہ اس دنیا میں ایمان و عمل صالح کے لئے پیدا کیا گیا ہے اورجب وہ اخلاص کے ساتھہ عمل صالح کرتا ہے تو کائنات کے مقصد کو پورا کررہا ہے - اس کو جاننا چاہئے کہ اس کا مقصد

اس دنیا میں کیا ہے۔ یہہ دنیا جس میں وہ رہتا ہے کیا کسی خاص مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ کیا اس کو کسی نے پیدا کیا ہے یا یونہی خود بخود وجود میں آگئی ہے۔ اس دنیا کے اعمال پر جزا اور سزا ہے یا نہیں ۔

ان سوالوں کے جواب صحیح طور پر یہی روحانی تعلیم دیتی ہے۔ اور ان جوابات کی روشنی میں جب وہ اپنے آپ نظر ڈالتا ہے تو وہ اس کائنات کے خالق کی مرضی کے خلاف ہرگز قدم نہیں اٹھاسکتا۔

اگر آج مادی حیثیت سے بڑے کارنامے انجام دینے والوں کو دنیا اپنا رہبر مانتی ہے تو کیوں روحانی بلندیوں پر لیجانے والوں کی اتباع نہیں کی جاتی ۔ اگر آج دنیا کی بلند ترین چوٹی سر کرنے والے کو اس کا ماہر سمجھہ کر اس کی قدر کی جاتی ہے اگر آج تیز رفتار موٹر بنانے والے انسان کو بہتر موٹر بنانے کے عوض میں اپنا استاد مان کر اس کی اتباع کی جاتی ہے اور تیز رفتاری میں اس کاریگر کے کارخانے کی موٹر کا مطالبہ کیاجاتا ہے تو پھر روحانی حیثیت سے بلند ترین مقام رکھنے والے صوفیوں کی تلاش کیوں نہیں کی جاتی کیوں نہیں ان کے روحانی فلسفہ کو اپنا یاجاتا کیوں نہیں ان کے نظام کو آزمایا جاتا جب کہ وہ تمام دنیوی مسائل کا ایک عمدہ حل پیش کرتے ہیں ۔

صوفی وہ ہے جو ذکر فکر اور رابطہ کی مشق کی وجہہ سے مخلص اور نیک ہوجاتا ہے۔ اس پر خدا کی قوت حاصل ہونے کی وجہہ سے حقیقت

منکشف ہوجاتی ہیں۔ ہرچیز کو وہ اس کی اصلی شکل میں اس کے صحیح خد وخال میں دیکھتا ہے اور اس کا استعمال فطرت کے مطابق کرتا ہے۔ اس طرح دنیا اور انسانیت کے لئے اس کی ذات اسوہ حسنہ بن جاتی ہے۔ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے جو آج سائنس ترقی کی دنیا میں بڑے سے بڑا سائنس دان بڑی سے بڑی دوربین سے بھی نہیں دیکھ سکتا ۔ اورجب دیکھ ہی نہیں سکتا تو کر کیا سکتا ہے اس کے برخلاف صوفی نہ صرف علم بلکہ خاص نظروں سے چھپی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھتا ہے اور انسانوں کو ان کے کام آنے والی چیزوں سے باخبر کرتا ہے۔ یہہ صوفی وہی ہوتا ہے جو دن رات چلتے پھرتے گھومتے باغ میں شہر میں بازار میں دنیاوی کاموں میں ہرجگہہ اس خالق حقیقی سے اپنا ربط قائم رکھتا ہے مواقب رہتا ہے۔ اس سے ڈرتا ہے اس کے احکام کے مطابق تمام دنیاوی کام انجام دیتا ہے اورایسے ہی شخص کے متعلق کہا گیا ہے کہ جس کو وہ دیکھ لیتا ہے وہ برائی کے راستے سے ہٹ کر اچھائی کے راستہ پر آجاتا ہے۔

ع ــ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں ۔

بہرحال اس طرح کا انسان ہی سماج کا رخ بدل سکتا ہے۔ سماج اور قوم کو ایسے دھارے پر ڈالتا ہے جو عین انسانیت ہے اور اس دنیا کا مقصد ہے۔

انسان نے سمندر اور زمین کو مسخر کرنے کے بعد ہوا کی تسخیر کی اور اب وہ خلاء کی تسخیر کی فکر میں ہے۔

اب وقت ہے کہ وہ اپنی بقا کے لئے انسانیت کی بقا کے لئے روحانیت کے ملکوت کی تسخیر کرے جس کی مسافت کا کوئی اندازہ نہیں جو وقت اور فاصلے سے بالاتر ہے۔ لازوال ہے انتہائی حقیقت ہے ۔ جس کا قدم اس طرف اٹھے گا وہ اس دنیا اور آنے والی دنیا میں سکون اطمینان خوشی اور راحت حاصل کرسکتا ہے ۔

بہر حال یہہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس سکڑتی دنیا میں روحانی نظام کی اور روحانی اتحاد کی شدید ضرورت ہے جو مختلف ثقافتوں کو ایک جگہہ لاسکے تاکہ اس دنیا میں امن برقرار رہ سکے اور صراط مستقیم کی طرف اس کے قدم اٹھہ سکیں ۔

دل کی اس تنبیہہ پر ہم اس مقالہ کو ختم کرتے ہیں ۔

(رباعی)

غافل مشو دیدہ دل کور مکن

کاشانہ انتباہ بے نور مکن

عیب وہنر خویش ہمہ وقت ببین

آئینہ زپیش روئے خود دور مکن

" وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین "

....

(١٠) حوالے

(٢) تصوف کیا ہے۔

١) صوف ازم   از آر - بیسری   صفحہ ٧

٢) "   "   "   "   ١٢

٣) مسٹزم سیکریڈ اینڈ پروفین (تمہید)
از آر - سی زینر (آکسفورڈ) سنہ ١٩٥٧ع

٤) انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھیکس جلد (٩)   صفحہ ١١٤

٥) تجدید تصوف وسلوک از عبدالباری صاحب ندوی   "   ١٥

٦) "   "   "   "   ٧ و ٨

٧) "   "   "   "   ٦

٨) انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھکس
از جیر - ہیسٹنگس جلد ١٢   "   ١٠ و ١١

٩) کتاب اللمع مرتبہ نکلسن   "   ٢٠

١٠) ڈاکٹرائن آف دی صوفیز از آر - بیری ١٩٣٥ع   "   ٥
اور
صوف ازم از ڈاکٹر میر ولی الدین - ان " ہسٹری
آف فلاسفی ایسٹرن اینڈ ویسٹرن " بڑ ڈاکٹر
رادھا کرشن -   "   ١٧٠

۱۱) قرآن اور تصوف از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب — صفحہ ۱۳

۱۲) اسلامک صوفازم از سردار اقبال علی شاہ — " ۱۹

۱۳) منقول از تذکرہ السلوک از نجم الغنی صاحب — " ۲

۱۴) قرآن اور تصوف — " ۱۲

۱۵) رسالہ قیشریہ از ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری — " ۱۲۷

۱۶) " " " " " — " ۱۲۷

۱۷) " " " " " — " ۱۲۷

۱۸) کشف المحجوب منقول از قرآن اور تصوف — " ۱۳

۱۹) تذکرۃ السلوک — " ۲

۲۰) تایید الحقیقت العلیا از جلال الدین سیوطی
منقول از قرآن اور تصوف — " ۱۰

۲۱) تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی — " ۵۷

۲۲) کشف المحجوب از علی الہجویری ترجمہ محمد حسین — " ۴۵

۲۳) " " " " " — " ۴۸

۲۴) رسالہ قشیریہ — " ۱۲۷

۲۵) " " — " ۱۳۸

۲۶) کشف المحجوب — " ۴۹

۲۷) رسالہ قشیریہ — " ۷

۲۸) نفحات الانس از جامی مرتبہ ڈبلیو۔ این لیس — صفحہ ۳۴

۲۹) رسالہ (مصر) " ۹

۳۰) کتاب البیان (مصر)

۳۱) دی ارلی ڈیولپمنٹ آف محمڈنزم
از ڈی۔ ایس۔ مارگو لیتھہ " ۱۴۶

۳۲) اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان (طبع دوم لاہور) " ۵۴و ۵۵

۳۳) تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد صاحب نظامی " ۶۲

۳۴) فیوض یزدانی ترجمہ فتح الربانی (مواعظ حضرت غوث اعظم)
از عاشق الہی صاحب مجلس " ۲۸

۳۵) مقالات الاحسان فی مقامات العرفان۔ ترجمہ فتوح الغیب
از حضرت غوث اعظم " ۲۹۲

۳۶) سوانح عمری حضرت غوث اعظم
از منشی نظیر احمد صاحب قریشی۔

۳۷) یادگار دستگیر ترجمہ غنیۃ الطالبین
از حضرت غوث اعظم " ۵۵۷و ۵۵۸

۳۸) شیخ اینڈ ہز صوفی ازم از عبد العلی " ۲۶

۳۹) " " " " ۵۸

۴۰) یادگار دستگیر " ۵۵۸و ۵۵۹

۴۱) " " " ۵۶۱

۴۲) فتــــوح الغیب   مقالہ   ٦

---

(۳) تصوف اور بیـــــرونی اثرات

۱) لٹریری ہسٹری آف پرشیا از ای - جی - براؤن جلد ایک صفحہ ۴۱۹

۲) " " " " "

۳) تاریخ تصوف از ڈاکٹر محمد مصطفےٰ حلمی
ترجمہ رئیس احمد جعفری کتب منزل لاہور
جولائی سنہ ۱۹۵۰ع " ۸۱

۴) " " " " " ٦۱

۵) لٹریری ہسٹری آف پرشیـــا جلد ایک " ۴۱۹

٦) کتاب الاحصـــاء جلد ١٦ منقول از ابوریحان المبیرونی
اینڈ ہزانڈین اسٹڈیز از ڈاکٹرایم -ایل
رائــــــے چودھری - " ۱۴

۷) تحقیق الہنــد منقول از تاریخ تصوف " ٦۵

۸) تاریخ تصوف " ٦۷و ٦۸

۹) " " " ٦۸

۱۰) لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد ایک " ۴۱۹

۱۱) تاریـــــخ تصوف " ۸۹

۱۲) تاریخ تصوف صفحہ ۸۹

۱۳) " " " ۹۰

۱۴) مسٹکس آف اسلام از آر۔ اے نکلسن سنہ ۱۹۱۴ " ۱۰

۱۵) " " " " " ۱۰ و ۱۱

۱۶) تاریخ تصوف " ۹۴

۱۷) دی بکتش آرڈر آف درویشز از جان کنگسلسے برج " ۲۱۵

۱۸) تاریخ تصوف " ۹۸

۱۹) مسٹکس آف اسلام - - " ۱۰

۲۰) ڈکشنری آف اسلام از ٹی۔ پی ھاگس " ۲۴

۲۱) تاریخ تصوف " ۱۱۴

۲۲) " " " ۱۱۶

۲۳) مسٹکس آف اسلام " ۱۲

۲۴) تاریخ تصوف " ۱۱۸

۲۵) دی بکتش آرڈر آف درویشز " ۲۱۴

۲۶) تاریخ تصوف " ۱۱۹ و ۱۲۰

۲۷) دی بکتش آرڈر آف درویشز " ۲۱۴

۲۸) تاریخ تصوف " ۳۰۳

۲۹) مسٹکس آف اسلام صفحہ ۱۳

۳۰) اوریجن اینڈ ڈویلپ منٹ آف صوفزم ایشاٹک جنرل
انو نکلسن مطبوعہ سنہ ۱۹۰۶ع " ۳۲۰و ۳۳۰

۳۱) مقاصد الفلاسفہ از امام غزالی " ۴۴
منقول از تصوف عمر رضا ڈوگرول استنبول ۱۹۴۸ع

۳۲) " نکت " از ابن سینا منقول از تصوف عمر رضا " ۴۰۲و ۴۸۱

۳۳) ابن سینا " اشارات " منقول از تصوف عمر رضا " ۱۱۸

۳۴) " تصوف " انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

۳۵) ریلیجنس سسٹمس آف دی ورلڈ از ای۔ جی ۔ براون " ۳۱۵و ۳۱۶

۳۶) لٹریری ہسٹری آف پرشیا " ۴۲۱

۳۷) تاریخ مشائخ چشت ازخلیق احمد صاحب " ۲۴

۳۸) تاریخ تصوف " ۲۲

۳۹) " " " ۳۱و ۳۲

۴۰) " " " ۳۲

۴۱) فلسفہ عجم از ڈاکٹر اقبال " ۱۴۷

۴۲) تاریخ مشائخ چشت " ۲۶

۴۳) تاریخ تصوف " ۵۲

۴۴) تاریخ لٹریری ہسٹری آف پرشیا " ۴۱۸

۴۵) کشف المحجوب از ہجویری صفحہ ۲٦۷

۴٦) صوف ازم از آربری * ۲۷

۴۷) احیاء علوم الدین منقول از تاریخ تصوف * ۱۰۲ اور ۱۰۳

۴۸) تاریخ تصوف * ۱۰۲ اور ۱۰۳

۴۹) " " * ۴۴ و ۴۵

۵۰) ڈکشنری آف اسلام * ۲۴

---

(۴) سیدنا غوث اعظم کا مقام صوفیاء میں

۱) المنتظم (ابن جوزی) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)
ذیل طبقات الحنابلہ (ابن رجب) منقول از تاریخ
دعوت وعزیمت حصہ اول از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی * ۱۸۲
و
تحفہ قادریہ - از سید خیرالدین ابوالمعالی قادری * ۱۸

۲) تحفہ قادریہ * ۲۱

۳) دی شیخ اینڈ ہز صوف ازم از عبدالعلی * ۳

۴) تاریخ دعوت وعزیمت * ۱۸۲

۵) تحفہ قادریہ * ۸۲-۸۳ و ۸۴

٦) دی جنرل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی سنہ ۱۹۰۷ع * ۲۹۸

۷) انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد اول

۸) بہجۃ الاسرار از شیخ علی شطنوفی مصری و سیرت غوث اعظم -	صفحہ ۳۲
۹) اخبار الاخیار منقول از سیرت غوث اعظم	" ۷۱
۱۰) زبدۃ الآثار - ازشیخ عبدالحق محدث دھلوی	" ۲۳
۱۱) قلائدالجواہر از محمد بن یحیی مصری منقول از تاریخ دعوت وعزیمت	" ۱۸۶
و سیرت غوث اعظم	" ۷۲
۱۲) بہجۃ الاسرار اور زبدۃ الآثار منقول از سیرت غوث اعظم	" ۷۲
۱۳) ذیل طبقات حنابلہ ابن رجب منقول از تاریخ دعوت وعزیمت	" ۱۸۵
۱۴) تاریخ دعوت وعزیمت	" ۱۸۵ و ۱۸۶
۱۵) بہجۃ الاسرار اور قلائدالجواہر	" ۳۴۳
۱۶) سیرت غوث اعظم از حضرت شاہ مراد مارھروی	" ۲۰۵ و ۲۰۶
۱۷) اسٹڈیز ان اسلامک مسٹی سزم از نکلسن	۸۱
۱۸) احسن الاذکارفی مناقب غوث الابرار از ابوالخیر اشہر محمدعلی	" ۲۳
۱۹) سیرت غوث الاعظم از مولانا زاھد القادری	" ۳۶ و ۳۷
۲۰) تاریخ دعوت و عزیمت	" ۱۸۵
۲۱) اسپرٹ آف اسلام از امیر علی	" ۴۷۲
۲۲) تحفہ قادریہ	" ۱۹

۲۳) تحفـه قادریه — صفحه ۵۴

۲۴) بهجـة الاسرار — " ۵۵

۲۵) اخبار الاخیار فی اخبار الاخیار از محمد اشرف علی لکهنوی — " ۱۱۷

۲۶) بهجة الاسرار کتاب تکمله احسن الاذکار فی مناقب غوث الابرار
باب اول اور مخازن قادریه - از شمس الدین قادری مخزن اول

۲۷) احسن الاذکار فی مناقب غوث الابرار - باب اول
بهجـة الاسـرار -

۲۸) تحفـه قادریه — صفحه ۵۹

۲۹) اخبار الاخیار فی اخبار الاخیار — " ۱۱۶ اور ۱۱۷

۳۰) مناقب غوثیه از شیخ محمد الدین غزنوی — " ۲۳۰

۳۱) سیرت غوث الاعظم از مولانا زاهد القادری — " ۴۰

۳۲) زبدة الآثار از شاه عبدالحق محدث دهلوی — " ۹ و ۱۰

۳۳) سیرت غوث اعظم از شاه مراد مارهروی — " ۲۶۹

۳۴) زبدة الآثار — " ۶ و ۷

۳۵) مخازن قادریه مصنفه شمس الدین بن ولی الله مخزن اول
غیر مطبوعه مخطوطه سنه ۱۱۸۷ هـ جو ڈاکٹـــــر
میر ولی الدین صاحب کے کتب خانه میں موجود هے -

۳۶) سیرت غوث اعظم — " ۲۸۳

٣٧) مخازن قادریہ مخزن اول مقدمہ

٣٨) مخازن قادریہ مخزن ششم

---

(٥) قادری نظـــــام تصوف

١- توحیـــــــد وجودی

١) نظریہ وحدت الوجود کی کامل تشریح کرلئے دیکھو قرآن اورتصوف
از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب مطبوعہ ندوة المصنفین
طبـــع سوم سنہ ١٩٥٦ ع -

٢) مخازن قادریہ مخزن گیارہ

٣) ملفوظ قادریہ منقول از مخازن قادریہ مخزن گیارہ

٤) احسن الاذکار فی مناقب غوث الابرار
از نواب محمد علیخان نواب و رئیس رام پور ١٩٠٣ع صفحہ ٤٥

٥) " " " " " ٤٦ نسخہ

٦) فتوح الغیب مقالہ (٣) ترجمہ محمد عالم صاحب کاکوری
رموز الغیب " ١١- ١٢ و ١٣
منقول از تاریخ دعوت وعزیمت " ١٨٨ و ١٨٩

٧) مخازن قادریہ مخزن دس وگیارہ

٨) قصیدہ عینیہ منقول از مخازن قادریہ مخزن دس

٩) " " " "

۱۰) ملفوظات قادریه منقول از مخازن قادریه مخزن گیاره

۱۱) مخازن قادریه مخزن گیاره

۲- رویت باری تعـــالی

۱) مخازن قادریـه مخزن دس

۲) حدیث منقول از مخازن قادریه مخزن دس

۳) ملفوظات قادریه منقول از مخازن قادریه مخزن دس

۴) قصیـده تائیـه

۵) مخازن قادریه مخزن ششـم

۶) " " مخزن دس

۷) ملفوظ قادریه منقول از مخازن قادریه مخزن دس

۸) " "

۹) " "

۱۰) " "

۱۱) " "

۱۲) " "

۱۳) قصیـده تائیـه

۱۲) قصیدہ عینیہ (قصائد غوثیہ)

---

(۶) سلوک قادریہ

ا- ذکر

۱۲) شفاء العلیل ترجمه قول الجمیل مطبوعه مطبع
نظامی کانپور سنه ۱۲۹۱ صفحه ۳۸

۱۳) مخــازن قادریه مخزن پنجم

۱۴) " "

۱۵) نظام السلک فقراء از مولانا عبدالقدیر صدیقی قادری " ۴۸و ۴۹

۱۶) مخازن قادریه مخزن پنجم

۲- فکــــر یا مراقبـــــه

۱) رساله مراقبه از خواجه بنده نواز گیسودراز
شائع کرده عطا حسین (دوازده رسائل) صفحه ۲

۲) تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفه تاریخ از شاه ولی‌الله
دهلوی - "
(مرکن قائلی پریس لاهور ۱۹۴۶م)
مترجمه پروفیسر محمد سرور صاحب صفحه ۴۳

۳) نورالکریمتین از قمرالدین صاحب مجددی " ۱۴۶

۴) مخازن قادریه مخزن ششم

۵) بهجة الاسرار - تکلمه منقول از مخازن قادریه مخزن‌ششم

۶) شفاء العلیل ترجمه قول الجمیل
از شاه ولی الله محدث دهلوی صفحه ۴۲

۷) شفاء العلیل ترجمه قول الجمیل
از شاه ولی الله محدث دهلوی — صفحه ۴۳- ۴۴ و ۴۵

۸) صراط مستقیم از حضرت اسمعیل شهید — " ۱۰۷

۳- رابطـــه با صحبت شیـــخ

۱) فتوح الغیب از حضرت غوث اعظم مترجمه سکندر شاه صاحب
"کلام الطیب" مطبوعه برقی پریس دهلی ۱۹۳۰
مقـــاله ۱۷ — صفحه ۴۱

۲) کشکول کلیمی از شاه کلیم الله صاحب — " ۳۲

۳) مکتوبات مجدد الف ثانی جلد دوم مکتوب ۳۰ — " ۴۶

۴) " " " " — "

۵) شفاء العلیل ترجمه قول الجمیل طبع نظامی کانپور سنه ۱۲۹۱ — " ۴۹ و ۵۰

۶) فتوح الغیب مترجمه میر ریاست علی مطبوعه نیشنل
فائن پرنٹنگ پریس چارکمان حیدرآباد سنه ۱۹۵۸ع — " ۶۱

۷) منقول از "فوائد خواجه بنده نواز" مرتبه
مشوق یار جنگ — " ۳۸ و ۳۹

۸) ملفوظات قادریه منقول از مخازن قادریه مخزن ششم

۹) " " " "

۱۰) " " " "

۱۱) " " " "

١٢) ملفوظات قادریه منقول از مخازن قادریه مخزن ششم

١٣) " " " "

١٤) " " " "

١٥) " " " "

١٦) " " " "

١٧) مخازن قادریه مخزن ششم

١٨) " "

١٩) ملفوظ قادریه منقول از مخازن قادریه جلد (مخزن) ششم

٢٠) " " " "

٢١) " " " "

٢٢) مخازن قادریه مخزن ششم

٢٣) بهجة الاسرار منقول از مخازن قادریه مخزن ششم

٢٤) مخازن قادریه مخزن ششم

٢٥) " "

٢٦) ملفوظات قادریه منقول از مخازن قادریه مخزن چهارم

٢٧) یادگار دستگیر ترجمه غنیة الطالبین

از حضرت غوث اعظم صفحه ٥٦٦ و ٥٧٠

۲۸) یادگار دستگیر ترجمہ غنیۃ الطالبین
از حضرت غوث اعظم صفحہ ۵۶۹

۲۹) " " " " " " ۵۴۲-۵۴۳-۵۴۲ و ۵۴۴

۲- سماع

۱) ختام العاشقین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ صفحہ ۲۲

۲) بوارق الصلاح فی تکفیر من یحرم السماع
مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ سنہ ۱۳۱۷ " ۶۸ ~~تا~~

۳) تجلیات سماع فی اباحۃ السماع از مفتی داود علی صاحب مطبوعہ ۱۳۰۹ " ۶، ۷، ۸، ۹

۴) رسالہ قیشری منقول از تجلیات سماع فی اباحۃ السماع " ۱۳ و ۱۴

۵) کشف المحجوب منقول از تجلیات سماع فی اباحۃ السماع " ۱۳

۶) عوارف المعارف از شہاب الدین سہروردی
منقول از تجلیات سماع فی اباحۃ السماع " ۱۴ و ۱۵

۷) مخازن قادریہ مخزن ۹

۸) منقول از رسالہ احقاق السماع تالیف
حافظ محمد قیام الدین عبدالباری انصاری فرنگی محلی
مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ سنہ ۱۳۱۸ھ " ۴ و ۵

۹) " " " " " ۵

۱۰) " " " " " ۵

۱۱) " " " " " ۶

۱۲) " " " " " ۱۱

۱۳) مخازن قادریہ مخزن ۹

۱۴) سیرۃ غوث اعظم از شاہ مراد مارھروی صفحہ ۳۸۶تا۳۸۹

۱۵) " " " " ۳۹۰

۱۶) ملفوظ قادریہ منقول از مخازن قادریہ
مخزن ۹

۱۷) تحفہ قادریہ از سید خیرالدین ابوالمعالی " ۴۴

۱۸) مخازن قادریہ مخزن ۹

۱۹) سیرۃ غوث اعظم " ۳۹۲

۲۰) یادگار دستگیر ترجمہ غنیۃ الطالبین
از حضرت غوث اعظم " ۵۹۳و۵۹۴

---

(۷) حضرت غوث اعظم کے تبلیغی و اصلاحی کارنامے

۱) تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی صفحہ ۱۰۷

۲) اخبارالاخیار " ۱۳

۳) هسٹاریکل اسکیچس ابن خلدون منقول از دی شیخ اینڈ هز مریدز ص ۲۵

۴)(قلائدالجواهر اور " ۸
(منقول از تاریخ دعوت وعزیمت " ۱۹۸

۵) فیوض یزدانی ترجمہ فتح الربانی
از عاشق الهی صاحب مجلس " ۵۱

۶) سوانح عمری حضرت غوث اعظم از منشی ظہور احمد سہاب قریشی صفحہ
و
سیرت غوث اعظم از شاہ مراد علی ہروی " ۴۰۸

۷) ملفوظات (حضرت غوث اعظم) " ۵۰۷

۸) سیرت غوث الاعظم از مولانا زاہد القادری " ۳۵و۳۶

۹) سیرت غوث الاعظم از شاہ مراد علی ہروی " ۲۰۳-۲۰۴ و ۴۰۸

۱۰) تاریخ عرب از پی۔ کے ہٹی " ۴۳۶و۴۳۷

۱۱) سیرت غوث اعظم از مولانا زاہد القادری " ۳۶

۱۲) فتوح الربانی ترجمہ عاشق الہی صاحب مجلس ۹، ۲

۱۳) فتوح الربانی ترجمہ عاشق الہی صاحب، مجلس ۲۲، ۱۸، ۲ ۵

۱۴) فتوح الربانی ترجمہ عاشق الہی صاحب، مجلس ۱، ۵، ۲۹

۱۵) کانفری بیوشن ٹو دی بائیو گرافی آف اے۔ کے۔ جیلانی
از مارگولیتھ منقول از دی شیخ اینڈ صوفی ازم صفحہ ۳۲

۱۶) جرنل آف دی رائل ایشاٹک سوسائٹی
از مارگولیتھ سنہ ۱۹۰۷ " ۲۷۴و

۱۷) لائف آف عبدالقادر از ڈھس منقول از دی شیخ اینڈ صوفی ازم " ۳۳

۱۸) جرنل آف دی رائل ایشاٹک سوسائٹی سنہ ۱۹۰۷ " ۳۰۸

۱۹) تاریخ دعوت وعزیمت " ۲۰۲

۲۰) فتوح الربانی مجلس ۶۱، ۱۳۲۵/۲۵۹۱

۲۱) تاریخ دعوت وعزیمت صفحه ۲۰۳

(۸) ہندستان اور پاکستان میں قادری فیضان

۱) تحفہ قادریہ از سید خیرالدین ابوالمعالی قادری صفحہ ۸۹

۲) سیرت غوث اعظم از شاہ مراد مارہروی " ۸۹

۳) خزینۃ الاصفیاء جلد اول از غلام سرور صاحب
مطبع ثمر ہند لکھنو سنہ ۱۸۷۳ء " ۱۱۵ تا ۱۱۸

۴) تذکرہ اولیائے ہند جلد سوم از مرزا محمد اختر صاحب
میسور پریس دہلی سنہ ۱۹۲۸ " ۶۹
اور
سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ قادری سنہ ۱۸۸۴
نولکشور پریس " ۱۸ تا ۲۰

۵) تذکرہ اولیائے ہند " ۲۶ - ۳۷ - ۳۸ و ۴۰
اور
سفینۃ الاولیاء " ۶۹ و ۷۰

۶) سیرت غوث اعظم از شاہ مراد مارہروی " ۲۰۴
اور
تذکرہ اولیائے ہند جلد سوم " ۴۰ تا ۴۷

۷) تذکرہ اولیائے ہند جلد سوم " ۵۵ تا ۵۷

		صفحہ
٨) خزینۃ الاصفیاء جلد اول از غلام سرور صاحب مطبع ثمر ہند لکھنو سنہ ١٨٧٣	"	١٢٣
٩) " " " " " "	"	١٢٧
١٠) سیرت غوث اعظم	"	٢٠٣تا٢٠٤
١١) سیرت غوث اعظم	"	٣٠٢
اور		
تذکرہ اولیائے ہند جلد سوم	"	١٧
١٢) محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن از محمد عبد الجبار خان صاحب حصہ دوم	"	٧٤١
١٣) مخازن قادریہ مخزن پنجم		
١٤) ترجمہ روضۃ الاولیائے بیجاپور از شاہ سیف اللہ قادری سنہ ١٣١٤ھ	"	٣٩-٤٠-٤٧-٧٩-٨٢-٩١و٩٢
١٥) محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن حصہ اول از ابوتراب محمد عبد الجبار خان ١٣٣١ھ	"	٤٩تا٥١
١٦) " " " "	"	٩٩تا١٠٠
١٧) " " " "	"	٢٢٧تا٢٢٩
١٨) " " " "	"	٥٠٨تا٥٠٩
١٩) " " " "	"	٥٠٩تا٥١١
٢٠) " " " "	"	٥٢٠تا٥٢١

۲۱) محبوب ذی‌المنن تذکرہ اولیائے دکن حصہ دوم
از ابو تراب محمد عبدالجبار خان ۱۳۳۲ھ   صفحہ ۶۳۶تا۶۳۸

۲۲) " " " " " " ۶۵۱تا۶۸۱

۲۳) " " " " " " ۸۸۹

۲۴) " " " " " " ۹۶۸تا۹۷۵

۲۵) " " " " " " ۹۸۴تا۹۸۸

۲۶) " " " " " " ۱۰۱۷تا ۱۰۲۰

۲۷) " " " " " " ۱۰۴۲تا ۱۰۴۳

۲۸) تذکرۃ المشائخ سید عبداللہ حسینی منقول
از برکات الاولیاء -
از سید امام الدین احمد صاحب ۱۳۲۲ھ   " ۱۱۴
دہلی -

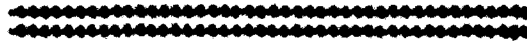
۲۹) برکات الاولیاء   " ۲۰۴تا ۲۱۵

۳۰) تاریخ دعوت وعزیمت حصہ اول
از مولانا ابوالحسن علی ندوی
طبع معارف اعظم گڈھ سنہ ۱۹۵۵ع   " ۲۰۶

۳۱) تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی
ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی   " ۱۳۴

---

(۹) تصوف اور موجودہ سماج



E QADERIYYA SYSTEM OF SUFISM

*
*

Thesis submitted for
the degree of
Ph.D.
in Philosophy
at the Osmania University

MOHAMMED MURTUZA SIDDIQI
M.A.Research Scholar
Osmania University

July
1959

DEDICATION

"Dedicated to those who stood by me in the dark days of my life"

Contents

A synopsis of the thesis

on

"THE QADERIYYA SYSTEM OF SUFISM"

**

In the first chapter of this thesis I have endeavoured to prove that there is hardly any barren land where the tree of Mysticism has not grown. We find the beginning of Mysticism with the beginning of every religion. It is there in Christianity, in Hinduism and also in Islam. But in Christianity it is called Mysticism, in Hinduism, Vendantism and in Islam it is called Sufism.

As Arberry says: "Mysticism is undoubtedly a Universal Constant, its variations can be observed to be very clearly and characteristically shaped by the several religious systems upon which they were based. In this varied company Sufism may be defined as the mystical movement of an uncompromising Monotheism."

Scholars hold different views about the derivation of the word Sufi. These views are detailed and discussed fully.

It is said that Sufism is a doctrine of Spiritual revelation which transcends the ordinary powers of understanding such as direct communion of the soul with God, the spiritual

apprehension of the truth beyond the grasp of the intellect.

Sufism teaches us how to purify one's self, improve one's morals and build up one's inner and outer life in order to attain perpetual bliss. Its subject matter is the purification of the soul and its end or aim is the attainment of felicity and blessedness. In brief it may be said that Sufi is a God-centered man who has given his life to God in a renewed dedication. He keeps himself poised in His Peace and Presence all day and performs all the daily tasks as a loving service for Him. He seeks to do all his work in His strength, accepting His guidance, peace and perfection in every experience. He practises the presence of God in all his affairs and gives to the world freely of His love and prayers as He directs. He then creates a united crusade for the peace of all mankind and contributes in prayers and action to the well being of all. "Sufism teaches us to live in purity, work in piety, and ask God to help you in your endeavours". (Ali).

In the second chapter I have examined the views of the Orientalists as to the origin of Sufism. I have given enough evidence to show that Islamic mysticism (or Sufism) has its own and independent Origin. The Orientalists seem to be misled by similarities to be found in the way of living of the Sufis. As John Kingsley Birge, in his book "Bektashi Order of Dervishes" says: "In the case of Christanity it is not so easy to feel sure of a dependent connection. In many

a case where resemblance is most close, the real origin may have been from other direction. Even then the similarity of the idea, may have effectively reserved to draw in Christians and to make them feel at home within the order".

Besides, there is enough proof in the Quran to show that the Sufis led their life in strict confirmity with the injunctions of the Quran and the traditions of the Prophet.

As to the view that Neo-Platonism is the source of Islamic Mysticism, it may confidently be stated that this view is incorrect. It is an established fact that the state of the early spiritual life in Islam -- characterised by ascetism and of obstaining from sin and of devotion -- was quite different from the latter developed forms which had more scientific character than what it had been in the beginning. This clearly indicates that in the beginning the Muslim Mystics did not know Greek philosophy and even if they knew it they did not want to mix it with their own ideas. Besides, History tells us that it was in the Abbasid reign when the Muslims came in contact with Greek philosophy through Arabic translations.

To those who are of the opinion that Islamic Mysticism has its roots in Persia it may be shown that the influence of the ancient Iranian culture on the Pre-Islamic Arab Culture is not yet clearly established. If it is said that most of the early Sufis were from Persia, it may be pointed

out that most of the Sufi Shaykhs were not of Persian origin, for example, Abu Sulaiman Darawani (A.H.215) was an Iraqi Arab, and Zul-Nun-e-Misri (A.H. 245) was an Egyptian. And several other prominent Sufis were of Arab origin.

As to the theory that Islamic Mysticism takes its rise from India, it will be enough to say that in the Second Century Hejrah Muslims began to acquaint themselves with the books of other nations and it is in this period that the Hindus and Buddist works were translated into Arabic. Finally I would mention the name of Professor Loui Massinon, a great scholar on Islamic Mysticism, who has given definite proof in his book "Essai Sur Les Originies De Lexique Technique Dela Mystique Musulmane" that the original source of Islamic Mysticism is the Quran and the Hadith and this movement is purely Islamic.

In the next chapter I have determined the status of Shaykh Abdul Qader Jeelani among the Sufis.

All the contemporary Sufis and Saints had accepted him as their Shaykh. It is also said that he was the "Qutub-ul-Aqtab" of his time.

Historians say that five thousand people embraced Islam through his efforts. God had given him such an eloquent tongue and arresting style that every one who ever heard him became his disciple. Shaykh Ali Mutaqi Bin Hisamuddin has said that no one has ever reached to the high place occupied by Shaykh Abdul Qader Jeelani.

Shaykh Arif Abu Mohammad Ali used to say that once Shaykh Abdul Qader had said "There are Shaykhs for men, for Angels and for the Jinns, but I am the Shaykh of all".

In the chapter on "Qaderiyya system of Sufism" I have proved from Shaykh's speeches and sayings that he was a believer in the theory of Unity of Being (Wahdat-al-Wajud) and those who believe in the Unity of Being do believe in the beatific vision of God. It is possible to have a vision of God in this world by the "inner eye" and in the next world by the "eyes of the head".

In the chapter on the Mystic Path followed by the Qaderiyyas considerable material has been presented from the Quran and Hadith and from the sayings of the Saints, to show the significance of (a) Zikr (Rememberance); (b) Fikr (Meditation and Contemplation); (c) Rabta (Companionship of the perceptor or Shaykh).

The Suluk (pilgrimage or Dharma) of Qaderiyya is divided into three stages. In the first stage the Salik (one who enters on Suluk) recites silently or aloud the name of God (Zikr). By this means those who have faith are taken out of darkness into light. The Salik considers that every thing is the manifestation of God. He never sees anything without seeing God in it. In the second stage the Salik takes no cognisance of things, objects have no reality for him. He

passes away from his own attributes and persists in the attributes of God.

"So form from form must be withdrawn
At revelation's dazzling dawn".

In the third and last stage evacuation of thought, both of reality and non-reality, takes place. A colourless impression dawns on the mind, the impression of sameness, God being above thought. There remains the vision of what was of God for God, the one and eternal is alone in His one-ness.

I have shown in a separate chapter the importance of "Audition" or music (Sama), in Islam. The Prophet has heard it under certain restrictions and so have great Sufis and Muslim Jurists. Shaykh Jeelani and his disciples did not permit common people to indulge in audition very often, keeping in view the danger involved in such a practice.

In the chapter on the "Mission of the Shaykh", I have discussed the great services he has rendered to Islam and to the Muslims in general. He was the greatest personality of the Twelfth Century. If it was through Gazzali's efforts that Sufism attained a firm and assured position in Islam, because it was he who reduced Sufism to a scientific form, then it was Shaykh Abdul Qader Jeelani who showed its pragmatic value and gave life to it as a practical movement. He was the first mystic reformer who used Sufism for the propagation of the golden principles of Islam.

His speeches and preachings are unprecedented in the Islamic history.

According to Ibn Khaldun, he began his sermons in the background of war, unsettled social and political conditions. But he never hesitated to raise his voice against the Caliphs, Qazis and other high ranking officials of Baghadad. He used to say "I would like to close the gates of Hell and open those of Paradise to all mankind". "Faith consists of both words and deeds. No word is acceptable without deed and no deed is acceptable, if it is not done with sincerity". "Good deeds rendered for some return have no value; every good deed must aim at the nearness of God."

Call it his Sufism or doctrine of love, it's a fact that he felt the pulse of the Universe. His Sufism, or as Margoleith has termed, "the substitute for every other mode of reformation", was to be the excitement of religious emotion. Ibn-i-Jauzi says that Shaykh Abdul Qader Jeelani spoke direct to the people's hearts and enjoyed great fame and popularity. The bulk of the people of Baghdad were reformed through his efforts. Many Christians and Jews embraced Islam after hearing his sermons. The Shaykh was matchless and was one of those few Muslim reformers who practised whatever they preached. According to Margoleith he endeavoured to do in Baghdad what in modern cities is undertaken by such agencies as the city mission or the salvation army. He professed to have made

large numbers of converts among the criminal classes in Baghdad, and like some modern agencies for moral reform he offered temporal relief as well as spiritual counsels. After his death his disciples carried his work throughout the entire world of Islam.

Under the caption "Qadri Faizan in India and Pakistan" I have tried to show the contributions of Qadri Sufis, who reached nearly in every part of India and Pakistan and did their level best to preach true Islam e.g. Unity, Godliness, Truth, Humanity and Sacrifice.

Many of them preached through their sermons and lectures and some through their books. Many of these spiritual reformers came to India from Iraq and sacrificed everything for the sake of Islam. Byt their efforts they touched the hearts of not only the common people but also Kings and Princes of the different States came under their sway. In this way Qadri order became very popular throughout India and Pakistan.

The last chapter "Sufism and Modern Society" throws light on the significance of Sufism in these days of Sputniks and Rockets. Scientific advancements and technological developments have given human beings such deadly weapons, as if used might mean the extermination of whole human race. At this moment it is necessary that not only the Heads of the big States be controlled through spiritual unity, but also every

human being must be taught the doctrine of love, humanity and tolerance. If nations want to survive and to maintain peace in this world, there must be a system which should train the hearts of the people. And Sufism alone can change the hearts and minds of the people. As Dr. Radhakrishnan has recently said, "the fulfilment of man consists not in acquiring information and skill but in becoming an illumined soul and soul can only be illumined through Sufism."

Sufism is not only necessary for spiritual life, but it is very essential for wordly life also. It gives us strength, spirit and courage to face all the ups and downs of this world. The inner eye which Sufism lightens in our hearts gives us some extra-ordinary knowledge. It makes us feel others' pains and sorrows. It gives us power to be honest, sincere and frank. It trains us to see every thing objectively. Sufism has the dynamic force which can end all conflicts, clashes and differences, distinction of castes, creeds and religons. It can make this world a Paradise, where there will be no suppression and oppression, no misery, no pain and one who practises Sufism becomes a Superman indeed.